شمارہ: 8 2019

اکتوبر، نومبر، دسمبر

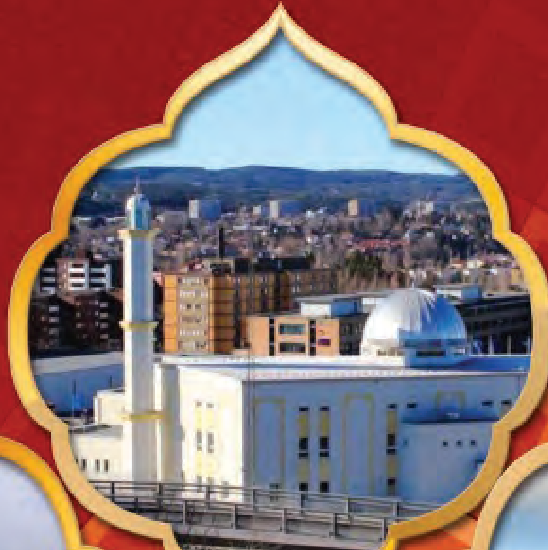
مدیر: اے آر خان

سہ ماہی قندیل حق لندن

QINDEEL-E-HAQ

Asgher Ali Bhatti: alibhtti602@gmail.com M: 0022792195432

A.R.KHAN: Ph: +44-7886304637 Email: qindeelehaq@gmail.com





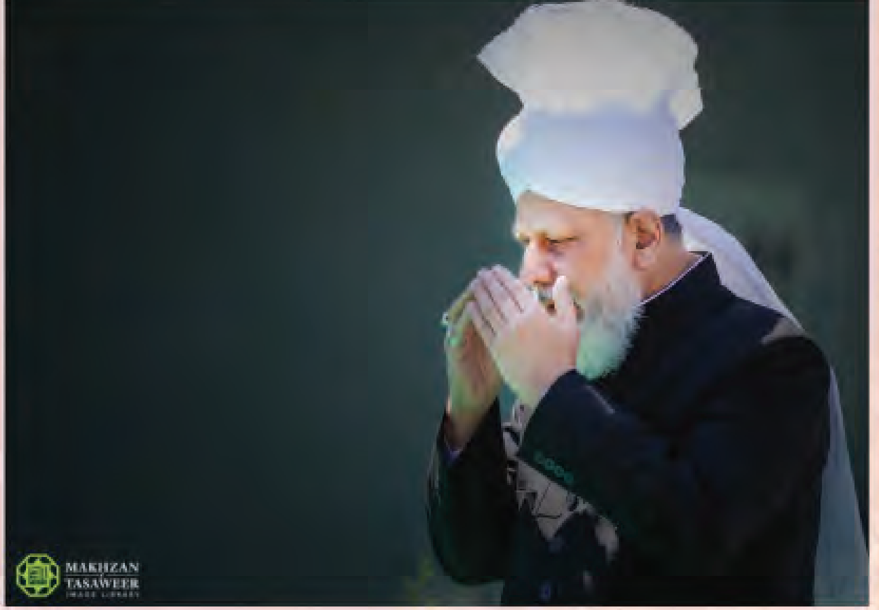


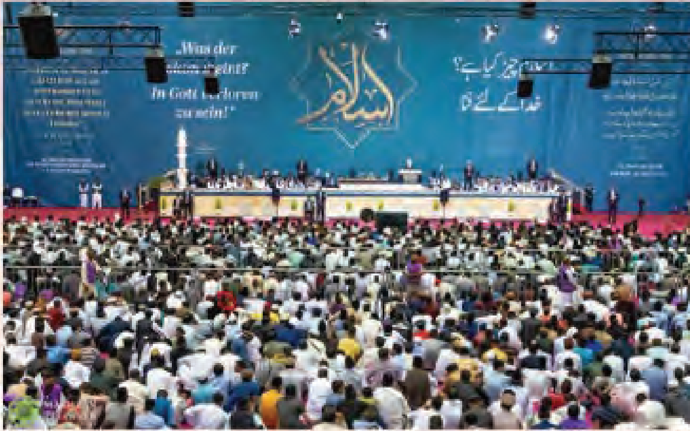


جلسہ سالانہ جرمنی ۲۰۱۹ء کے چند دلکش مناظر













مجلس ادارت

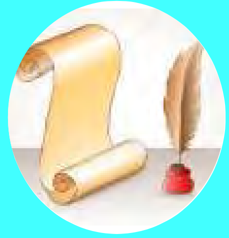
نگرانِ اعلیٰ : اصغر علی بھٹی۔مغربی افریقہ

مدیر : اے آر خان

ایڈیٹوریل بورڈ : رند ملک، جمیل احمد بٹ، ڈاکٹر فضل الرحمن بشیر
رانا غلام مصطفیٰ منصور، ریاض احمد ڈوگر
نجم الثاقب کاشغری

فہرست





اداریہ　قادیانیوں سے خرید وفروخت ممنوع کے اسٹکرز

رانا عبدالرزاق خان۔لندن



شنید ہے کہ بلکہ ثبوت بھی ہے کہ پاکستان میں بعض شہروں میں علمائے سُو کے بدکردار اور اُوباش چیلوں نے یا ختم نبوت کے لوطی لونڈوں نے قادیانیوں سے خرید وفروخت ممنوع۔کے اسٹکر زلگوائے ہیں ۔جو نیک فطرت دوکاندار یہ اسٹکر زنہیں لگواتا اسے اسلام کا واسطہ دے کر اسٹکر زلگوانے کی ترغیب دیتے ہیں۔تا کہ یہ لوگ مشرکین مکہ کا کردار ادا کر سکیں جس طرح انہوں نے شعب ابی طالب کے موقعہ پر ہمارے پیارے نبی اور صحابہ کو تنگ کیا تھا۔حالانکہ یہ اُسوہ حسنہ رسول نہیں ۔ان سرکاری طور پر کہلانے والے نام نہاد مسلمانوں کو اپنے گریبان میں جھانکنا چاہیئے۔ یہ یقیناً یہود ونصاریٰ کے پیروکار ہیں اور اکثریت کے زعم میں حضرت محمد ﷺ کے اُسوہ حسنہ کے مخالف عمل پیرا ہیں ۔سب دوکاندار بھی ایک جیسے نہیں۔مگر آج کل کے دوکانداروں کے کردار پر بھی روشنی ڈالنا ضروری سمجھتا ہوں ۔ پنجاب اور پاکستان کے دوکاندار اکثر کذب بیانی اور کم ناپنا اور کم تولنے سے کام لیتے ہیں۔ ملاوٹ ان کا اوڑھنا بچھونا ہے ۔ ہر کام میں دھوکہ اور دونمبری ان کے بزنس کا شعار ہے۔ یہ لوگ بدمعاش اور سیاسی غنڈوں سے خائف ہو کر اپنی عزت اور بزنس بچانے کے چکر میں ان کے خوشامدی رہتے ہیں ۔حالانکہ اس طبقہ میں سود خور اور حرام خوروں کی تعداد کم نہیں ۔اور جو حرام خور ہوا ُسے حقوق العباد اور حقوق اللہ کا سبق دینا بیکار ہے۔ بے حیا باش ہر چہ خواہی بکن ۔ پھر جو نام نہاد مذہبی لونچڑے ہیں ان کا کام ہی مدرسہ بازی ہے۔مولانا سمیع الحق کی طرح یہ لوگ کسی لونڈے سے ہی قتل ہونگے۔

یہ کس اُسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر یہ مکروہ کام کر رہے ہیں۔ ذرا غور فرمائیں۔

1۔رسول کریم ﷺ کی مبارک زندگی میں اذان دینے سے کون روکتا تھا ؟ صحابہ کرام یا مخالفین؟ یاد رکھیں کہ صحابہ کرام ایمان لانے والے تھے اور مخالفین یہودی۔عیسائی۔مشرکین اور دیگر کفار یعنی انکار کرنے والے۔2۔اپنے آپ کو مسلمان کہنے سے کون روکتے تھے ؟ صحابہ کرام یا مخالفین؟۔3۔تبلیغ کرنے اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے سے کون روکتے تھے؟ صحابہ کرام یا مخالفین؟۔4۔اذان۔تبلیغ۔کلمہ اور اپنے دین کو اسلام کہنے کی وجہ سے سزائیں کون دیتے تھے، مارنے والے کون تھے؟ صحابہ کرام یا مخالفین؟ 5۔مساجد تعمیر کرنے، اپنے آپ کو مسلمان کہنے اور اپنے رب کی عبادت کرنے سے اور حج کرنے سے کون روکتے تھے؟ صحابہ کرام یا مخالفین؟ 6۔کیا رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی انسان یا جماعت کو اذان دینے سے منع فرمایا تھا؟ ۔7۔کیا رسول کریم ﷺ نے کبھی کسی انسان یا جماعت کو یہ فرمایا کہ جا آج میں تجھے دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتا ہوں، آج کے بعد تمہارا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔؟؟؟ آج اپنے آپ کو مسلمان کہنے سے کون روکنے والے ہیں؟ ایمان لانے والے احمدی مسلمان یا انکار کرنے والے مخالفین؟ آج اذان دینے سے، تبلیغ کرنے سے، مسجد کو مسجد کہنے سے، کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے روکنے والے کون ہیں؟ ایمان لانے والے احمدی مسلمان یا انکار کرنے والے مخالفین؟ مسلم ٹی وی احمدیہ انٹرنیشنل پر پابندی لگانے والے اور شدید خوف کھانے والے کون ہیں ؟ ایمان لانے والے احمدی مسلمان یا انکار کرنے والے مخالفین؟؟ منیر انکوائری رپورٹ، محضر نامہ اور دیگر بیشمار کتب پر اور ایم ٹی اے tv پر پابندی لگانے والے اور شدید خوف کھانے والے کون ہیں؟ ایمان لانے والے احمدی مسلمان یا انکار کرنے والے مخالفین؟ خوف کس بات کا ہے؟ کیوں جان نکلی جارہی ہے ان مخالفین کی جو اپنے آپ کو علماء کہتے ہیں۔

یہ قوم یہود ایک صدی سے اس کوشش میں ہے کہ احمدیوں کو نیست و نابود کر دے اور پھر اپنی من مانی کرے۔1970 سے پہلے کا پاکستان دیکھیں اور اب اس ملک کی اخلاقی اور مالی حالت کا جائزہ لیں

تو پتہ چلے گا کہ ان مذہبی منافقوں نے سارے ملک میں جہاں جہاں دیانتدار انتظامیہ تھی اُن کو نکال باہر کیا۔احمدی اور دیگر دیانتدار آفیسروں کو کھڈے لائن لگا دیا،اوراپنی من مانی کی بھرتیاں کر کے سارے نظام کو تہہ وبالا کر دیا۔سیاسی پارٹیوں نے اور مذہبی جماعتوں نے مذہب کے نام پر پراپیگنڈہ کر کے اپنی جگہ بنائی اور بدقماش اور بد کردار،جعلی ڈگری ہولڈروں کو بھرتی کر کے ملک کا بیڑہ غرق کیا۔ سارے سی ایس پی اور پی سی ایس اٹھارہ اوراُنیس گریڈ کے افسر دونمبر بھرتی کئے۔راشی اور مرتشی کے نظام کو رائج کیا۔پی پی پی اور ن لیگ کے سیاسیوں نے باقاعدہ بھاری رقوم لے کر مجرم اذہان کے افراد کو بھرتی کیا۔اور آج ملک کا یہ حال ہے کہ نہ کوئی ادارہ اور نہ کوئی فرد دیانتداری سے کام لے رہا ہے۔عدلیہ انتظامیہ علمائے سُو، پولیس،فوج تک اس کار بد میں ملوث ہیں۔پھر ان سرکاری مسلمانوں کی بے ایمانی اور کافری ملاحظہ ہو کہ کسی بھی کمزور اقلیت کو جینے نہیں دیتے۔جو وہ چاہتے ہیں کرتے ہیں اور کرواتے ہیں۔ایسے خبیث اور یزید ہیں کہ بدمعاش پارلیمنٹ ممبران کے ذریعہ صرف قانونی اغراض کے لئے ناٹ مسلم قرار دے کر اب اُن احمدیوں کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے۔بعین ہی کفار مکہ کی طرح۔جس طرح اُن جاہلوں نے شعب ابی طالب میں کیا تھا۔سارے احمدیوں پر ملازمتوں کے دروازے بند ہیں۔مذہبی رسوم وعبادات کی اجازت نہیں۔کسی الزام پر جواب کی اجازت نہیں۔کاروبار کی اجازت نہیں۔جو بھی کوئی منصف انسان احمدیوں کے حق میں آواز اُٹھاتا ہے اسے فوراً قادیانی کہہ کر اس کا جینا دُوبھر کر دیا جاتا ہے۔جو سلوک یہود فلسطین میں مسلمانوں سے کر رہے ہیں۔یہ پاکستانی نام نہاد مسلم اقلیتوں سے اور احمدیوں سے روا رکھے ہوئے ہیں۔اسی طرح جو ہندو کشمیریوں سے سلوک کر رہے ہیں وہی سلوک یہ پاکستانی اپنے ملک میں کمزور لوگوں سے روا رکھے ہوئے ہیں۔جو ان پاکستانی نام نہاد مسلمانوں کا کردار ہے وہ اُسوہ حضرت محمد ﷺ سے یا اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔تعلق اسلام آباد یا دیوبند، بریلی اور رائے ونڈ،احرار، طالبان،لشکر جھنگوی، لدھیانوی سے تو ہوسکتا ہے۔اگر یہی روّیہ رہا تو جلد ہی خدا تعالیٰ ظالم کا حساب لیگا۔خود اتنے بدکردار ہیں کہ کوئی برائی نہیں چھوڑتے۔دنیا کی بدترین قوم یہ شمار ہوتے ہیں۔ساری دنیا میں یہ بھکاری اور بے ایمان کی طرح بدنام ہیں۔کشکول بردار فقیر کی مانند یہود و نصاریٰ کے آگے ہاتھ پھیلائے رکھتے ہیں، بھارت کے مقابلے میں بھی یہ سفارت کاری میں فیل ہو چکے۔بلوچستان اور کشمیر ان کے ہاتھ سے جا رہا ہے۔عزت اتنی ہے کہ ایک امریکی وزیر نے کہا تھا کہ پاکستانی اپنی ماں کو بیس ڈالر میں بیچ دیا کرتا ہے۔ایکسپورٹ میں یہ بالکل ناکام۔مالٹے کی بجائے یہ شلجم بھر دیتے ہیں۔جاپان کے عجائب گھر میں ان کی برآمدشدہ روئی سے ایک اینٹ رکھی ہوئی ہے جس پر لکھا ہے (کاٹن فرام پاکستان)،کتنے لوگ حج کرنے گئے۔ساتھ ڈرگز لے گئے۔اور سزا وار ٹھہرے۔گردن کٹوا کر لاش پاکستان پہنچی۔سارے پاکستان کے تھانے چیک کریں تو ہزاروں FIR آئمہ مساجد کے خلاف لونڈے بازی کی ہیں۔اور آئمہ مساجد جیلوں میں سڑ رہے ہیں۔اتنا لکھنا کافی ہے۔رحیم یار خان میں یہ شکار کے نام پر سکول و کالج کی بیٹیاں ابوظبی کے شہزادوں کو پیش کرتے ہیں۔یہ اسلام نہیں یہ اسلام آباد ہے۔آپ میں سے ہزاروں نیک لوگ بلکہ نادرا کے ریکارڈ کے مطابق دس ہزار سے زائد لوگ احمدی ہو چکے اور بیرون ممالک میں پناہ گزین ہو چکے۔ملک میں نہ امن ہے، نہ عدل ہے، نہ اسلام ہے،مدرسے ہیں یا لونڈے بازی ہے۔اور پھر بھی قادیانیوں کا بائیکاٹ کیا جا رہا ہے۔ لعنت ہے ایسی قوم پر اور ایسے لیڈروں پر۔کوئی بھی دین، یا عقیدہ محبت اور پیار سے پھیلتا ہے۔نہ کہ جبر سے۔حضرت محمد ﷺ نے پیار سے غیر مسلموں کے قلوب کو جیتا تھا۔لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہہ کر سب کو مسلمان کیا تھا۔تم لوگ اپنے روّیے اُسوہ حسنہ کے مطابق کرو ورنہ ابوجہل اور ابولہب کی موت مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔خدا اچھے لوگوں کو عزت دیتا ہے۔اور اچھے لوگوں کو پسند کرتا ہے۔علمائے سُو نے ساری قوم کا بیڑہ غرق کر دیا ہے۔

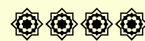
تم مسلماں ہو کہ جن کو دیکھ کر شرمائیں یہود

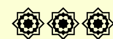
نہ مسجد ایک نہ قرآن ایک، نہ قبلہ ایک، نہ لیڈر ایک، نہ ماں اور باپ ایک، کردار کے غازی بنو گفتار کے غازی مت بنو۔یہ علمائے سُو دشمن پاکستان ہیں۔ان کی تاریخ پڑھو۔قیام پاکستان سے اس ملک کے دشمن ہیں۔

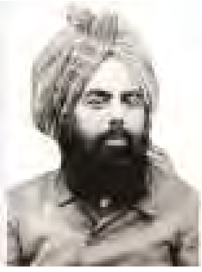
شور ہے، ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں ہے مسلم موجود!
وضع میں تم ہونصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں! جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

اس کے باوجود....غور کرو وہ کیا وجوہات ہیں کہ شدید دشمنی اور مخالفت کے باوجود.....

علماء، پیشہ ور ملاؤں اور گدی نشین مشائخ کی تمام تر کوششوں کے باوجود .... حکومتوں، فوجی آمروں .... کی ساری طاقت استعمال کرنے کے باوجود، .....پولیس انتظامیہ اور پارلیمنٹوں کے ذریعے احمدیہ جماعت کو ختم کرنے کی کوششوں کے باوجود، ......، 1953 اور 1934 ,1974, 1984 کی اور بعد ازاں کی ... احمدیہ مخالفت عوامی فسادات برپا کرنے کے باوجود ... ناجائز اور ظالمانہ قوانین لانے کے باوجود .... احمدیہ لٹریچر، اجتماعات، پریس رسالوں اخبارات اور کتابوں پر پابندی کے باوجود ... تحریر وتقریر پر پابندیاں لگانے کے باوجود، ... جیلوں اور طویل مقدمات میں احمدیہ جماعت کے افراد کو اُلجھانے کے باوجود .... سینکڑوں معصوم احمدیوں کو شہید کرنے اور گھروں دکانوں اور مساجد جلانے اور ڈھانے کے باوجود ...الغرض ہر پہلو سے زبان بندی اور تحریر تقریر پر پابندیوں کے باوجود .... جماعت احمدیہ اسلامیہ کی آواز کو ہر ممکنہ ذریعے سے پوری شدت اور قوت سے دبانے کے باوجود ایک "جھوٹے مدعی" کی آواز، پہلے ایک دور افتادہ چھوٹے سے گاؤں سے باہر نکلی، پھر اپنے شہر اور صوبے سے، پھر اپنے ملک میں اور اب دنیا کے دور دراز 213 ملکوں میں پھیلتی جارہی ہے .... کیا خدا کی دشمنی میں ایک جھوٹا مدعی، اس کے نام سے، پھل پھول سکتا ہے؟ کیا قرآن نہیں کہتا کہ مجرم اور مفتری خدا کے نام سے جھوٹا دعویٰ کرنے والا ناکام اور خائب وخاسر ہوگا تباہ و برباد ہوگا؟ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ۔ الحشر۔







نظم

حضرت مسیح موعود علیہ السلام

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے

سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے

پہلوں سے خوب تر ہے خوبی میں اک قمر ہے
اُس پر ہر ایک نظر ہے بدر الدّجیٰ یہی ہے

پہلے تو رہ میں ہارے پار اس نے ہیں اتارے
مَیں جاؤں اس کے وارے بس ناخدا یہی ہے

پَردے جو تھے ہٹائے اندر کی رہ دکھائے
دِل یار سے ملائے وہ آشنا یہی ہے

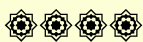
وہ یارِ لامکانی وہ دلبرِ نہانی
دیکھا ہے ہم نے اُس سے بس رہنما یہی ہے

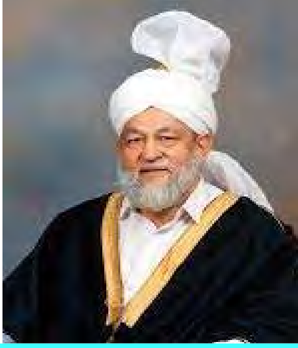
وہ آج شاہِ دیں ہے وہ تاجِ مرسلیں ہے
وہ طیب و امیں ہے اُس کی ثناء یہی ہے

حق سے جو حکم آئے اُس نے وہ کر دکھائے
جو راز تھے بتائے نعم العطا یہی ہے

آنکھ اُس کی دُور بیں ہے دل یار سے قریں ہے
ہاتھوں میں شمع دیں عین الضیا یہی ہے

(قادیان کے آریہ اور ہم۔ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 456)





پروگرام ملاقات (منعقدہ 24 جنوری 1994ء بمقام لندن)

حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ



مرتب کنندہ: منیر احمد شاہین مربی سلسلہ

سوال:۔ ''حضور پاکستان میں گستاخِ رسولؐ کے ordinance کی مذہبی حیثیت پر آپ کیا تبصرہ فرمائیں گے؟ اِس کی ضرورت کیوں پیش آئی اور کیوں جاری کیا گیا؟''

حضور رحمہ اللہ نے فرمایا:۔

''جہاں تک بزرگ ہستیوں کی ہتک اور گستاخی کا تعلق ہے۔ یہ مسئلے آج کل بار بار عالم اسلام میں اُٹھ رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں جہاں تک مَیں نے قرآنِ کریم پر نظر دوڑائی ہے، اس جستجو کے لئے کہ کہیں کسی کی گستاخی کی کوئی سزا دکھائی دے تو مجھے کہیں کوئی ایسی سزا دکھائی نہیں دی جو انسانی ہاتھوں سے دینی مقرر فرمائی گئی ہو۔ ہاں اللہ اپنے ہاتھ میں سزا کا معاملہ رکھتا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کی اہانت:

سب سے پہلے تو یہ بات قابل غور ہے کہ جس ملک میں یعنی ہندوستان میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ کے نام پر تحریک چلی اور اس کے نتیجہ میں ایک ملک حاصل ہوا وہاں سب سے زیادہ عزّت اور وقار اللہ کی ذات کو ہونا چاہیئے اور یہ تحریک اگر نہ بھی ہوتی تو بہرحال ہر مذہب کی ہر محبت کی بنیاد جو انسان، انسان سے رکھتا ہے اللہ ہی پر ہے۔ حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اگر محبت ہے تو اسی وجہ سے ہے کہ اللہ سے سب سے زیادہ پیار کرتے تھے اور اللہ آپؐ سے سب سے زیادہ پیار کرتا تھا۔ تو اللہ کی گستاخی کو کیسے بھولا جاسکتا ہے؟ اگر گستاخی کی سزا کا معاملہ زیرِ غور آئے تو سب سے پہلے اللہ کی گستاخی کی طرف ذہن جانا چاہیئے۔

اِس ضمن میں اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں خود اس مضمون کو بیان فرماتا ہے۔ ایک جگہ فرمایا وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًام بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ص ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الانعام: 109) کہ وہ مصنوع خدا جو لوگوں نے بنا رکھے ہیں ان کو بھی برا بھلا نہ کہو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو وہ جواباً غصہ میں خدا کو گالیاں دیں گے تو دیکھو تمہیں کیسا محسوس ہوگا؟ یہ اس مضمون میں داخل ہے اگرچہ لفظوں میں بیان نہیں ہوا اور جب خدا کی گستاخی کا ذکر آیا تو ذہن میں آسکتا ہے کہ اس وقت فوری طور پر اللہ تعالیٰ بتائے گا کہ اگر وہ خدا کو گالیاں دیں تو اس طرح قتل وغارت شروع کرو۔ فرماتا ہیکَذٰلِکَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ اُمّت کو اپنا عمل اچھا دکھائی دیتا ہے۔ قیامت کے دن یہ فیصلہ اللہ فرمائے گا کہ کس کا عمل اچھا تھا اور کس کا بد تھا؟ اور کسی سزا کا ذکر نہیں یعنی انسانی ہاتھوں سے دیئے جانے کا ذکر نہیں۔

☆ یہود و نصاریٰ اور خدا کی اہانت:

پھر اسی مضمون کو یہودؔ اور نصاریٰؔ کے حوالہ سے، عیسائیوں کا ذکر کرتے ہوئے پیش فرماتا ہے کہ انہوں نے خدا کا بیٹا بنا لیا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ط قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا لا مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا لا وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ق مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ط كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ط اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا (الکہف: 2 تا 6) اس دوسرے حصہ کا تعلق اس مضمون سے ہے جو مَیں نے بیان کیا تھا کہ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہٖ وسلم پر یہ کتاب اُتاری ہے کہ مومنوں کو تو خوشخبری دے اور ان لوگوں کو ڈرائے جنہوں نے خدا کا بیٹا بنا رکھا ہے۔ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ان کو کوئی علم نہیں كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ. جھوٹ بول رہے ہیں اُن کو کوئی علم نہیں، كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ بہت ہی بڑی گستاخی کا کلمہ ہے جو ان کے منہ سے نکلا ہے۔ اس بیان کے بعد اللہ تعالیٰ نے کسی سزا کا ذکر نہیں فرمایا۔ خدا کے خلاف اتنی بڑی جرأت اور ایسی بڑی گستاخی کہ اللہ خود فرماتا ہے كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا

كَذِبًا کہ جھوٹ کے سوا یہ کچھ نہیں کہہ رہے اور سزا کا کوئی ذکر نہیں۔ دل آزاری کا ذکر فرماتا ہے، دل آزاری ضرور ہوئی تھی، کس کی؟ سب سے زیادہ اللہ کے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کی، فرماتا ہے فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا (الکہف: 7) کہ وہ تیری ان باتوں پر ایمان نہیں لاتے۔ وہ نہیں جانتے کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟ اور اس گستاخی پر مصر ہیں۔ اے محمد! (ﷺ) اس غم میں تُو اپنے آپ کو ہلاک کر لے گا یعنی سب سے زیادہ صدمہ خدا کے خلاف گستاخی کا قلبِ مقدّس حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ الٰہ وسلم کو پہنچتا تھا۔ لیکن کسی دنیاوی سزا کا ذکر نہیں فرمایا ورنہ آج تمام عالمِ اسلام عیسائیوں کو غارت کرنے پر تلا بیٹھا ہوتا۔ ہر اسلامی ملک میں ہر عیسائی کو قتل کر دیا جاتا۔

☆ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی اہانت:

پھر حضرت عیسیٰؑ کے حوالہ سے جن کو ایک قوم نے خدا کا بیٹا بنا لیا اور ایک نے ان کی ایسی تحقیر اور تذلیل کی کہ ان کو عام عزّت کا انسانی مقام دینے پر بھی آمادہ نہ ہوئے۔ قرآنِ کریم ان کا ذکر فرماتا ہے۔ لمبی آیت ہے اس کا ایک ٹکڑا آپ کو سناتا ہوں وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا (نسآء: 157) کہ ان بدبختوں پر لعنت یعنی یہودؔ پر لعنت ڈالی گئی۔ ان وجوہات میں سے ایک وجہ یہ تھی کہ انہوں نے پاکباز مریمؑ پر، عیسیٰؑ کی والدہ پر بہتانِ عظیم باندھا اور حضرت عیسیٰؑ کو جہاں عیسائیوں نے انسان سے بڑھا کر خدا بنا دیا تھا۔ ان لوگوں نے عام انسانی درجہ بھی نہیں دیا بلکہ اسے نعوذ باللہ من ذٰلک ایک ناجائز اولاد کے طور پر سمجھا اور اسی طرح دُنیا کے سامنے پیش کرتے رہے تو بہت بڑی گستاخی تھی۔ لیکن نہ اُن کے لئے سزا مقدر یعنی دُنیا کے لحاظ سے جنہوں نے مرتبہ بڑھا کر خدا کے برابر کر دیا نہ ان کے لئے جنہوں نے انسان سے بھی نیچے گرا دیا۔ تو دونوں گستاخیاں قرآنِ کریم نے درج فرمائیں لیکن کسی انسانی سزا کا ذکر نہیں کیا۔

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اہانت:

اسی بہتان کے سلسلہ میں آگے دیکھیئے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ الٰہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بہتان باندھا گیا۔(1)

اس کا بھی قرآنِ کریم نے ذکر فرمایا ہے اور اس پر آخرت کے عذاب سے ان کو ڈرایا گیا ہے۔ لیکن وہی لوگ society میں پھرتے تھے۔ کسی کو کوئی بدنی سزا نہیں دی گئی۔ قرآن نے جو تعلیم دی ہے وہ ایسی عظیم ہے کہ دُنیا کے پردہ پر اس کی کوئی مثال آپ کو دکھائی نہیں دے گی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی بیٹی تھیں۔ وہ بعض غریبوں کو کچھ مدد دیا کرتے تھے۔ ان میں ایک بدبخت ایسا بھی تھا جو الزام لگانے والوں میں شریک تھا۔ اس واقعہ کے بعد انہوں نے مدد سے ہاتھ روک لیا۔ تو قرآن میں آیت نازل ہوئی اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ان کو فرمایا کہ ایسا نہ کرو۔ اس غریب کو اسی طرح مدد دیتے رہو خواہ وہ کیسا ہی ظلم کمائے مغفرت کا سلوک کرو اللہ مغفرت کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ تم اپنی مغفرت بھی چاہتے ہو۔ (النور: 22) اس مضمون کی آیت کی روشنی میں انہوں نے پھر اس کے نام اسی طرح وظیفہ جاری فرما دیا۔ یہ اسلام ہے جو ہم نے قرآن سے سیکھا ہے۔ وہ اسلام جو ان لوگوں کو نئی تعلیم دیتا ہے وہ کس پر اترا ہے؟ بتائیں تو سہی! قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (البقرۃ: 112) تم سچے ہو تو اپنی دلیل تو لاؤ۔ کس قرآن سے تم نے یہ نئی نئی تعلیمات حاصل کی ہیں؟

☆ حضرت نبی کریم ﷺ کی اہانت:

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ الٰہ وسلم سے متعلق گستاخی کا قرآن میں ذکر موجود ہے اور ایسی بڑی گستاخی ایسی کھلی کھلی بے حیائی کے ساتھ گستاخی کی گئی کہ قرآن نے اس کو درج فرمایا۔ فرماتا ہے کہ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۚ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ سورۃ المنافقون آیت 9۔ ان بدبختوں میں سے کچھ لوگوں نے یہ کہا لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ کہ ہم جب مدینہؔ واپس لوٹیں گے۔ اِس غزوہ والے سفر سے تو ہم میں سے جو سب سے معززؔ انسان ہے وہ سب سے ذلیل انسان کو مدینہ سے باہر نکال دے گا۔ یہ واقعہ عبداللہ بن اُبَی بن سلول کا واقعہ ہے۔ اس بدبخت نے اپنے دوستوں کی مجلس میں ایسی بکواس کی تھی اور مراد نعوذ باللہ من ذٰلک حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تھے۔ کہ جب ہم مدینہ پہنچیں گے تو ان کو مَیں باہر نکالوں گا۔ صحابہؓ اس آیت کو سن کر بہت طیش میں آئے۔

ظاہر بات ہے جیسی محبت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ الٰہ وسلم سے صحابہ کو تھی ویسے آج کل کے علماء جو بھی مقام رکھتے ہوں ایسی محبت کا دعویٰ تو نہیں کر سکتے۔ بہت دل آزاری ہوئی لیکن ایمان پختہ تھا اپنا مرتبہ سمجھتے تھے۔ قرآن اور رسول کی اجازت کے بغیر کسی قسم کی کارروائی کو گوارہ نہیں سمجھتے تھے۔ ایک کے بعد

دوسرا آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہؐ اس بدبخت نے آپؐ کی ایسی گستاخی کی ہے کہ ہمارا خون کھول رہا ہے۔ اجازت فرمائیں کہ ہم اسے قتل کریں۔ لیکن ایک کے بعد دوسرے کو حضورِ اکرم ﷺ نے ردّ فرما دیا۔ فرمایا نہیں۔ کسی سزا کی اجازت نہیں دی گئی یا یہ کہ قتل کی اجازت دیتے۔ کوئی ادنیٰ سی سزا بھی تجویز نہیں فرمائی۔

یہاں تک کہ عبداللہ بن اُبی بن سلول کا اپنا بیٹا جو ایمان میں سچا اور پاک تھا اور مخلص تھا۔ وہ آنحضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ یارسول اللہ! میرے باپ نے بڑی گستاخی کی ہے۔ مَیں جانتا ہوں کہ آپؐ نے دوسروں کو اجازت نہیں دی مگر میرے دل میں یہ خیال آیا کہ شاید میری خاطر ایسا نہ کیا ہو کہ مجھے اپنے باپ کی وجہ سے تکلیف نہ پہنچے یا میرے اس ایمان کو اس طرح ٹھوکر نہ لگے۔ یارسول اللہ! مجھے اجازت دیں، مَیں حاضر ہوں۔ اس بدبخت باپ کو قتل کرنے کے لئے جس نے آپؐ کی گستاخی کی ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے فرمایا نہیں کوئی اجازت نہیں ہے۔(2)

اسی طرح وہ آنحضورؐ کے قافلہ کے ساتھ واپس مدینہ میں داخل ہوا اور بعد کی زندگی میں جو اس کے ساتھ سلوک ہے وہ تو انسان دیکھے تو مذہب کے حُسنِ خُلق کے آسمان پر ایسا کوئی حسن آپ کو چمکتا ہوا دکھائی نہیں دے گا۔ جیسے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے حسن کا آفتاب اس موقعہ پر چمکا ہے۔ عبداللہ بن اُبی بن سلول کچھ عرصہ کے بعد وفات پا گیا۔ اس کے مرنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اس کی نمازِ جنازہ مَیں پڑھاؤں گا۔ آنحضورؐ نمازِ جنازہ پڑھانے کے لئے روانہ ہوئے۔ صحابہؓ میں بے چینی پیدا ہوئی، وہ جانتے تھے کہ یہ کون شخص تھا؟ ہمیشہ منافقت کرتا رہا اور حضورِ اکرم ﷺ کی شان میں ایسی گستاخی کی تھی۔

حضرت عمرؓ ایک طرف سے راستہ روک کے کھڑے ہو گئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ کو علم ہے کہ خدا نے ان لوگوں کے متعلق کیا فرمایا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں مجھے علم ہے! لیکن فیصلہ قائم، انہوں نے عرض کیا یارسول اللہؐ! اللہ تو یہ بھی فرماتا ہے کہ اگر تُو ان کے لئے ستّر بار بھی بخشش طلب کرے گا تو پھر بھی خدا تعالیٰ ان کو نہیں بخشے گا (التوبۃ:80)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے فرمایا، اَے عمر! میرا راستہ چھوڑ دو۔ مالک ہے اللہ! وہ اگر میرے ستّر دفعہ بخشش طلب کرنے پر بخشش نہیں فرمائے گا تو مَیں ستّر سے زیادہ بار اس کے لئے استغفار کروں گا۔(3)

اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے واضح حکم کے طور پر آپ کو ارشاد فرمایا کہ آئندہ تجھے اجازت نہیں ہے کہ کسی کی قبر پر کھڑا ہو۔ ایسے منافق کی قبر پر کھڑا ہو اور دُعا کرے۔ (التوبۃ:84) لیکن جب تک یہ واضح حکم نہیں آیا خُلقِ محمد ﷺ یہ تھا۔ جو اس شان سے چمکا ہے جو مَیں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ مذہب کے آسمان پر تلاش کر کے دیکھ لیں اس کے پاسنگ کو بھی کوئی اور خُلق کا نمونہ نہیں پہنچتا ہوا دکھائی دے گا۔ پس یہ ہے قرآنِ کریم کی تعلیم، حضرت محمد مصطفی ﷺ کا اُسوہ اور کسی جگہ بھی، کہیں بھی اس حکم کے سوا کہ ان کی قبر پر کھڑے ہو کر دُعا نہیں کرنی کوئی اور سزا تجویز نہیں ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کو ہر طرح کے دکھ دیئے گئے۔ بڑی دل آزار باتیں اس مدینہ کی society میں آپؐ پر کی جاتی تھیں۔ یہودؔ ہی گستاخی نہیں کرتے تھے۔ مشرک جو کرتے تھے وہ تو کرتے ہی تھے۔ بلکہ یہود کے علاوہ جو مدینہ میں بار بار دل آزار باتیں کیا کرتے تھے۔ بعض منافقین جیسا کہ عبداللہ بن اُبی بن سلول ہے وہ بھی ایسی باتیں کر کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کو بار بار تکلیف پہنچاتے تھے۔

☆ آنحضرت ﷺ پر مالی خورد بُرد کا الزام:

ایک موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم پر مالی خورد برد کا الزام لگایا گیا۔ یعنی محمد رسول اللہؐ پر جنہوں نے دنیا کو اپنے پاؤں کی ٹھوکر سے دور پھینک دیا، دھتکار دیا۔ کوڑی کی بھی پرواہ نہیں کی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے شادی کی پہلی رات ہی اپنا جو کچھ تھا آنحضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیا اور آپؐ نے صبح ہوتے ہی وہ سب کچھ غریبوں میں اور غلاموں میں تقسیم فرما دیا۔ کچھ کو آزاد کروایا کچھ میں ویسے دولت بانٹی اور حضرت خدیجہؓ خدا کے فضل کے ساتھ بڑی متموّل خاتون تھیں۔ سب روپیہ پانی کی طرح بہا دیا۔(4)

قرآن فرماتا ہے وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ (التوبۃ:58) کہ ان لوگوں میں ایسے بھی بدبخت ہیں جو تجھ پر مالی خورد برد کا الزام لگاتے ہیں اور ایسے کج لوگ ہیں کہ اگر ان کو تُو کچھ دے دے تو راضی ہو جائیں اور اگر ان کو نظر انداز کر دے تو پھر یہ اپنی زبانیں کھولتے ہیں اور بدتمیزی سے تجھ پر الزام لگانے لگتے ہیں مگر کسی بدنی سزا کا کسی دنیاوی سزا کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ پس یہ ہے وہ اِسلامؔ جو مَیں جانتا ہوں اور یہ ہے وہ مذہب کی تاریخ جو قرآن پیش کر رہا ہے۔ حضرت اقدس ﷺ سے پہلے بھی یہی دستور تھا۔ لیکن آپؐ کے زمانہ میں آکر یہ دستور نئی شان سے چمکا ہے۔ اس شان سے پہلے کبھی ایسے حُسنِ

خلق کا مظاہرہ نہیں ہوا جیسے حضرت محمد رسول اللہؐ کے زمانہ میں، خود آپؐ کی ذات میں حُسنِ خُلق کا مظاہرہ ہوا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام کی توہین کی سزا کا قرآنِ کریم میں کوئی ذکر نہیں:

پہلے نبیوں کی تاریخ بھی قرآن پیش فرماتا ہے۔ بڑی بڑی گستاخیاں کی گئیں بڑی بڑی دل آزار باتیں کی گئیں مگر کبھی خدا کے کسی نبی نے، خدا کے رسول نے اپنی گستاخی کے نتیجہ میں کسی قوم کو کسی فردِ واحد کو کوئی سزا نہیں دی۔ حضرت موسیٰؑ کی قوم کے حالات پڑھ لیں۔ ان سے پہلے نبیوں کے حالات پڑھ لیں۔ کیسے کیسے حضرت نُوحؑ کی تذلیل کی گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تذلیل کی گئی۔ موسیٰؑ کی عیسیٰؑ کی ساری قرآن کی تاریخ ان باتوں سے بھری پڑی ہے۔ لیکن کہیں کوئی ایک واقعہ ساری قرآنی تاریخ میں آپ کو دکھائی نہیں دے گا ایک واقعہ بھی کہ کسی نبی نے اپنی گستاخی کی کوئی سزا مقرر کی ہو یا اللہ کی گستاخی کی کوئی دنیاوی سزا مقرر کی ہو۔ یہ معاملہ سب اللہ پر چھوڑ دیا۔

☆ توہین کی سزا کا تصور آیا کہاں سے؟

پھر انہوں نے یہ کہاں سے لیا؟ یہ سوال اُٹھایا گیا ہے کہ آخر انہوں نے کہاں سے لیا ہے؟ یہ تعلیم حاصل کہاں سے کی ہے؟ سوچتے سوچتے مجھے یہ سمجھ آئی کہ یہ بات بھی انہوں نے نبیوں کی تاریخ سے حاصل کی ہے۔ کیونکہ گستاخانِ رسول کی تو کوئی سزا نہیں تھی۔ لیکن عشّاقانِ رسول کو ضرور قتل کیا جاتا تھا اور یہ سزا تمام تاریخِ اَنبیاء پر پھیلی پڑی ہے۔ خود حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی محبت کے جرم میں دیکھو صحابہؓ پر کیسے کیسے ظلم کئے گئے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ تک تو برداشت کر سکتے تھے مگر محمد رسول اللہؐ کے نام سے اُنہیں ایسا طیش آتا تھا، ایسے غضب ناک ہو جاتے تھے کہ کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ بلالؓ کو جس طرح گلیوں میں گھسیٹا گیا ہے (5) وہ یہی قصور تھا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ۔ تو عُشّاقِ رسولؐ کے جان اور اموال محفوظ نہیں تھے۔ مگر خدا کے پاک لوگوں کے ہاتھوں نہیں بلکہ خدا اور اس کے رسولؐ اور ان کے مقدس ساتھیوں کے خلاف ان کے دشمن یہ ہتھیار استعمال کیا کرتے تھے۔

چنانچہ مجھے یاد ہے تاریخِ اسلام میں ایک جگہ عجیب واقعہ درج ہے کہ ایک صحابہؓ کے گروہ کو جب دشمن نے گھیر لیا اور بعض کو لڑتے لڑتے شہید کر دیا گیا اور بعض کو قید کیا گیا۔ ایک صحابیؓ (زید بن دشنہؓ) کو جب قید کے بعد قتل کرنے پر تیار ہوئے تو ایک شخص نے اس وقت ان سے پوچھا کہ اب بتاؤ کہ کیا تم یہ بات پسند نہیں کرو گے کہ تمہاری جان کی خاطر، تمہاری جان بچانے کے بدلہ تمہاری جگہ تمہارا رسول، محمد رسول اللہؐ ہوتا اور وہ تمہاری جگہ فدیہ ہو جاتا۔ انہوں نے پلٹ کر اس شان کے ساتھ، جلال کے ساتھ جواب دیا کہ تم کیا باتیں کرتے ہو؟ خدا کی قسم! مَیں یہ بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ میری جان کے بدلہ میرے پیارے آقا کو مدینہ کی گلیوں میں پھرتے ہوئے ایک کانٹا بھی چبھ جائے۔ یہ تھے عُشّاقِ رسولؐ جن سے دشمن یہ سلوک کیا کرتا تھا۔ (6)

پس جو چاہیں کریں لیکن حوالے تو درست کریں۔ دنیا کے سامنے اسلام کو کیوں بگاڑ کر پیش کرتے ہیں؟ اپنے نفس کے بُغض اور کینے نکالنے ہیں اور اپنی دشمنی کے لئے قتل کے بہانے ڈھونڈنے ہیں تو میرے آقا و مولیٰؐ کی تاریخ سے تو آپ کو یہ بہانے نہیں ملیں گے۔ انبیاءؑ کی تاریخ سے تو آپ کو یہ بہانے نہیں ملیں گے۔ ابوجہل کی تاریخ سے بے شک بہانے تلاش کیجئے بہت مل جائیں گے۔ نمرود کی تاریخ سے آپ کو بہت بہانے مل جائیں گے۔ فرعون کی تاریخ سے آپ کو بہت بہانے مل جائیں گے۔ مگر نہ محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی تاریخ سے ملیں گے۔ نہ موسیٰؑ کی تاریخ سے نہ ابراہیمؑ کی تاریخ سے۔ پس جو کچھ انہوں نے ڈھونڈا ہے مجھے علم ہے کہ کہاں سے ڈھونڈا ہے؟ سارا قرآن اس پر گواہ کھڑا ہے کہ کہاں سے انہوں نے یہ عذر تلاش کئے ہیں۔ لیکن میری التجا یہ ہے کہ خدا کے واسطے اللہ اور رسولؐ کو بدنام نہ کریں۔ اسلامؐ کی پاکیزہ اور عظیم تعلیم کا حوالہ مت دیں۔ حوالے ان کے دیں جن کے یہ کردار تھے۔ جن کا یہ اسلوب تھا جس اسلوب کے ساتھ ہمیشہ رہے اور پھر اس اسلوب کے ساتھ خدا کی تقدیر سے مٹا دیئے گئے۔ صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دیئے گئے۔ پھر کیوں اپنی نیستی اور نابودی کے سامان کرتے ہو؟ اللہ سے ڈرو، اسلامؐ کی پاک تاریخ کو نہ بگاڑو کیونکہ تقویٰ شعاری سے کام لیتے ہوئے تمہارا فرض ہے۔ اسلام کی طرف منسوب ہوتے ہو اس لئے تمہارا فرض ہے۔ دل میں جو کچھ ہے اللہ بہتر جانتا ہے مگر اسلام کی طرف منسوب ہوتے ہو۔ محمد رسول اللہؐ کی طرف منسوب ہوتے ہو۔ اس لئے اسلام کے پاک مذہب کو بدنام نہ کرو۔ محمد رسول اللہؐ کی پاک سیرت کو بدنام نہ کرو اور جن کے بُغض اپنی طرف منسوب کرو یا اپنے جیسے پہلوں کی طرف منسوب کرو مگر خدا کے پاک بندوں کی طرف منسوب کرنے کا تمہیں کوئی حق نہیں ہے۔

دیکھو! ان پاک لوگوں کی طرف منسوب ہونے سے ہی بہت بڑی ذمہ داریاں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک بچہ شرارت کر رہا ہو اس کو بعض دفعہ، اچھے انسان کا اگر بچہ ہو تو گلیوں میں لوگ طعنہ دیتے ہیں کہ دیکھو تو سہی کس باپ کے بیٹے ہو؟

اور بعض دفعہ اسی حوالہ سے وہ کٹ جاتا ہے۔ دنیا کا کتنا ہی بڑا، کتنا ہی معزز باپ کیوں نہ ہو۔ محمد رسول اللہؐ کے مقابل پر اس کی کوئی بھی حیثیت نہیں۔ پس مَیں تمہیں اس آسمانی باپ کا حوالہ دیتا ہوں جس سے بڑا مقدّس باپ کبھی پیدا نہیں ہوا۔ اپنے کردار کو اس حوالہ سے درست کرو۔ ساری دنیا میں اسلام کی ایک بھیانک تصویر بن رہی ہے اور بنا کون رہا ہے؟ وہ لوگ جو دُنیا کی نظر میں اسلام کی طرف منسوب ہو رہے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا جن کو گالیاں دیتے تم تھکتے نہیں ان کا تو یہ حال تھا۔ ان کے دل کی تو یہ کیفیت تھی کہ تمہارے دکھوں اور آزاروں سے تنگ آ کر جب دل غم سے بھر جاتا تھا تو اسے اس طرح سمجھاتے تھے کہ:

اے دِل تُو نیز خاطرِ اِینہاں نگہ دار
کآخر کنند دعوئِ حُبِّ پیغمبرم

اے دل! تجھے بہت دکھ دیا گیا لیکن کچھ اس طرف بھی تو نگہ کر یہ میرے ہی پاک رسولؐ کی طرف منسوب تو ہوتے ہیں۔ اس لئے اس منسوب ہونے کی خاطر ان سے نرمی اور شفقت کا سلوک کر۔ یہ دل کی سچائی ہے یہ عشقِ محمد مصطفیٰؐ ہے۔ جو تمہارے سامنے روشن ستاروں کی طرح چمک رہا ہے۔ یعنی آج کے زمانہ کے عُشّاق کا عشق اس سے ہی فائدہ اٹھاؤ۔ اس کی روشنی سے ہی کچھ سیکھو۔

اس لئے جہاں تک آپ کے اس سوال کا تعلق ہے کہ ان لوگوں نے کہاں سے لیا ہے؟ مَیں نے سب معاملہ آپ کے سامنے کھول کر رکھ دیا ہے۔ قرآن کی تاریخ میں، اَنبیاء کی تاریخ میں ایسا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ خدا کی گستاخی سے بڑھ کر کسی کی گستاخی کو کوئی مرتبہ نہیں دیا جاسکتا اور نبیوں میں سب سے بڑھ کر محمد رسول اللہؐ کی گستاخی ہے۔ پھر پہلوں کی گستاخی میں حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی گستاخی، حضرت مریمؑ کی گستاخی، پھر محمد رسول اللہؐ کے پاک وجودوں کے دَور میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گستاخی، اور آپؐ کے صحابہ کی گستاخی، ہر روز آپ کو گالیاں پڑتی تھیں مگر کسی ذاتی گستاخی یا ہتک کے نتیجہ میں اسلام نے کبھی دنیاوی سختی کی اجازت نہیں دی۔ یہ وہ اسلام ہے جسے دنیا قبول کرے گی۔ اس اسلام کو اس شان کے ساتھ پیش کرو۔ دنیا اس کی عاشق ہوجائے گی کوئی چارہ نہیں رہے گا۔ جس طرح تم اسلام پیش کرتے ہو۔ تمہارے ہاتھ تو پتہ نہیں کتنے آتے ہیں جن کو تم قتل کر کے ان کے خون سے اپنے غضب کی پیاس بجھا سکو گے لیکن اسلام کا خون کردو گے۔ پس ایک جان سے تم اصلاح کی روح کو مغلوب کردو گے اور دنیا کے سامنے اسلام کی جگ ہنسائی کے مواقع پیش کرو گے اور یہی ہو رہا ہے۔

جہاں تک اصلی نیّت اور کُنہ کا تعلق ہے امرِ واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ جانتے ہیں۔ ان کی مجالس میں یہ فیصلے ہوئے ہوئے ہیں کہ یہ قانون درحقیقت عُشّاقِ رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے سچے پاکباز، جاں نثار عُشّاق یعنی احمدیوں کے لئے بنایا جارہا ہے۔ یہی ان کے مشورے اسمبلیوں میں ہوئے۔ یہی اس سے پہلے ضیاء کے دربار میں جاکر باتیں کی جاتی تھیں۔ غرضیکہ یہ سب کچھ یہ جانتے ہیں اور سارا ملک جانتا ہے۔ کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہیں، حوالے بھی پیش کئے جا سکتے ہیں مگر یہ ایسی ظاہر و باہر صداقت ہے کہ احمدیوں کو جو عُشّاقِ رسولؐ ہیں، گستاخِ رسول پر قتل کرنے کے لئے ان کی جان مچل رہی ہے۔ اس لئے گستاخی کا تو سوال ہی کوئی نہیں وہ تو ان کے ہاتھ آئے تو قیامت برپا ہوجائے۔ وہ تو ہے ہی نہیں، ناممکن ہے۔

☆حُبِّ رسولؐ سے سرشار احمدی کے دل کا حال:

احمدی اس کو زیادہ پسند کرے گا کہ وہ خود ہلاک ہوجائے اس کی جان مال اس کے سامنے ضائع ہوجائے اس کے بچے اس کی آنکھوں کے سامنے ذبح کئے جائیں مگر وہ محمد رسول اللہؐ کی گستاخی پر کسی قیمت پر آمادہ نہیں ہوسکتا۔ وہ تو عاشق ہے وہ تو اپنے عشق کے ثبوت پیش کر رہا ہے اور کون ہے جو محمد رسول اللہؐ کہنے کے جُرم میں گلیوں میں گھسیٹا جاتا ہے اور پتھراؤ کیا جاتا ہے اور مارا جاتا ہے اور عدالتوں میں پیش کیا جاتا ہے اور قیدوں کی سزا اسے ملتی ہے۔ انہوں نے تو اپنے دین کو سچا ثابت کر دکھایا۔ اب تم پر ہے اس بات کی ذمہ داری کہ ان باتوں کو سنو اور غور کرو اور اپنے عشقِ رسولؐ کو بھی سچا کر دکھاؤ۔ مگر افسوس کہ ایسا نہیں حقیقت یہ ہے کہ احمدی اس میدان میں کھلی قربانیاں پیش کرتے چلے جاتے ہیں۔ پھر بھی تمہارا سینہ ٹھنڈا نہیں ہوا۔ پھر تم نے سوچا کہ اب شاید موت کی سزا ہے جو انہیں محمد رسول اللہؐ کے عشق کے اعلان سے باز رکھ سکے گی۔ مگر مَیں آپ کو بتاتا ہوں کہ ایک احمدی بھی کسی موت کے خوف سے اس پاک رسولؐ کے دامن سے علیحدگی اختیار نہیں کرے گا! اس کے قدموں پر اس کے ہاتھ ہیں! اس کے قدموں پر ان کے سر ہیں! ان قدموں میں وہ ہاتھ کاٹے جاسکتے ہیں ان قدموں میں وہ سر تن سے جُدا کئے جاسکتے ہیں! مگر محمد رسول اللہؐ کے عشق سے ان کے دلوں کو جدا نہیں کیا جاسکتا! جو کرنا چاہو کرلو لیکن یاد رکھو کہ تم نے مرنا ہے اور خدا کے حضور پیش ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں عقل دے اور سمجھائے۔ (آمین)

پس یہی ہے وہ آج کا مضمون جو جہاں تک مجھے یاد تھا مَیں نے آپ کی خدمت میں پیش کردیا ہے۔ ان لوگوں کے لئے دُعا کرنی چاہیئے اللہ تعالیٰ عقل

دے۔مجھے یقین ہے کہ پاکستان کی بھاری اکثریت شریف النّفس لوگوں پر مشتمل ہے جو حضرت محمد رسول اللہؐ کے دامن سے وابستہ ہو اگر اس میں کچھ بھی ادنیٰ سی سچائی ہو تو وہ خواہ کتنا ہی کردار میں گر جائے پھر بھی ایک مقام پر آ کے ٹھہر جاتا ہے مزید نہیں گرتا۔پاکستان کی بھاری اکثریت دل سے شریف النّفس ہے۔ان کے لیڈروں نے ان کو برباد کر رکھا ہے۔غلط قسم کے علماء نے غلط تعلیمات دے کر ان کے دین کا بھی حلیہ بگاڑ دیا ہے ان کے اخلاق کا بھی حلیہ بگاڑ دیا ہے۔ان تک اگر یہ باتیں پہنچیں تو تم دیکھو پاکستان میں ایک عظیم رُوحانی انقلاب بَرپا ہو جائے گا اور سارا ملک اپنی بُنیادی شرافت کے لحاظ سے اس کے لئے تیار بیٹھا ہے۔ہم تو دُعا کرتے ہیں کہ اللہ جلد از جلد یہ دن دکھائے جبکہ پاکستان حقیقۃً ظاہراً ہی نہیں دل سے بھی پاکستان ہو چکا ہو۔خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔(آمین)السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

{حوالہ جات}

1: واقعہ افک کی تفصیلات سے آگاہی کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔صحیح بخاری جلد 5 باب 36 حدیث الافک:صفحہ 437 تا 449 ناشر مکتبہ نعمانیہ اُردو بازار گوجرانوالہ۔پاکستان:مطبوعہ 2006ء

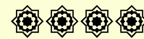
2: جامع ترمذی جلد 2:تفسیر سورۃ منافقون:صفحہ 547:ناشر مکتبۃ العلم اُردو بازار لاہور۔پاکستان نیز دیکھیں سیرۃ ابن ہشام مترجم اُردو: جلد 2:باب 115:صفحہ 194 تا 197:ناشر اِدارہ اِسلامیات لاہور۔پاکستان۔مطبوعہ:مئی 1994ء

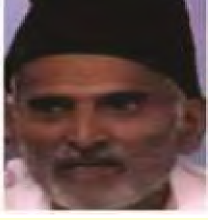
3: صحیح بخاری جلد 2:صفحہ 745:کتاب الجنائز باب ما یکرہ من الصّلوٰۃ علی المنافقین والاستغفار للمشرکین۔نیز صحیح بخاری جلد 6:کتاب التفسیر:باب آیۃ استغفرلھم او لا تستغفرلھم:صفحہ 223 تا 225:ناشر مکتبہ نعمانیہ اُردو بازار گوجرانوالہ۔پاکستان:مطبوعہ 2006ء

4: مسند احمد بن حنبل جلد 6:صفحہ 118 نیز سیرۃ ابن ہشام جلد 1:صفحہ 204

5: سیر الصحابہ جلد 2:مہاجرین حصہ اَوّل:صفحہ 154:مؤلفہ مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی:مطبع دارالاشاعت کراچی۔پاکستان

6: حضرت زید بن وثنہ رضی اللہ عنہ:بحوالہ سیرۃ ابن ہشام مترجم اُردو:جلد 2 باب 102:صفحہ 134 تا 135:ناشر اِدارہ اِسلامیات لاہور۔پاکستان۔مطبوعہ:مئی 1994ء





غزل

عبدالسلام اسلامؔ

مرا ہر اشک عُنوان ِ غزل ہے
مِری آہوں میں سامانِ غزل ہے

ہمارے زخم ہو نگے مُندمل کیوں ؟
مُیسر جب نمکدانِ غزل ہے

مضامیں نوبنو ہیں اُمڈے آتے
میرے سینے میں طوفانِ غزل ہے

اگر مہکے ہیں گُل چہکے ہیں بلبل
کہ جوبَن پر گلستان ِ غزل ہے

جو ''عالمگیر رحمت'' بن کے آیا
وُہی جانِ جہاں جانِ غزل ہے

میں دَریا کے مخالف تیرتا ہوں
اُدھر کچھ اور رُجحانِ غزل ہے

اگر ہیں لالہ و گُل شعرِ پرور
تو کانٹوں میں بھی سامانِ غزل ہے

ہے پرکار ِ نگہ گردِ خلافت
وُہی نُقطہ ٔ حق جان ِ غزل ہے

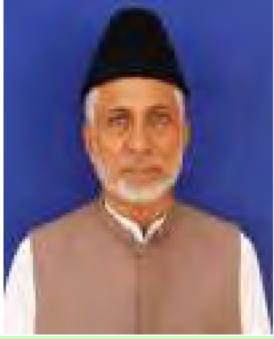
یہاں نظروں سے ہے پینا پلانا
نرالا یہ خمستانِ غزل ہے

صَدا ہے احمدی شاعر کی ہر جا
کہا ں تک اِس کا فیضانِ غزل ہے

جہاں پر اشک ہیں شعروں میں ڈھلتے
یہ وہ حلقہ ٔ یارانِ غزل ہے

کرونگا سب دلوں کی ترجمانی
وکالت روح کی شانِ غزل ہے

ترا اِسلامؔ اندازِ سُخن کیا ؟
اُفق ڈھانپے یہ دَامانِ غزل ہے



غزوہ ہند والی پیشگوئی۔۔۔کب اور کیسے پوری ہوئی؟

پیشگوئیوں کے اصولوں ۔ مذہبی تاریخ اور واقعاتی شہادتوں کی روشنی میں

محترم عبدالسمیع خان صاحب شیخ الحدیث پروفیسر جامعہ احمدیہ نائیجریا وسابق ایڈیٹر الفضل ربوہ حال گھانا



آج کل پرنٹ میڈیا اور سوشل میڈیا کے مختلف حلقوں میں غزوہ ہند والی پیش گوئی بہتسر گرم ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا ایک لشکر ھند سے جنگ کرے گا اس حدیث کی جذباتی تشریح کر کے مختلف عناصر عوام اور فوج اور حکومت کو جذباتی نعروں میں بہا کر اپنی مفید مطلب کارروائی کرانا چاہتے ہیں اس لیے اس مضمون کو حقائق کی نظر سے دیکھنا ضروری ہے پیشگوئیوں کے متعلق یہ امر مسلمہ ہے کہ جو بھی پیشگوئی خدا کی طرف سے ہو یا اس کے رسول اور مامور کی زبان سے نکلی ہو وہ ضرور پوری ہو کر رہتی ہے کیونکہ خدا تعالی ہی مالک کون و مکان ہے اور اس کا رسول امین اور مطاع ہے اور رسول کو غیب کی خبریں دیا جانا اور ان کا پورا ہونا اس رسول کے خدا کی طرف سے ہونے کی ایک زبردست علامت ہے اسی لیے قرآن کریم اور احادیث رسول ﷺ میں کثرت سے غیب کی خبریں موجود ہیں جو چودہ سو سال سے پوری ہوتی چلی آ رہی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن اور ان کے خدا کی صداقت کی نا قابل تردید علامتیں ہیں

مگر سوال یہ ہے کہ کیا پیشگوئی کے وقوع میں آنے سے پہلے کوئی بتا سکتا ہے کہ یہ پیشگوئی کیسے پوری ہوگی قریب میں ہوگی یا دیر میں۔تقدیر مبرم ہے یا ٹل جائے گی۔کس نام سے کیا مراد ہے۔یہ سب اندازے اور قیاسات ہیں جو حقیقت کے قریب بھی ہو سکتے ہیں اور دور بھی اور بعید از حقیقت بھی۔اور یہ طریق بھی خدا نے اسی لئے مقرر کر رکھا ہے تا کہ رسول کی سادگی اور عدم بناوٹ پر گواہ ہو یعنی یہ پیشگوئی رسول نے خود نہیں گھڑی بلکہ کسی اور ہستی نے اسے بتائی ہے اور اس کی کنہ اور کیفیات سے رسول بھی واقف نہیں جب پیشگوئی پوری ہوگی تب رسول کو بھی سمجھ آئے گی اور خدا کی ہستی اور علم لازوال پر گواہ ہوگی تاریخ مذہب یہی شہادت دیتی ہے

چند معنی خیز پیشگوئیاں

آقائے کائنات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور بے نفسی ملاحظہ ہو آپ کو ایک جگہ ہجرت گاہ کے طور پر دکھائی گئی آپ ﷺ نے فرمایا میں نے اسے یمامہ یا ھجر کا علاقہ سمجھا مگر وہ مدینہ ثابت ہوا

(صحیح بخاری کتاب التعبیر باب اذا رای بقرا۔حدیث نمبر 7035)

آقا ﷺ نے خواب میں ابوجہل کے لئے جنت میں انگور کا خوشہ دیکھا مگر ابوجہل تو کفر کی حالت میں واصل جہنم ہوا اس کا بیٹا عکرمہ مسلمان ہوا تو رسول اللہ بہت خوش ہوئے عکرمہؓ نے اسلام کی خاطر عظیم قربانیاں کیں اور جنت کے انگور کھائے۔

(السیرۃ الحلبیہ باب فتح مکہ جلد 3 ص 133)

مولائے کل ﷺ نے فرمایا میرے بعد سب سے پہلے میری وہ بیوی فوت ہوگی جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہوں گے ازواج نے ہاتھ ماپے تو حضرت سودہؓ کے ہاتھ لمبے نکلے مگر جب سب سے پہلے حضرت زینب بنت جحش فوت ہوئیں تو پتہ لگا کہ لمبے ہاتھوں سے مراد کثرت سے صدقہ وخیرات کرنے والے ہاتھ ہیں

(صحیح بخاری کتاب الزکوۃ باب فضل الصدقۃ الشحیح الصحیح۔حدیث نمبر 1420 و شرح فتح الباری)

سفر ہجرت میں سراقہ سے فرمایا کہ کسریٰ کے کنگن تیرے ہاتھوں میں پہنائے جائیں گے یہ پیشگوئی حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں پوری ہوئی اور حضرت عمرؓ نے باصرار سونے کے کنگن سراقہ کو پہنائے باوجود یکہ مردوں کے لیے سونا پہننا منع ہے لیکن خدا کے رسول کا کلام پورا کرنے کے لیے تھوڑی دیر کے لیے ایسا کیا گیا۔ (اسدالغابہ تذکرہ سراقہ)

پس پیشگوئیوں کا ایک اپنا جہان معانی ہے جس کو روحانی علوم کے ساتھ ہی

مطالعہ کرنا چاہیے ورنہ یہودیوں والا حال ہوگا بائیبل میں ملاکی نبی کی پیشگوئی تھی کہ یہودیوں کے مسیح کے آنے سے پہلے ایلیا آسمان سے اترے گا حضرت مسیح ؑ کے دعوے پر یہود نے یہی مطالبہ کیا مگر مسیح ؑ نے فرمایا کہ ایلیاء سے مراد یحییٰ ہے اور آسمان سے مراد روحانی برکتیں اور انوار ہیں لیکن یہودیوں نے انکار کر دیا اور آج تک دیوار گریہ پر آنسو بہاتے ہیں اور ایلیا کے آسمان سے اترنے کی التجا کرتے ہیں ۔

(ملاکی باب 4 آیت 5 اور متی باب 11 آیت 13 تا 15)

احادیث میں رسول کریم ﷺ کی سینکڑوں پیشگوئیاں درج ہیں ہیں ان میں سے ایک متذکرہ غزوہ ھند والی پیش گوئی بھی ہے جس کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ آئندہ پوری ہوگی کیسے ہوگی یہ اللہ بہتر جانتا ہے مگر آیئے اصولوں کی روشنی میں اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

روایت کے اصولوں پر

یہ پیش گوئی صحاح ستہ یعنی حدیث کی 6 صحیح ترین کتب میں سے سنن نسائی میں موجود ہے جو درجہ کے لحاظ سے 6 میں سے پانچ ویں نمبر پر ہے صحاح ستہ وہ کتب ہیں جن کے مصنفین نے راویوں کے متعلق یہ تسلی کر لی تھی کہ وہ سچے اور انسانی اندازوں کے مطابق راستباز تھے مصنف کتاب سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک راویوں کا سلسلہ مکمل ہے اور کوئی راوی غائب نہیں ہے پس اس پہلو سے تو ایک حد تک اعتماد ہے کہ علم روایت کی رو سے حدیث بظاہر درست معلوم ہوتی ہے۔

حدیث کا متن

حدیث کے الفاظ یہ ہیں

عن ثوبان مولی رسول اللہ ﷺ عن النبی ﷺ قال عصابتان من امتی احرز ھما اللہ من النار عصابۃ تغزو الھند و عصابۃ تکون مع عیسی بن مریم علیہ السلام

(سنن نسائی کتاب الجہاد باب غزوۃ الھند جلد 6 ص 42 حدیث نمبر 3175)

حضرت ثوبان ؓ (جو رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے وفات 54ھ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کے دو گروہوں کو اللہ تعالیٰ آگ سے بچائے گا ان میں سے ایک گروہ ھند سے جہاد کرے گا اور دوسرا عیسی بن مریم علیہ السلام کے ساتھ ہوگا ۔

سنن نسائی میں ہی حضرت ابو ہریرہ ؓ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے غزوہ ہند کا وعدہ فرمایا تھا

(سنن نسائی حدیث نمبر 3173)

اس کے علاوہ بھی قریب زمانہ کی اور بعد کی متعدد کتب احادیث اور تاریخ میں یہ بھی یہ پیش گوئی موجود ہے اور لفظوں کے تھوڑے تھوڑے فرق کے باوجودِ مفہوم ایک جیسا ہی ہے جس سے اس امکان کو تقویت ملتی ہے کہ یہ یہ کلام رسول ﷺ ہی ہے چند کتب کے نام یہ ہیں مسند احمد۔المعجم الاوسط طبرانی۔سنن الکبریٰ بیہقی۔ البدایہ والنہایہ

حضرت ابو ہریرہ ؓ کی ایک اور روایت میں غزوہ ہند اور اس میں مسلمانوں کے فتح پانے کا ذکر ہے اور یہ کہ مسلمان ان کے بادشاہوں کو زنجیروں میں میں جکڑ کر واپس آئیں گے تو ابن مریم کو شام میں پائیں گے اس روایت کو ناقابل اعتماد اور ضعیف قرار دیا گیا ہے ہے کیونکہ کہ اس کے کے راوی مجہول اور غائب ہیں۔

(کتاب الفتن نعیم بن حماد)

پہلا گروہ

اس پیشگوئی کے ظہور میں آنے کے متعلق کافی اختلافات ہیں واضح ہے کہ اس میں دو گروہوں کا ذکر ہے پہلے گروہ کے متعلق کئی مکاتب فکر ہیں۔

نمبر 1 یہ پیشگوئی ھندوستان پر محمد بن قاسم اور بعد کے مسلم حملہ آوروں کے ذریعہ پوری ہو چکی ہے۔

نمبر 2, پاکستان اور ھندوستان کے مابین ہونے والی جنگوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا آیئے ان کا محاکمہ کرتے ہیں۔

رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں سندھ پنجاب اور موجودہ ھندوستان کا علاقہ ھند یا سندھ کہلاتا تھا پس پاکستان قدیم جغرافیائی نقشوں میں ھند ہی ہے اور ھند ہی کے ایک علاقہ کی دوسرے سے لڑائی کی رسول اللہ ﷺ خبر نہیں دے رہے بلکہ اپنی امت کے ایک ایسے طبقہ کی ھند سے لڑائی کی خبر دے رہے ہیں جو غیر ھندی ہوگا پس پاک و ھند جنگوں پر اس کا اطلاق بہت حد تک غیر معقول ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ نے ہزاروں پیشگوئیاں فرمائی ہیں اور ان کے درمیان ایک پورا مربوط نظام ہے جس کی ایک کڑی دوسرے کو تقویت دیتی ہے اور پوری زنجیر بناتی ہے حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

كيف تهلك أمة أنا في أولها وعيسى في آخرها یعنی وہ امت کیسے ہلاک ہو سکتی

ہے جس کے شروع میں میں ہوں اور آخر میں عیسی ہوگا۔

(معجم ابن عساکر جلد 1 ص 451)

اسلام کے دور اول میں جہاد بالسیف کی اجازت دی گئی تھی جس کا ایک مقصد مذہبی آزادی کا قیام اور ظلم وستم کا خاتمہ تھا اس لیے دور اول میں بہت سے ملکوں میں جہاد کے ساتھ ان عناصر کا خاتمہ کیا گیا جو مذہبی آزادی پر رکاوٹیں عائد کئے ہوئے تھے ظلم وجور کا دور دورہ تھا اسلامی جہاد نے ان کا زور توڑا لوگوں کو اسلام کا حسین پیغام اور امن وآشتی اور مساوات کا نظام دیکھنے کا موقع ملا اور پھر لوگ اپنی مرضی سے اسلام میں داخل ہوتے چلے گئے

ھند میں اسلام کی خوشبو

مورخین کے مطابق علاقہ ھند میں اسلام کی پہلی کرن ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے پھوٹی تھی جب 10 نبوی میں شق قمر کا واقعہ دیکھ کر مالا بار کا راجہ زمورن اس نتیجہ پر پہنچا کہ عرب میں ایک پیغمبر پیدا ہوگیا ہے

(آئینہ حقیقت نما ص 71 اکبر شاہ خان نجیب آبادی)

روایت ہے کہ راجا سلطنت چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کے حضور حاضر ہونے کے لئے چل پڑا مگر راستے میں فوت ہوگیا عہد فاروقی میں 15 ھ میں مالا بار اور سراندیپ کے علاقوں میں اسلام کی خوشبو پھیلنی شروع ہوئی

ھند پر پہلا حملہ

مشہور مورخ علامہ بلاذری کی تحقیق کے مطابق ھند پر مہم جوئی کا آغاز حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ہوا 15 ھ 636 میں سندھ پر مغیرہ نے حملہ کیا مگر شہید ہو گئے 23 ھ میں مسلمان ایک اور حملہ میں فتح یاب ہوئے

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں 29 ھ 649ء میں مکران کے مسلمان حاکم ھند کی سرحد تک پہنچ گئے اور بلوچستان سے ملحقہ بعض علاقوں پر قبضہ کرلیا 39 ھ 659ء میں حضرت علیؓ نے ھندوستان کے محاذ پر لشکر بھیجا اور لڑائی میں غیر معمولی کامیابی حاصل کی سندھ پر فوجیں روانہ کرنے کا سلسلہ اگرچہ خلافت راشدہ کے زمانہ سے جاری تھا مگر یہ فتوحات سرحدی علاقوں سے آگے نہ بڑھیں لیکن 712ء میں محمد بن قاسم نے سندھ کے علاقہ کو اسلامی سلطنت میں شامل کیا اسی لیے سندھ باب الاسلام کہلاتا ہے اس کے بعد ھندوستان کی فتوحات کا سلسلہ مدتوں جاری رہا

اولین اسلامی دستے

پس اس پیشگوئی کے پہلے حصے کا اطلاق ان اولین اسلامی دستوں پر ہوسکتا ہے جنہوں نے ھند میں اسلام کا دروازہ کھولا اس میں محمد بن قاسم اور ان کے ساتھیوں کا بڑا کردار ہے جنہوں نے سندھ میں اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی بہت بعد کی لڑائیاں سیاسی جنگیں تو کہلاسکتی ہیں مذہبی نہیں کیونکہ ان میں مسلمانوں کی باہمی لڑائیاں بھی شامل ہیں

دوسرا گروہ

دوسرے گروہ کا تعلق مسیح کے ساتھ ہے اور اس میں کسی جنگ کا ذکر نہیں یہ ان احادیث کے عین مطابق ہے جن میں لکھا ہے کہ **یضع الحرب** یعنی مسیح جنگیں یعنی مذہبی جنگیں ختم کردے گا یا **یضع الجزیہ** یعنی جزیہ ختم کردے گا اور دنیا مذہبی آزادی کے ایک نئے دور میں داخل ہوچکی ہوگی۔

(صحیح البخاری کتاب احادیث الانبیاء باب نزول عیسی حدیث نمبر 3448)

حدیثوں میں ہے کہ آیت **تضع الحرب اوزارھا** یعنی جنگ اپنے اوزار رکھ دے گی کا تعلق یاجوج ماجوج اور مسیح کے ساتھ ہے

(تفسیر ابن کثیر جلد 8 ص 335۔ تفسیر طبری جلد 12 ص 467)

یہ دور آچکا ہے اور یورپ امریکہ آسٹریلیا عالم عرب حتیٰ کہ اسرائیل میں بھی مسلمان خدا کی عبادت آزادی سے کرتے ہیں سوائے فلسطین اور کشمیر اور چند سیاسی شورش زدہ علاقوں کے۔ ھندوستان میں بھی مسلمانوں کو نماز روزے اور دینی اجتماعات کی آزادی ہے ان کی ہزاروں مساجد مدارس اور مقدس مزارات ہیں





ہندوستان میں سکھ حکومت کے بعد انگریزوں کی آمد سے مذہبی آزادی کا جو دور شروع ہوا وہ بالعموم جاری ہے

یہی وہ دور ہے جس میں ایک وجود نے تمثیلی طور پر مسیح ہونے کا دعویٰ کیا یعنی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی جنہوں نے حضرت مسیح ناصری ؑ کی وفات کا اعلان کیا اور وہ موعود مسیح اور مہدی ہونے کا اعلان فرمایا جس کا امت مسلمہ انتظار کر رہی تھی انہوں نے جماعت احمدیہ کی 1889 میں بنیاد رکھی جو علم اور قلم کے ذریعے اسلامی جہاد کا فریضہ ساری دنیا میں ادا کر رہی ہے پس اگر مسیح ؑ نے آسمان سے اترنا ہے تو یہ پیشگوئی یقیناً ان کے ساتھ پوری ہوگی لیکن اگر حضرت مسیح ؑ فوت ہو چکے ہیں تو پھر حضرت مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کی جماعت اس پیش گوئی کی مصداق ہے جو 212 ملکوں میں پھیل چکی ہے اور ایک واجب الاطاعت امام ان کا رہنما ہے حضرت مرزا صاحب کی صداقت کے بے شمار دلائل ہیں جو ایک الگ بحث ہے

پس اگر یہ موقف درست ہے اور جیسا کہ واقعات اس کی صحت ثابت کر رہے ہیں تو رسول اللہ ﷺ کا یہ کلام محض ایک پیش گوئی نہیں بلکہ عظیم الشان پیشگوئیوں اور مفاہیم پر مشتمل ہے یہ کلام بتاتا ہے کہ ھند میں اسلام کے دو دور مقدر ہیں ایک وہ جب اسلام جہاد بالسیف کے ساتھ ھند میں داخل ہوگا اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح دے گا اور انہیں جنت میں داخل کرے گا اور یہی وہ علاقہ ہے جہاں مسیح موعود ظہور پذیر ہوگا اور اس کی بعثت کے ساتھ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوگا ایک بڑی جماعت اس کے ساتھ ہوگی اور جہاد بالقلم اور تبلیغ کے ذریعہ خدمات بجا لائے گی اور خدا انہیں جنت عطا فرمائے گا جیسا کہ مسیح ؑ کے متعلق حدیث میں ہے یحدثھم بدرجاتھم فی الجنۃ یعنی مسیح موعود اپنے ساتھیوں کو جنت میں ان کے درجات سے مطلع فرمائے گا۔

(صحیح مسلم کتاب الفتن باب ذکر الدجال حدیث نمبر 2937)

پس ہمارے نزدیک تو یہ عظیم الشان پیشگوئی پوری ہو چکی ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی صداقت کی ببانگ دہل گواہی دے رہی ہے۔

بستر پر موجود ہے اور سیر ہفت افلاک ایسی کسی پر رحمت کی برسات نہیں دیکھی۔
صدیوں کی اس دھوپ چھاؤں میں کوئی ہمیں بتلائے کونسی پوری ہوتی اس کی بات نہیں دیکھی۔

اللھم صل علی محمد ﷺ وعلی آل محمد ﷺ



غزل



(ریٹائرڈ جنرل) محمود الحسن ایمن آبادی

یقین جب ناشناس لذتِ اوہام ہو جائے
زمانہ کیوں نہ پھر پابستہء اوہام ہو جائے

اگر اُس پر نگاہِ ساقی گلفام ہو جائے
تُو زُہد زاہد دیں دار نذر ِ جام ہو جائے

نہ کیوں پھر کارِ فرما تیغ خوں آشام ہو جائے
تمہارا نام ہوجائے ہمارا کام ہو جائے

مجھے صبح ازل سے جُستجُو ہے کُو بکُو تیری
" نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے"

خموشی آپ کی اِک بارہے ذوقِ سماعت پر
کوئی دشنام یا عائد کوئی الزام ہو جائے

پلٹ کر دیکھ لوں اک بار آغازِ محبت کو
فقط اتنا کرم اے گردشِ ایّام ہو جائے

نوازش ہائے غم ہوتی رہیں گر اس طرح دل پر
بہت ممکن ہے یہ وحشی بھی اِک دن رام ہو جائے

ہمیں مل جائے گا پھر بھی بہانہ سرفرازی کا
نگاہِ لطف بے شک ہو برائے نام ہو جائے

مری ہر اک غزل یوں ڈوب جائے کیف و مستی میں
کہ ہر مصرع حدیثِ حافظ و خیام ہو جائے

مرا دل لذتِ آزار سے مانوس ہو اتنا
کہ شاید اب خوشی صورت گرِ آلام ہو جائے

شہنشاہوں کی گردن اس کے آگے جُھک تو سکتی ہے
اگر محمود تیرا بندہ بے دام ہو جائے





7 ستمبر 1974ء

تحریر: جمیل احمد بٹ

7 ستمبر 1974ء کو ملکِ عزیز میں عددی اکثریت کے بل پر دنیوی اغراض کے لئے کئے جانے والا اسمبلی کا فیصلہ درج ذیل وجوہ سے بے حقیقت تھا اور ہے۔

1۔ بلا اختیار ((without jurisdiction:

قرآن کریم نے دینی معاملات میں فیصلہ کا اختیار کسی اسمبلی کو نہیں دیا بلکہ یہ حکم دیا کہ

فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ (نساء4:60)

ترجمہ: اگر تم کسی امر میں میں اختلاف کرو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔

اسی طرح فرمایا:

اَفَغَیۡرَ اللّٰہِ اَبۡتَغِیۡ حَکَمًا وَّ ہُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ اِلَیۡکُمُ الۡکِتٰبَ مُفَصَّلًا (انعام6:115)

ترجمہ: (تو کہہ دے کہ) کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور فیصلہ کرنے والا ڈھونڈوں حالانکہ وہی ہے جس نے تم پر کھلی کھلی کتاب اتاری ہے۔

اور یہ اصول ٹھہرایا ہے کہ بین المذاہب جھگڑوں کا فیصلہ اللہ ہی کرے گا اور ایسا قیامت کے دن ہوگا۔ جیسا کہ فرمایا: اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ الَّذِیۡنَ ہَادُوۡا وَ الصّٰبِئِیۡنَ وَ النَّصٰرٰی وَ الۡمَجُوۡسَ وَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡۤا ٭ۖ اِنَّ اللّٰہَ یَفۡصِلُ بَیۡنَہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ (حج22:18)

ترجمہ: یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی بن گئے اور صابی اور نصرانی اور مجوسی اور وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا اللہ یقیناً ان کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا۔

پس کسی اسمبلی کا اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لینا قرآنی تعلیمات کی کھلی خلاف ورزی تھی۔

2۔ اہلیت نہ ہونا (incompetency):

وہ اراکین اسمبلی جنہوں نے یہ فیصلہ کیا دینی علم اور کردار کے لحاظ سے ایسا فیصلہ کرنے کے اہل نہ تھے۔ ضیاء الحق حکومت نے ان حضرات کے بارے میں جو قرطاس ابیض شائع کیا اس میں ان میں سے بیشتر کو خائن، راشی، جھوٹا، بد معاملہ، بدعنوان، شرابی، زانی، اغوا میں ملوث، رسہ گیر، اسمگلر اور تخریب کار بتایا گیا۔ اس اسمبلی کا سربراہ چند سال بعد ملکی قانون کے تحت قتل کا مجرم قرار پا کر تختہ دار کا سزاوار ہوا۔ اور اس اسمبلی کے لاٹ مولوی مفتی محمود صاحب وہ تھے جن کی وطن دوستی کا پردہ اس وقت فاش ہو گیا تھا جب سقوط مشرقی پاکستان کے موقع پر انہوں نے فخریہ اعلان کیا تھا کہ 'خدا کا شکر ہے کہ ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہ تھے'۔ کیا یہ لوگ دینی فیصلہ کرنے کے اہل تھے اور اہلیت نہ رکھنے والے ایسے لوگوں کے کئے گئے فیصلہ کی حیثیت کیا ٹھہرتی ہے؟

3۔ سیاسی کھیل:

حقیقت یہ ہے کہ ربوہ اسٹیشن پر طلبہ کی ہلڑ بازی سے لے کر دوسری آئینی ترمیم کی منظوری تک یہ سارا معاملہ ایک سیاسی کھیل تھا۔ جس میں مولوی اپنی دانست میں بھٹو صاحب کو استعمال کر کے اپنے دیرینہ منصوبہ کو پورا کر رہے تھے اور دوسری طرف خود بھٹو صاحب مولویوں کے کندھوں پر سوار اپنے اقتدار کو ہمیشگی دینے کے خواب دیکھ رہے تھے۔

اسی پس منظر میں یہ جان کر کہ مفتی محمود صاحب اس آئینی ترمیم کا کریڈٹ خود لے رہے ہیں بھٹو صاحب نے اپنے رنگ میں بے ساختہ یہ سوال کیا تھا کہ 'تو کیا وہ لڑکے مفتی محمود کے باپ نے بھیجے تھے'؟ اور یوں یہ ظاہر کر دیا کہ اس معاملہ کی ابتداء بھی ان کی پلاننگ کے تحت تھی۔

اس ترمیم کی سیاسی بنیاد کا اعتراف الطاف حسین قریشی صاحب نے بعد میں ان الفاظ میں کیا

'جناب بھٹو صاحب نے مذہبی جذبہ کے تحت قادیانیوں کو غیر مسلم قرار نہیں دیا تھا پھر کیا وہ ایک سیاسی فیصلہ تھا؟ واقعات اس کٹھن سوال کا جواب اثبات میں دیتے ہیں'۔(اردو ڈائجسٹ لاہور مارچ 1976ء)

4۔آں حضرت ﷺ کی فرمودہ مسلمان کی تعریف کے مخالف:

آں حضرت ﷺ نے کسی شخص کے مسلمان قرار دئے جانے کے لئے اس کا کلمہ پڑھنا کافی سمجھا اور اس بدظنی کو کہ یہ پڑھنے والا دل میں کوئی اور خیال رکھتا ہے آپؐ نے سختی سے رد فرمایا جیسا کہ آپ ﷺ نے حضرت اسامہؓ پر اس وقت سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا جب انہوں نے کلمہ پڑھ لینے والے ایک شخص کو یہ کہہ کر قتل کر دیا کہ اس نے یہ دل سے نہیں پڑھا تھا۔اس موقع کا درج ذیل مکالمہ اس باب میں یقیناً حرف آخر ہے۔

فرمایا 'اے اسامہ! تم نے اسے کلمہ توحید پڑھ لینے کے باوجود قتل کر دیا؟ انہوں نے عرض کی اے اللہ کے رسول اس نے ہتھیار کے ڈر سے ایسا کہا تھا۔تو آپ نے فرمایا 'افلا شققت عن قلبه حتى تعلم اقالها ام لا' کہ کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا کہ اس نے دل سے کہا یا نہیں؟ آپؐ بار بار یہ بات دہراتے تھے'۔ (بخاری کتاب المغازی باب اسامہ بن زید)

ایک اور موقع پر آنحضرت ﷺ نے مسلمان کی یہ تعریف فرمائی

'من صلى صلو تنا و استقبل قبلتنا و اكل ذبيحتنا فذالك المسلم الذى له ذمته الله و ذمته رسول الله' (صحیح بخاری کتاب الصلوۃ)

ترجمہ: جو شخص بھی ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے ہماری طرح نماز پڑھے اور ہمارا ذبیحہ کھائے پس وہ مسلمان ہے اور اسے خدا اور اس کے رسول کی حفاظت حاصل ہے۔

اس دوسری ترمیم کے ذریعہ یہ اعلان کیا گیا کہ گویا آنحضرت ﷺ کے ارشاد، آپؐ کی سنت اور آپؐ کی بیان فرمودہ مسلمان کی تعریف درست نہ تھی اور اب گویا اس کی اصلاح کرتے ہوئے مسلمان ہونے کے لئے نئی شرائط کا اضافہ کیا گیا ہے۔نعوذ باللہ

5۔ریاستِ مدینہ کے آئین کے خلاف:

مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست قائم ہوئی جس کے سربراہ خود حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تھے۔آپؐ نے انتظام حکومت کے ضروریات کے تحت مردم شماری کا حکم دیا۔پوچھا گیا کسے مسلمان شمار کیا جائے؟ تو آپؐ نے فرمایا:

'اکتبوا الی من تلفظ بالاسلام من الناس'

(صحیح بخاری کتاب الجہاد)

ترجمہ:لوگوں میں سے جو زبان سے اسلام کا اقرار کرنے والے ہیں انہیں میرے لئے شمار کرو۔

ارشاد رسول ﷺ سے ہمیشہ کے لئے طے شدہ اس اصول کے برعکس اس دوسری ترمیم کے تتبع میں آج اسلامی جمہوریہ پاکستان میں مسلمان ہونے کا زبانی اقرار نا کافی سمجھا گیا ہے اور یوں گویا عملاً یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا فرمودہ اور سنت درست نہ تھا اب اس میں اصلاح کر دی گئی ہے۔ نعوذ باللہ

6۔اعلانِ تکمیل دین کے مخالف:

آنحضرت ﷺ کی تعلیم کے مطابق ابتدائے اسلام سے مسلمان ہونے کے لئے یہ طریق رہا ہے کہ کلمہ طیبہ پڑھا جائے اور گواہی دی جائے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔یہی طریق اب بھی تمام امت مسلمہ میں جاری ہے تاہم دوسری ترمیم کے بعد پاکستان میں مسلمان قرار پانے کے لئے نئی شرائط والے ایک حلف نامے پر دستخط ضروری ہیں اور یہاں کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت کا پڑھنا مسلمان ہونے کے لئے نا کافی قرار دیا گیا ہے اور یوں ان سب مسلمانوں کے اسلام کی نفی کر دی گئی ہے جو گزشتہ پندرہ سو سالوں میں صرف یہی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئے۔

یہ جراءت اس لحاظ سے بھی قابل فکر ہے کہ قرآن کریم تو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ (مائدہ 5:4) ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔لیکن اس کے برخلاف اس فیصلہ کے کرنے والوں اور اس پر اصرار کرنے والوں کے نزدیک مسلمان ہونے کا طریق صدیوں بعد اس دوسری ترمیم کے ذریعہ طے ہوا۔گویا سارے درمیانہ عرصہ میں اسلام نامکمل رہا؟

7۔آنحضرت ﷺ کی ایک اور پیشگوئی کا ظہور:

دوسری ترمیم کے ذریعہ قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کی سنت کے بارے میں شکوک پیدا کرنے کی یہ کوشش ارباب اقتدار نے اپنے مفاد دیکھتے ہوئے اس گروہ کے مطالبہ پر اور اقتدار پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لئے اسے اپنے ساتھ ملائے رکھنے کے لئے کی جس کا روزگار مذہب کے نام پر سیاست کرنا ہے۔گو ان پر علمائے دین کا لیبل لگا ہوا ہے۔تنگ نظری،عدم رواداری اور تشدد ان کا طریق ہے اور حکومت کو دبائے رکھنے کے لئے جلسے، جلوس،مظاہرے اور فتوے جن کا ہتھیار رہے۔

ان علماء کے اس منفی کردار کو دیکھ کر ہر اہل نظر کی توجہ درج ذیل پیش خبریوں کی طرف جاتی ہے جو آنحضرت ﷺ نے اس زمانے کے ان مولویوں کے بارے میں فرمائی تھیں:

۔علماء ھم شر من تحت ادیم السماء من عندھم تخرج الفتنتہ وفیھم تعود

(مشکوۃ کتاب العلم الفصل الثالث صفحہ 38)

ترجمہ:ان کے علماء آسمان کے نیچے بسنے والی مخلوق میں سے بدترین مخلوق ہوں گے ان ہی سے فتنے اٹھیں گے اور انہی میں لوٹ جائیں گے۔

۔ تکون فی امتی نزعتہ فیصیر الناس الی علما ءھم فاذاھم قردۃ وخنازیر

(کنز العمال صفحہ 190/7)

ترجمہ: میری امت پر ایک زمانہ اضطراب و انتشار کا آئے گا لوگ اپنے علماء کے پاس رہنمائی کی امید سے جائیں گے

تو وہ انہیں بندروں اور سوروں کی طرح پائیں گے۔

8۔توہینِ رسالت اور توہینِ قرآن:

مندرجہ بالا آیات اور احادیث کی روشنی میں اس دوسری ترمیم اور اس کے تحت شناختی کارڈ اور پاسپورٹ کے لئے مجوزہ فارموں پر مسلمان ہونے کے حلف نامے خود اپنی ذات میں توہین رسالت بھی ہیں اور توہین قرآن بھی۔پھر اس ترمیم کے تتبع میں 1984ء میں نافذ کئے جانے والے ظالمانہ قوانین اور ان پر عمل درآمد کے لئے خدا کے گھروں سے اللہ اور رسول کے نام کو بالجبر مٹانے اور بعض دفعہ اس عمل کی قانون کے نگہبانوں کو اپنی نگرانی میں جمعداروں کے ذریعہ سرانجام دہی اللہ اور رسول کے ناموں کی ایک شرمناک توہین ہے۔

اس فیصلہ کے بعد سے پاکستان پر خوف اور بدامنی کے گہرے سائے مسلط ہیں ہر روز اخبارات اندوہناک خبروں سے بھرے ہوتے ہیں ہر دن گزشتہ دن سے خراب چڑھتا ہے اور ہر میدان میں ملک مسلسل زوال پزیر ہوتا چلا جارہا ہے کیا یہ سب اس توہین کے نتیجہ میں اترنے والا عذاب الٰہی نہیں؟

9۔ماضی کی ناکام کوششوں کی مانند:

کسی اسمبلی کا اپنی حد سے تجاوز کر کے کسی مذہبی نقطہ نظر اور اس کے ماننے والوں کے بارے میں دوسری ترمیم کی شکل کا فیصلہ کوئی پہلی دفعہ نہیں ہوا۔مذہبی تاریخ میں پہلے بھی کئی بار قوموں کے بڑوں نے باہم اتفاق کر کے طاقت کے زعم میں اختلاف عقیدہ کے جرم میں چھوٹی جماعتوں کے خلاف سزا دہی کے فیصلہ کئے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں جلانے کا فیصلہ نمرود کی مشاورتی مجلس کا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر لٹکانے کا فیصلہ فلسطین میں قیصر کے نمائندوں نے کیا۔آنحضرت ﷺ اور ان کے اصحاب کے معاشرتی بائیکاٹ اور شعب ابی طالب میں نظر بندی کا فیصلہ سرداران مکہ کی مجلس نے کیا اور ایسی ہی ایک مجلس





نے ہجرت سے قبل آنحضرت ﷺ کو قتل کر دینے کے فیصلہ پر بھی جرات کی۔ کمیٹیوں، جرگوں اور اسمبلیوں کے ان فیصلوں کے رد میں خدائی تقدیر کس طرح ظاہر ہوئی یہ بھی تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ کی عظمتِ شان پر ان فیصلوں سے ذرہ برابر فرق نہ پڑا۔ ہاں نمرود اور اس کے ساتھی، یہودی فریسی اور سرداران قریش جس بدانجام سے دوچار ہوئے یہ سب کے سامنے ہے۔

پاکستان میں بھی دوسری ترمیم کا سہرا اپنے سر باندھنے والے اور اس پر عمل درآمد کے لئے 1984ء میں آرڈیننس نافذ کرنے والوں کا انجام اہل نظر کے لئے مقام عبرت ہے۔

10۔مثبت پہلو:

اس دوسری ترمیم کا ایک مثبت پہلو بھی ہے۔

اس ترمیم کی منظوری پر اخبارات میں یہ خبر اس اظہار کے ساتھ شائع ہوئی کہ امت کے بہتر فرقوں نے اتفاق رائے سے احمدیوں کے خلاف فیصلہ کر دیا ہے اور اس اتفاق پر بڑی خوشی اور مسرت کا اظہار بھی ہوا مثلاً اخبار نوائے وقت نے زیر عنوان 'بہتر فرقوں کا اجماع' اپنی رائے کا اظہار کیا اور لکھا:

'اسلام کی تاریخ میں اس قدر پورے طور پر کسی اہم مسئلہ پر کبھی اجماع امت نہیں ہوا............... قادیانی فرقہ کو چھوڑ کر جو بھی 72 فرقے مسلمانوں کے بتائے جاتے ہیں سب کے سب اس حل پر متفق اور خوش ہیں۔'

(نوائے وقت 6 اکتوبر 1974ء)

72 اور ایک کی اس تعیین سے آں حضرت ﷺ کی ایک اور پیشگوئی پوری ہو گئی جس کے الفاظ یہ ہیں۔

'ان بنی اسرائیل تفرقت علیٰ ثنتین و سبعین ملتہ و تفترق امتی علیٰ ثلاث وسبعین ملة کلھم فی النار الا ملة و احدۃ ، قالو:من ھی یا رسول اللہ؟ قال: ما انا علیہ و اصحابی' (ترمذی کتاب الایمان 2/89)

ترجمہ: بنی اسرائیل 72 فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت 73 فرقوں میں بٹ جائے گی لیکن ایک فرقہ کے سوا سب جہنم میں جائیں گے۔

صحابہ نے پوچھا یہ ناجی فرقہ کون سا ہے۔ تو حضور نے فرمایا وہ فرقہ جو میری اور میرے صحابہ کی سنت پر عمل پیرا ہوگا۔

اس پیشگوئی کی وضاحت میں مولوی مودودی صاحب نے لکھا تھا:

اس حدیث میں اس جماعت کی دو علامتیں نمایاں طور پر بیان کر دی گئی ہیں ایک تو یہ وہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کے طریق پر ہوگی اور دوسری یہ کہ نہایت اقلیت میں ہوگی۔

(ترجمان القران جنوری فروری 1945ء صفحہ 176)

یہ بوالعجبی بہرحال اپنی جگہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تو یہ فرمایا تھا کہ 72 غلط ہوں گے اور ایک درست اور یہاں قوم کو اس بات سے بہلایا گیا ہے کہ 72 صحیح ہیں اور ایک غلط!



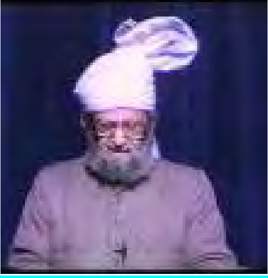


غزل

مسعود چودھری

ابھی یہ درد کی کونپل شجر ہونے نہیں پائی
ابھی یہ موج اشکوں کی بھنور ہونے نہیں پائی
دہائی ساتویں آئی اندھیرے اور بھی مچلے
یہ کیسی رات ہے جس کی سحر ہونے نہیں پائی
جہالت میں بھٹکتی پھر رہی ہے ایک مدت سے
فکر اس قوم کی پر راہ بر ہونے نہیں پائی
ہمارے گھر کی بنیادوں میں طوفان رقص کرتے ہیں
مکمل عظمتِ دیوار و در ہونے نہیں پائی
جنازہ جب سے اک بوڑھے مکیں کا گھر سے نکلا ہے
منقش یہ عمارت پھر سے گھر ہونے نہیں پائی
پرندے لوٹ آئے شام کو اپنے گھروندوں میں
خدا کا شکر آندھی کو خبر ہونے نہیں پائی
ابھی مسعودؔ زخمِ دل کی چنبیلی کو کھلنے دو
ابھی بزم نگاراں کو خبر ہونے نہیں پائی





پاکستان میں دہشت گردی کا بانی ضیاء الحق کی نسبت ایک شیعہ محقق کے تاثرات

محترم مولانا دوست محمد شاہد مرحوم۔(مؤرخ احمدیت)

داخلی اور خارجی سیاست کے اعتبار سے آج ہمارے محبوب وطن، پاکستان، کے لئے سب سے بڑا مسئلہ انسداد دہشت گردی ہے۔اس ہوش ربا اور تشویش انگیز مسئلہ سے نپٹنے کے لئے اولین مرحلہ پر یہ کھوج لگانا ضروری ہے کہ باطل کے سیاہ پوش دستوں کا ’’قافلہ سالار‘‘ کون تھا؟ آیئے اس سلسلہ میں پاکستان کے شیعہ محقق اور ماہنامہ ’خیر العمل‘ لاہور کے مدیر اعلیٰ جناب ڈاکٹر عسکری بن احمد کے افکار وتاثرات کا انہی کے الفاظ میں مطالعہ کریں۔آپ مذکورہ رسالہ کے شمارہ ستمبر 1997ء (صفحہ 22 تا 25) میں تحریر فرماتے ہیں:

’’موجودہ فرقہ وارانہ منافرت اور بین الفرق الاسلامیہ دہشت گردی کا آغاز جرنل ضیاء الحق مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کے دور سے ہوا۔دور بین نگاہیں یہ بھی دیکھ سکتی ہیں کہ اسی زمانہ میں بھارت میں دار العلوم دیو بند کا جشن صد سالہ ہوا جس کی صدارت بھارتی وزیر اعظم اندرا گاندھی آنجہانی نے کی۔اور اس دار العلوم کو بہت بڑی گرانٹ عطا کی۔اس جشن میں شرکت کے لئے پاکستان سے بھی کئی دیو بندی اور اہل حدیث علماء کے وفود وہاں گئے۔اور اندرا گاندھی جو پاکستان کو دولخت کرنے کا باعث بنی تھی اور مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنانے میں جس کے ہیلی کوپٹر اور چھاتہ بردار فوج نے کام کیا اسی اندرا گاندھی کے منتر نے دیو بند کے جشن میں جانے والے علماء کی پھر کی گھما دی۔اور مغربی پاکستان کی سلامتی کو بھی خطرہ میں ڈال دیا۔

*۔۔۔جرنیل ضیاء الحق کی اسلامائزیشن کے ہر ہر مرحلے پر سعودی عرب کے علماء اور زعماء یہاں پاکستان تشریف لاتے رہے اور ہدایت کاری کرتے رہے۔ انہی دنوں مسجد کعبہ کے امام جماعت محمد بن عبداللہ بن سبیل نے پاکستان میں آکر ارشاد فرمایا کہ جو کچھ ہم سعودی عرب میں کر رہے ہیں وہی کچھ پاکستان میں اہل حدیث کر رہے ہیں۔

*۔۔۔عہد ضیاء الحق میں پاکستان میں پہلی مرتبہ محمد بن عبدالوہاب ڈے منایا گیا اور فلیٹیز ہوٹل کے سابقہ بال روم یعنی ناچ ہال میں منایا گیا جس میں ہم بھی بطور صحافی موجود تھے۔

*۔۔۔اسی زمانے میں سعودی حکومت کا تختہ الٹنے کی ایک بغاوت ہوئی اور باغیوں نے حرم کعبہ میں پناہ لے لی۔اور وہاں مورچہ بند ہو گئے۔مشہور یہ کیا گیا کہ (جعلی) امام مہدی آ گیا ہے۔جرنل ضیاء الحق نے پاکستانی فوج سعودیہ کی مدد کے لئے بھیجی۔گولہ بارود کے استعمال سے باغیوں کو حرم خدا سے نکالا گیا۔لہذا سعودی حکمرانوں کی نوازشات اور بھی زیادہ ہو گئیں۔

*۔۔۔جرنیل ضیاء الحق آنجہانی نے جو پاکستانی قوانین زکات وصدقات و عشر نافذ کئے ان پر حنبلی فقہ کی چھاپ تھی جسے ہم نے اپنی کتاب فقہ جعفریہ اور زکوٰۃ میں بیان کیا ہے۔

*۔۔۔جرنل ضیاء الحق نے ملٹری کمانڈوز کے نعرہ علی علی کو بدل کر حق حق کر دیا۔ یاد رہے کہ علی بھی اللہ کا ایک نام ہے۔حق پتہ نہیں کہ یہ ضیاء الحق کا مخفف ہو۔

*۔۔۔افغان جہاد میں جرنل ضیاء الحق کا حصہ دار ہونا الم نشرح ہے۔افغان مہاجرین لاکھوں کی تعداد میں پاکستان آئے جواب تک یہاں خیمہ بستیوں میں آباد ہیں۔افغان بچے جوان ہو گئے۔اکھوڑہ خٹک وغیرہ کے مدارس اہل حدیث کے طالبان ہوئے۔انہیں دنوں سے مذہبی تنظیم کا نام سپاہ Militant Group ہو گیا۔مجاہدین اور اب طالبان وغیرہ وہاں جاتے رہے۔اگلے دن جمعیت علماء اسلام کے دونوں دھڑوں س اور ف مولانا سمیع الحق شیخ الحدیث دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اور سابق سینیٹر پاکستان اور مولانا فضل الرحمن کا فخریہ بیان تھا کہ طالبان ان کے مدارس کے ہیں۔(فوجی ٹریننگ اور گوریلا جنگ اور کمانڈو ایکشن اور آتشیں اسلحہ چلانے میں ماہر ہیں)۔جمعیت العلماء اسلام اور جماعت اسلامی کے جلسوں کی رونق افغان مہاجرین ہی ہوتے رہے۔

*۔۔۔جرنل ضیاء الحق کے زمانہ اقتدار ہی کی باتیں ہیں کہ علامہ احسان الٰہی ظہیر آنجہانی نے کتاب الشیعۃ والسنۃ اور کتاب البریلویۃ والسنۃ وغیرہ شائع کروائیں۔اول الذکر مذہب شیعہ کی مخالفت میں اور موخر الذکر بریلوی اہلسنت کی مخالفت میں اور یہ دونوں عربی میں تھیں۔پاکستان میں کم مشہور ہوئیں مگر سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات میں زیادہ مقبول ہوئیں۔انہیں دنوں میں اہلحدیث

کمپلیکس چائنہ چوک لاہور کی تعمیر شروع ہوئی۔ بدقسمتی سے بم حادثہ میں علامہ احسان الٰہی ظہیر سخت زخمی ہو گئے۔سعودی حکومت ان کو اٹھا کر سعودیہ لے گئی۔ علاج معالجہ کیا مگر وفات پا گئے اور پھر سرزمین عرب میں انہیں دفن کر دیا گیا۔ یہ سب کچھ کیا کیا غماز یاں کرتے ہیں۔

۔۔انہی دنوں سعودی عرب سے ایسا لٹریچر پاکستان آتا رہا اور ماڈل ٹاؤن کی ایک اکادمی اسے مفت تقسیم کرتی رہی۔سعودی عرب کے منسٹر انفارمیشن دارالافتاء و الدعوۃ والرشاد عبدالعزیز بن باز صاحب کے لکھے کئی پمفلٹ پاکستان میں مفت تقسیم ہوئے۔ جو مخالفت شیعہ میں ہوئے۔الدعوۃ والرشاد کی کئی برانچیں آج بھی پاکستان میں کام کر رہی ہیں جو Militant ہیں۔

عازمین حج کے سامان سے ہر قسم کی کتب حتیٰ کہ دعاؤں اور مناجات کی کتب بلکہ پاکستان میں چھپا ہوا قرآن (مصحف عثمان) بھی سعودی کسٹم والے ضبط کر لیتے ہیں۔حالانکہ وہ فرقہ وارانہ نہیں ہوتے۔ جب پاکستانی لٹریچر سعودیہ میں نہیں جاسکتا تھا تو وہاں سے فرقہ وارانہ لٹریچر دھڑا دھڑ آتا رہا جواب بھی آرہا ہے۔

* 1984ء یا 1405ھ میں مولانا محمد منظور نعمانی کی کتاب ایرانی انقلاب، امام خمینیؒ اور شیعیت لاہور سے شائع ہوئی جس میں شیعیت، مرجع شیعیت خمینی اور ایرانی انقلاب کے خلاف زہر بھرا ہے۔ اور اسی کتاب کا اثر تھا کہ پاکستان میں ایرانی سفیر مسٹر گنجی کا سفاکانہ قتل لاہور میں ہوا اور ملتان کے ایرانی سفارت خانہ کو بے دردانہ غارت کیا گیا۔ اور کلچرل ڈائریکٹر کو قتل کر دیا گیا اور لاہور میں ایرانی ثقافتی مرکز اور لائبریری کو لوٹا گیا اور جلایا گیا۔ اور حال ہی میں اسلام آباد میں ہوائی جہازوں کی مرمت اور صفائی کی ٹریننگ لینے والے پانچ ایرانیوں کو دہشت گردی کا نشانہ بنادیا گیا اور پانچ ٹیکنیشنز کے جنازے بیک وقت دوست ملک ایران بھیجے گئے۔ تاکہ رنگ میں بھنگ پڑے۔ اس کتاب کا مقدمہ مولانا سید ابوالحسن ندوی نے لکھا ہے جو شیعہ دشمنی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ علماء کے علمی بورڈ نے اس کتاب کو ضبط کرنے کی سفارش نہیں کی ہے۔ کیوں؟ شیعہ ممبران بورڈ ہشیار باش۔

* جرنیل ضیاء الحق کے دور کی دو یادگاریں یہ بھی ہیں:

1۔۔۔شاہ فیصل نے کتاب التوحید کا اردو ترجمہ پاکستان میں مفت تقسیم فرمایا۔ جس پر لکھا ہے کہ کتاب التوحید مجدد الدعوۃ الاسلامیہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی تصنیف ہے۔ ان کے پوتے عبدالرحمن بن حسن کی شرح مسمیٰ بہ فتح المجید ساتھ ہے۔ ان دونوں کا ترجمہ اور تفہیم عطاء اللہ ثاقب نے کی جس کا نام ہدایت المستفید رکھا۔ اس پر لکھا ہے کہ طبع بامر حضرت صاحب الجلالۃ الملک المعظم فیصل بن عبدالعزیز آل سعود وعلیٰ نفقتہ الخاصۃ الناشر انصار السنۃ المحمدیہ بیڈن روڈ لاہور پاکستان۔ اس کتاب کی تقدیم میں عطاء اللہ ثاقب نے لکھا ہے کہ پاکستان کے نامور عالم دین، صاحب لوائے توحید، ناصر السنۃ قامع البدعۃ العلامہ شیخ السید بدیع الدین الشاہ السندی الراشدی نے مقدمہ لکھا ہے اور مقدمہ پر آپ کے القابات یہ لکھے ہیں۔ مقدمہ من ناصر السنۃ النبویۃ ناصر العقیدۃ السّلفیہ، قامع البدعۃ، المجاہد لاعلائے کلمۃ اللہ، الصلب فی السنۃ الملازم للعبادۃ العالم، الفاضل المحدث الفقیہہ رئیس المحققین العلامہ الشیخ السید بدیع الدین الشاہ السندی الراشدی۔ اس مقدمہ کے صفحہ نمبر 30 پر لکھا ہے۔ امام سید جعفر صادق بن محمد بن الباقر بن علی ابن زین العابدین بن الحسین الشہید بن علی ابن ابی طالب سے (سب سے پہلی۔عسکری) کتاب التوحید (المسمی بہ الادلۃ علی الحکمۃ والتدبیر والرد علی القائلین بالاہمال ومنکری العمل) مروی ہے۔ مقدمہ لکھنے والے کے القابات دیکھیئے اور اس کا یہ مبلغ علم ملاحظہ فرمایئے کہ ائمہ اطہار آل رسول کا نسب نامہ کیا کا کیا کر دیا؟ اللہ اسے پوچھے۔ اگر جان بوجھ کر کیا تو مجرم بنا اور اگر نادانستہ ہوا تو معافی مانگنا ہوگی۔ صحیح یوں ہے امام جعفر الصادق بن محمد الباقر بن علی زین العابدین ۔۔۔الخ۔ یہ بھی یاد رہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی کتاب التوحید اور ہے مگر محمد بن عبدالوہاب کی کتاب التوحید اور ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ سلفیوں کے سلف میں محمد بن عبدالوہاب ہے۔ امام جعفر الصادق علیہ السلام نہیں ہیں۔ ماہنامہ خیر العمل میں ہم نے اس پر اسی زمانہ میں ایک مضمون لکھا۔ مگر کسی کو نے سے اس عبارت کے لئے معافی نہ مانگی گئی اور نہ اگلے ایڈیشن میں صحیح کرنے کا ارادہ ظاہر کیا گیا۔ علماء کے موجودہ علمی بورڈ میں کیا کوئی رجل رشید ایسا ہے جو اس کتاب کو ضبط کروائے۔ اور شاہ فیصل کے وارثان سے اس کے لئے معافی نامہ لکھوائیں۔ جنہوں نے اس بات پر اپنی جیب خاص خالی کر دی۔

2۔۔۔القرآن الکریم وترجمۃ معانیہ وتفسیرہ الی اللغۃ الاردیہ کے سرنامہ پہ لکھا ہے۔ ھذا المصحف الشریف وترجمۃ وتفسیرہ ھدیۃ من خادم الحرمین الشریفین الملک فھد بن عبدالعزیز آل سعود۔ اس میں ترجمہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن اور تفسیر شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی ہے۔ (اول الذکر بھارتی دیوبندی جبکہ موخر الذکر پاکستانی دیوبندی ہے) یہ قرآن شریف مع ترجمہ وتفسیر خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز ملک سعودیہ آل سعود کی طرف سے ہدیہ ہے جو ہر بھارتی اور پاکستانی کو مفت عطا ہوتا ہے۔ دو چار سال سے ہوتا آرہا ہے۔ یہ شاہ فہد

قرآن شریف پرنٹنگ کمپلیکس مدینہ منورہ میں زیر نگرانی وزارت اوقاف سعودی عرب 1993ء بمطابق 1413ھ طبع ہوا۔ یہ اردو ترجمہ اسلامی جمہوریہ پاکستان (بزمانہ جرنل ضیاء الحق) کے وزارت مذہبی امور کے حضرت مولانا ابوالحسن علی الندوی کی طرف سے معتمد و مصدق ہے۔اس کی ضروری تصحیحات کا مراجعہ رابطہ عالم اسلامی (ادارہ القرآن الکریم) کی طرف سے فضیلۃ الشیخ عنایت اللہ شاہ نے کیا ہے۔(مذکورہ بالا مولانا محمد منظور نعمانی کی کتاب ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت کا مقدمہ بھی انہیں مولانا سید ابوالحسن ندوی صاحب کا ہے) الغرض اس ترجمۃ اور تفسیر کی سفارش جرنل ضیاء الحق کے عہد میں ندوی صاحب کے ذریعہ سے کی گئی۔ ہماری گزارش تو صرف یہ ہے کہ یہ یک طرفہ تبلیغ نجدیت وسعودیت، اہل حدیثیت اور دیوبندیت کیوں روا رکھی گئی ہے؟ کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ ہر حاجی کی زبان پر ہے کہ ہر عازم حرمین شریفین کے سامان سے سعودیہ کے کسٹم حکام ہر قسم کی دعاؤں ومناجات کی کتب، قرآن مجید کے ہر قسم کے غیر ملکی مگر ممالک اسلامی کے نسخے اور قرآن کے تراجم و تفاسیر کو نکال پھینکتے ہیں۔ گویا غیر ملکی اسلامی لٹریچر کو مملکت سعودیہ میں جانے نہیں دیا جاتا۔ بریلوی اہلسنت کا ترجمہ وتفسیر کنز الایمان ونور العرفان وہاں ضبط ہیں اور وہاں کسی غیر ملکی اسلامی مذہب کو اپنا لٹریچر، اپنی مسجد، اپنا دینی مدرسہ بنانے اور اپنے مذہبی رسوم کو بجالانے کی قطعاً ممانعت ہے۔ حالانکہ سعودی عرب میں وہاں کے مقامی شیعہ مومنین کو کسی قسم کی مذہبی آزادی حاصل نہیں ہے، حالانکہ ملک معظم سعودی عرب شاہ فیصل نے پاکستان کے دارالخلافہ اسلام آباد میں شاہ فیصل مسجد (خیمہ مسجد) تعمیر کروائی۔ جو واقعی نجدیت اور سعودیت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اور وہابیت کا ماحول اسلامی قائداعظم بین الاقوامی یونیوسٹی اور تحقیقات اسلامیہ میں چھایا ہوا ہے۔

*۔۔۔گوادر کی بندرگاہ کی باتیں ہوتی رہتی ہیں جہاں سے دراصل عرب امارات اور سعودیہ سے نزدیک ترین راستہ ہے۔ گوادر مکران کا ہی حصہ ہے جہاں پر وہابی یلغار ہونے کا بھرپور خطرہ ہے۔

*۔۔۔اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ سانحہ بہاولپور میں اللہ تعالیٰ نے صدر مملکت ضیاء الحق کو اٹھا لیا۔ جہاز میں آگ لگ گئی۔ وقنا عذاب النار کی راہ کوئی نہ رہی۔ کچھ بھی نہ بچا۔ عینک اور جلی کٹی ایک ٹانگ کو ملبہ سے اٹھا کر شاہ فیصل خیمہ مسجد اسلام آباد کے احاطہ میں دفن کر دیا گیا کہ یہ مردِ حق کا لاشہ ہے۔ سعودی عرب نے اس قبر و قبہ کو کیونکر برداشت کیا؟ ذرا بھی احتجاج نہ کیا۔ آخر کیوں؟ سعودیہ میں جنت البقیع کی قبروں اور قبوں کو سعودیوں نے مسمار کر دیا ہوا ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کے اعزاء واقارب، آل وعترت رسول، اصحاب رسولؐ، امہات المومنین کی قبور کے نشانات تک مٹا دئے گئے ہیں کہ یہ قبر پرستی اور شرک ہے۔ فیصل مسجد کے احاطہ میں جرنل ضیاء الحق کی قبر اور قبہ (چھتہ) کو برداشت کرنا کیا کیا غماز یاں کرتا ہے۔

*۔۔۔اسی دور میں شیعہ وہابی کے مابین ہونے والے وہ مناظرے جو 1920ء اور 1940ء کے دوران ہوئے ان کی روئیدادیں جب تو چھپائی نہ گئیں مگر عہد ضیاء الحق میں غلط ملط روئیدادیں وہابیوں، اہلحدیثوں اور دیوبندیوں نے شائع کیں۔ مثلاً مناظرہ مکیریاں جو مابین ضیغم اسلام علامہ مرزا احمد علی اعلی اللہ مقامہ اور مولوی کرم دین بھین کے درمیان پچاسوں سال پہلے ہوا تھا۔ آج ان دونوں میں کوئی بھی زندہ نہیں ہے۔ اس زمانے میں مشہور ہوا تھا

کرم دین بھیاں دا　نہ سنیاں دا نہ شیعاں دا

*۔۔۔ضیاء الحق آنجہانی کی ہر برسی کے موقع پر اس قبر اور احاطہ فیصل مسجد میں ہر سال کافر کافر، شیعہ کافر کے نعرے لگائے جاتے رہے اور صاحبان اقتدار اور جرنیل ضیاء الحق کی مارشل لاء کی باقیات جلسہ کی صدارت کرتے ہوتے۔ سپاہ صحابہ کے ان فرقہ وارانہ منافرتی نعروں کی حوصلہ شکنی کبھی نہ کی گئی۔ آج نو برس کی برسیوں میں یہی ہوتا رہا۔ کیونکہ حزب اقتدار کی یہ سپاہ دم چھلہ پارٹی ہے۔

*۔۔۔17/اگست 1997ء کو فیصل مسجد کے احاطہ میں جرنیل ضیاء الحق کی برسی کے موقع پر بہت بڑے اجتماع سے موجودہ وزیراعظم پاکستان نے تقریر کرتے برملا کہا کہ وہ جرنل ضیاء الحق کے مشن کو پورا کریں گے۔ جولائی 1977ء میں ضیائی مارشل لاء لگا اور آمریت نے خوب خوب جوہر دکھلائے۔ کلاشنکوف کلچر اسی عہد کی یادگار ہے۔ اور اداروں میں کرپشن بڑھی، سیاچین کا معرکہ اب تک گرم ہے۔ اگرچہ وہاں گھاس نہیں ہوتی مگر شاہراہ ریشم پر جنگی نوعیت کا مقام ہے۔ اسی عہد میں دینی مدارس کو غیر ضروری مالی امداد اور تحفظات مہیا کئے گئے۔ زکات فنڈ سے ان کو نوازا گیا۔ وہابیت اور دیوبندیت اور اہلحدیثیت والوں کو خوب رجایا گیا۔ سرکاری محکمے اوقاف اور تحقیقات اسلامیہ اور دینی یونیورسٹیوں پر انہیں علماء کو قابض کر دیا گیا۔ غرضیکہ ان کے لئے طاقت کا مظاہرہ اور مذہبی منافرت پھیلانے کے مواقع مہیا کئے گئے۔ اور اسی کے نتیجے میں مسجدوں میں نمازیوں، دینی مدارس میں طالبعلموں اور امام بارگاہوں میں عزاداروں کا قتل وخون روا رکھا گیا۔ آج کی مذہبی انتہا پسندی اور دہشت گردی کے بیج اسی عہد میں بوئے گئے۔ یاد کرئے کہ اسی عہد میں لاہور کے پچاسوں امام باڑوں کو ایک رات میں جلا کر راکھ کر دیا گیا

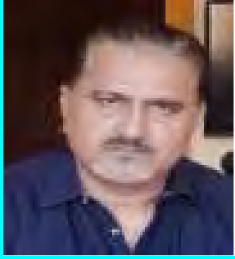
مگر حکومت کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ یہ سب یکطرفہ تھا۔ رفتہ رفتہ پھر دوطرفہ دہشت گردی ہونے لگی۔ ہمیں افسوس ہے کہ انسداد دہشت گردی بل وا یکٹ 1997ء میں موجودہ دہشت گردی کی ان بنیادی وجوہات کو روکنے کی قطعاً کوئی تدبیر نہیں کی گئی۔ جب تک جڑ ناس نہ کی جائے فتنہ پروری کا ستیاناس نہ ہوگا''۔
(مطبوعہ: الفضل انٹرنیشنل 27 مارچ 1998ء تا 2 اپریل 1998ء)



یادیں

شریف خالد جرمنی

یادیں ہیں درحقیقت گزرا ہوا زمانہ
قوموں کی زندگی میں اقدار کا خزانہ
اُس دیس میں رواں تھے کتنے حسین دریا
اوربرلبِ چناب تھا میر ا بھی آستانہ
اپنے سکول کالج اپنی زمیں ہماری
وہ شہر درحقیقت علموں کا تھا خزانہ
اُستاد تھے ہمارے سب فیض دینے والے
تھیں درسگاہیں اپنی جیسے حسین گھرانہ
آپس میں مل کر رہنا آپس میں مل کے جینا
ہر ایک کا تھا جیسے بے لوث دوستانہ
ہرفرد خوش نوا تھا ہر بات جانفزا تھی
اک دوسرے کی سب سے پھر طرزِ عاشقانہ
یہ عشق تھا جنوں تھا یا دُعا کسی گدا کی
سب کو سلام کہنا سب کو دعا سکھانا
پھر کھیل بھی تھا جیون کا اِک سہارا
اک دوسرے سے آگے بڑھنے کا تھا بہانہ
چڑھنا پہاڑیوں پر کھیتوں میں سیر کرنا
دریا پہ روز جاکر پھر تیرنا نہانا
پھر کیا ہوا یہ خالدؔ کیسی چلی ہوائیں
قسمت میں پھر نہیں تھا اُس گھر کا آب و دانہ
قدرت کا کام وہ ہی قادر وقدیر جانے
تھا امتحاں ہمارا یا اُس کا آزمانہ
پھر چھا گیا اندھیرا جاتا رہا سویرا
اور آگیا کہیں سے ظلمت کا شاخسانہ
آنکھوں سے ہم نے دیکھا جلتی حویلیوں کو
اور دشمنوں کا اس پر پھر اور مسکرانہ
میں نے سنی ہیں خود بھی بلبل کی وہ صدائیں
''یہ میرا آشیانہ یہ میرا آشیانہ''
کچھ آندھیوں سے سیکھا اپنے کو باندھ رکھنا
کچھ علم نے سکھائے طوفان پہ پُل بنانا
پھلوں سے ہم نے سیکھیں کچھ عاجزانہ رائیں
کچھ بُوئے گل سے سیکھا گلشن میں پھیل جانا
کچھ دیں سے ہم نے سیکھیں صبر و وفا کی باتیں
ہجرت سے ہم نے سیکھا یثرب سے فیض پانا
ہم نے مگس سے سیکھا آپس میں مل کے رہنا
شاہیں سے ہم نے سیکھی پروازِ طائرانہ
گلشن کو کردیا پھر ہم نے ترے حوالے
خالی ہی ہاتھ لیکر ہم ہو پڑے روانہ
دیتے تھے رات دن جو کشکول کا ڈراوا
وہ اب کہاں ہیں وہ ہاتھ آمرانہ
آنکھوں کے سامنے ہیں قدرت کے فیصلے سب
بھٹو ہو یا ضیاع ہو فیصل یا دولتانہ
اب جل رہے ہیں وہ بھی تھے ہم پہ مسکراتے
قدرت کے کام جانے قدرت کا تازیانہ
ہو آنکھ دیکھنے کی تو آکے اس کو دیکھے
جو بانٹتے ہیں ہر سو ہم پیار کا خزانہ
دنیا کے ساحلوں سے دنیا کے ساحلوں تک
نفرت نہیں کسی سے گاتے ہیں یہ ترانہ
یہ بندہ پروری ہے کہ رواں کسی سُو منزل
'' نہ گلہ ہے دوستوں سے نہ شکائتِ زمانہ''
جو یہ سن سکو تو سن لو جو سمجھ سکو تو سوچو
کہ ہے آسماں کا آخر وہی فیصلہ پرانا
'' جو سمجھ سکو تو موتی نہ سمجھ سکو تو پانی '
مرے خونِ دل کے قطرے مری قوم کا فسانہ



اخلاص اور للّٰہیت جو دارلعلوم دیوبند کی اصل روح تھی وہ نکل چکی

تحریر: اصغر علی بھٹی مغربی افریقہ



بنوری ٹاون کے ترجمان رسالے ماہنامہ بینات کی محرم 1440 کی اشاعت میں ایڈیٹر کے قلم سے ایک مضمون" عاطف میاں کی مخالفت کیوں ؟ وجوہ ـاسباب ـمحرکات" کے نام سے ص 3 تا 20 تک شامل اشاعت کیا گیا ہے۔ ایڈیٹر صاحب وزیر اعظم پاکستان جناب عمران خان کی حکومت کے شروع کے دنوں میں حکومت کی طرف سے 18 رکنی اکنامک ایڈوائزری کونسل کے قیام اور اس میں جناب عاطف میاں کی شمولیت کے اعلان کا ذکر کرنے کے بعد علماء کے احتجاج اور اس پر وزیر اطلاعات ونشریات جناب فواد چوہدری صاحب کے بیان کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

آگے چل کر جناب جاوید چوہدری صاحب کے روز نامہ ایکسپریس میں ایک کالم بعنوان "کیا قائداعظم کو پتہ نہیں تھا؟" اور اسی طرح سے روز نامہ جنگ کے کالم نگار جناب محمد بلال غوری صاحب کے 6 ستمبر 2018 کی اشاعت میں لکھے گئے "شکریہ عمران خان" کے نام سے کالم کا ذکر کرتے ہیں۔ایڈیٹر صاحب یہ سارا پس منظر اور ان دونوں مضامین کا خلاصہ درج کرنے کے بعد فرماتے ہیں"

یہ دونوں صحافیوں کے چیدہ چیدہ 13 سوالات، اعتراضات واشکالات ہیں"

ان اشکالات وسوالات کے جوابات درج کرنے سے پہلے آپ وزیر اعظم جناب عمران خان صاحب کا شکریہ ادا کرنا نہیں بھولتے کہ انہوں علمائے کرام کی آواز پر ایک قادیانی کو اکنامک ایڈوائزری سے الگ کر دیا ہے اس کے بعد جناب فواد چوہدری صاحب کو گرم سرد سنانے کے بعد نفس مضمون کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

گو آپ نے 13 سوالات و اشکالات کے 13 جواب ہی دیئے ہیں مگر درحقیقت وہ 13 جواب نہیں صرف 2 ہی ہیں۔ اول جماعت احمدیہ اور اسی وجہ سے چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب کی باز پرس اور الزامات کا لا متناہی سلسلہ، انگریزوں کی ایجنٹ، دشمن دین، دشمن تحریک پاکستان، دشمن پاکستان، قانون کو نہیں مانتے، آئین کو نہیں مانتے۔ اِس کے باغی، اُس کے باغی وغیرہ وغیرہ۔ اور نمبر دو قائد اعظم کی ذات۔۔قائداعظم نامساعد حالات میں پھنسے ایک مجبور ولا چار شخص تھے۔۔۔وائسرائے کا قائداعظم پر بہت دباؤ تھا کہ سر ظفر اللہ خان کو وزیر خارجہ لگاو۔۔یہاں تک کہ وائسرائے نے دھمکی دی کہا اگر وزیر خارجہ نہ بنایا تو اختیارات کی منتقلی نہیں ہوگی یعنی آزادی پاکستان کا اعلان نہیں ہوگا۔۔۔قائداعظم نے وزیر خارجہ بنانے کا فیصلہ نہیں کیا بلکہ بادل ناخواستہ قبول کیا۔۔۔" آپ اندازہ لگالیں کہ ظفر اللہ خان قائداعظم کی کتنی بات مانتا تھا۔ بانی پاکستان محمد علی جناح نے جب انگریزوں سے عدم تعاون اور ترک موالات کے سلسلہ میں تمام اہل وطن سے اپیل کی کہ وہ انگریزوں کے عطا کردہ اعزازات و خطابات واپس کر دیں تو صرف چوہدری ظفر اللہ خان واحد شخص تھا جس نے انگریزوں کا عطا کردہ سر کا خطاب واپس کرنے سے صاف انکار کر دیا"۔۔۔ظفر اللہ خان نے قائداعظم کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔۔۔اپنے دور وزارت میں زیادہ وقت بیرون ملک گزارا۔ پارلیمنٹ آنے سے کتراتے تھے۔۔عرب ملکوں سے رشتہ اخوت مستحکم کرنے کی بجائے انہیں پاکستان سے بدظن کرنے اور پاکستان سے دور کرنے کی پالیسی اختیار کی اور عربوں کی جاسوسی کے لئے مختلف مما لک میں قادیانی سیل قائم کئے۔۔۔اسلامی ہمسایہ برادر ملک افغانستان اور مصر سے جان بوجھ کر تعلقات کشیدہ کئے جن کا خمیازہ آج تک بھگتا جا رہا ہے۔۔۔مسئلہ کشمیر حل کرنے کی بجائے دیدہ دانستہ طور پر خراب کیا گیا۔۔۔فلسطین کا مسئلہ ظفر اللہ خان صاحب نے صاف انکار کر دیا اور عرب وفد سے کہا کہ اگر امام جماعت احمدیہ مجھے کہیں گے تو میں آپ کی مدد کروں گا ۔ان بے چاروں نے ربوہ رابطہ کیا۔ ربوہ سے جو تار بھیجی گئی کہ ان کی مدد کروہ وہ خطیب پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادی کے ہاتھ لگ گئی۔۔۔پاکستان کی

مخالفت کی مگر جھگڑا مسجد بننے کی جگہہ کا تھا جب بن گئی تو اب جھگڑا ختم۔۔چناب نگر میں ریاست کے اندر ریاست قائم ہے اس کے علاوہ بھی کئی اور شہروں میں جاسوسی کے لئے اپنے خفیہ ٹھکانے بنائے ہوئے ہیں۔۔۔ عاطف میاں آئی ایم ایف کی 25 رکنی ٹیم میں شامل ہے اور آئی ایم ایف یہودیوں کے قبضے میں ہے اسلئے اس کو فوری ہٹانا ضروری تھا وغیرہ وغیرہ۔

خاکسار نے جناب سید محمد یوسف بنوری صاحب کی یادگار اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے ترجمان مجلہ بینات کے محرم کے شمارے میں حقائق کا اتنی بے رحمی سے مثلہ کرتا ہوا یہ مضمون دیکھا تو مجھے بے اختیار دارالعلوم کے سابق مہتم اور مفتی جناب فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب کے وہ ماتمی الفاظ یاد آ گئے جو انہوں نے سانحہ دارالعلوم دیوبند کے دوران اور اس کے بعد کے واقعات پر کہے ہیں۔ یاد رہے 23 مارچ 1982 کی رات مولانا حسین احمد مدنی کی اولاد اور مفتیان کرام کے ایک بڑے گروہ نے ڈنڈوں اور بندوقوں سے لیس ہو کر دیوبند پر دھاوا بول دیا اور مولانا قاسم نانوتوی کے پوتے اور دیوبند کے مہتمم جناب قاری طیب صاحب اور محدث دیوبند مولوی انور شاہ کشمیری کے بیٹے انظر شاہ کشمیری کو دیگر اساتذہ سمیت، باہر نکال کر دیوبند پر قبضہ کر لیا۔ 40 سال سے زائد مہتمم رہنے والے اپنے اس بزرگ استاد قاری طیب صاحب کو نہ صرف نکال باہر کیا گیا بلکہ ان پر نظر بازی، عورتوں سے تعلقات اور دیگر انتہائی گھناؤنے الزامات کی بارش بھی کر دی گئی جس پر آپ دلبرداشتہ ہو کر ہندوستان ہی چھوڑ گئے اور پھر ایک دن دیار غیر میں فوت ہو گئے۔ اسی سانحہ سے شروع ہونے والی اخلاقی گراوٹ کا ذکر کرتے ہوئے جناب مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب فرماتے ہیں "مولانا قاری محمد طیب کے ساتھ جو کچھ پیش آیا ، یہ آزمائش حضرت قاری صاحب کی ہی نہیں بلکہ پوری جماعت دیوبند کی تھی۔ اتنے سنگین واقعہ کے بعد بھی نہیں لگتا کہ فریقین کے افراد نے مجموعی طور پر اس سے کوئی عبرت حاصل کی ہے اور آئندہ کے لئے ان کی روش میں کوئی فرق رہا ہے۔ مجھے معاف کریں کہ محسوس یہی ہوتا ہے کہ اخلاص اور للّٰہیت جو دارالعلوم کی اصل روح تھی وہ بالکل نکل چکی ہے اور ایک خوبصورت ڈھانچہ ہے جو دیکھنے میں بڑا اچھا نظر آتا ہے مگر بے جان ہے۔ کہنے کو اب بھی گوشے گوشے سے قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں سنائی دیتی ہیں ۔لباس تقویٰ کا اظہار کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں مگر تقویٰ نہ لباس میں ہے نہ ظاہری صورت میں" (حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب مصنفہ مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی ص 146 و 147) جناب مفتی فضیل الرحمٰن صاحب کو تو صرف دیوبند سے اخلاص اور خوف خدا رخصت ہوتا نظر آ رہا ہے مگر مجھے تو یہ مضمون پڑھ کر آل دیوبند سے ہی اخلاص اور خوف خدا رخصت ہوتا نظر آ رہا ہے۔ ورنہ کس طرح ممکن ہے کہ کوئی شخص عالم دین کہلا کر، تاریخ پاکستان پر اتنی دیدہ دلیری سے، اتنے زیادہ سفید جھوٹ باندھتا چلا جائے۔

جماعت احمدیہ، قائداعظم اور چوہدری سر ظفر اللہ خاں صاحب سے تو بغض سمجھ آتا ہے مگر سچ اور شرافت سے کیا دشمنی؟ آپ نے مذہب، سیاست، امور خارجہ، امور داخلہ، تاریخ پاکستان، بین الاقوامی تاریخ اور پتہ نہیں کون کون سے مسائل پر 17 صفحات کالے کر دیئے ہیں مگر کس برتے پر؟ صرف شورش کاشمیری اور محمد علی جانباز جیسے دو احراری مولویوں کی دو کتب کے سہارے۔

ایک مذہبی طالب علم ہونے کے ناطے ایک مسلم اصول ہم سب جانتے ہیں کہ کسی بھی حدیث کو پرکھنے کے لئے محدثین نے موٹے موٹے دو اصول مقرر کئے ہیں یعنی روائیت کے اعتبار سے اور درائت کے اعتبار سے۔ روائت کے اعتبار سے مطلب جس میں بات کرنے والے راوی کے حالات کا جائزہ لیا جاتا ہے کہ جو بات کر رہا ہے وہ خود کیسا ہے؟ اس کی اخلاقی حالت کیسی ہے؟ اس کو جھوٹ کی تو عادت نہیں؟ پھر اس واقعہ کے وقت اس کی عمر کتنی تھی؟ کیا وہ اس واقعہ کے وقت موجود تھا؟ وغیرہ وغیرہ اور دوسرے حصے میں یہ جائزہ لیا جاتا ہے کہ وہ بات کیا بیان کر رہا ہے؟ الفاظ میں تو کہیں جھول نہیں؟ پھر کہیں ایسا تو نہیں بات کے الفاظ تو درست ہوں مگر اسے سمجھنے میں غلطی لگی ہو وغیرہ وغیرہ۔

چلیں مضمون کے اس حصے میں درائت یعنی نفس مضمون سے پہلے روائت اور راویان کا جائزہ لے لیتے ہیں۔ اور یہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ جنہوں نے کہا کہ قائداعظم ایک مجبور و لاچار شخص تھا جسے وائسرائے ہند بلیک مل کر رہا تھا اور وہ اس کے ہاتھوں بلیک میل ہو رہے تھے۔ سر ظفر اللہ خان نے کشمیر کا مسئلہ خراب کر دیا۔ عربوں کو پاکستان سے بدظن کر دیا۔ مصر اور افغانستان سے تعلقات کشیدہ کر دیئے۔ فلسطینیوں کی مدد سے انکار کر دیا کہ جاؤ ربوہ سے اجازت لے کر آؤ۔ وغیرہ وغیرہ خود ان کا اپنا قد کاٹھ کیسا ہے؟ تقویٰ اور نجابت کے کتنے بڑے پہاڑ ہیں؟ سیاست اور امور خارجہ کے کتنے بڑے ماہر ہیں؟ قائداعظم کے کتنے قریبی اور معتمد ساتھی ہیں؟ آزادی پاکستان سے پہلے پاکستان کے لئے کیا کیا قربانیاں پیش کئے ہوئے ہیں؟ اپنے اور پرائے سب میں ان کے فرامین کی کیا تاریخی حیثیت ہے؟

آغا شورش کاشمیری صاحب ہوں یا محمد علی جانباز۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادی ہوں یا بینات رسالہ کے یہ ایڈیٹر اور مضمون نگار صاحب، یہ سبھی صاحبان دیوبندی مسلک کے پیروکار ہیں اور پچھلے ساٹھ ستر سال کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ دیوبندی علماء، فضلاء ہوں یا ابدال و اقطاب ان کے قلم اور زبان سے کسی کو سلامتی نصیب نہیں ہوئی اور صرف یہی نہیں بلکہ ہاتھ اور زبان سے امانت و دیانت تو بالکل بھی نصیب نہیں ہوئی اور یہ بات صرف غیروں تک محدود نہیں بلکہ اپنے ہوں یا پرائے۔ بارڈر کے اِس پار کے ہوں یا اُس پار کے اس "برکت عمومی" سے سبھی کو حصہ بقدر جُثہ عطا ہوتا رہا ہے اور ہو رہا ہے اور اس میں کسی شرم، کسی مضائقہ اور کسی وقفہ کی کوئی بات نہیں۔ جماعت احمدیہ یا قائد اعظم یا چوہدری سر ظفر اللہ خاں صاحب، یہ تو بیگانے ہیں، مخالف ہیں اور ان سے تحریک پاکستان کے دوران دیوبند اور آل دیوبند نے بری طرح شکست کھائی تھی اس لئے ان کے خلاف بیان بازی میں تو امانت و دیانت کا کیس بنتا ہی نہیں ہے۔ ہم تو اپنے شیوخ و ابدال کو ذرہ ذرہ سی بات پر رگید کر رکھ دیتے ہیں مثلاً مولانا محمد علی جالندھری جو رئیس الاحرار تھے۔ دیوبندی علماء کے تاج تھے۔ انہیں فخر اسلاف اور ختم نبوت کے مجاہدین کا کپتان کہا جاتا تھا جب آغا شورش کاشمیری صاحب کا ان سے جھگڑا ہوا تو آپ نے ان کو دیگر الزامات کے ساتھ ساتھ مالی بد دیانت اور چندہ چور ڈکلیئر کر دیا۔ چنانچہ آپ کا یہ چہرہ بھی تاریخ دیوبند کا حصہ ہے۔ بعنوان" مولانا محمد علی صاحب جالندھری سے التماس" اس لڑائی کو یوں جگہ دی "مجلس تحفظ ختم نبوت آپ کی املاک نہیں یہ ایک دینی ادارہ ہے اور آپ زیادہ سے زیادہ اس کے کسٹوڈین کہلا سکتے ہیں۔ آپ سے دردمندانہ گزارش ہے کہ آپ مجلس تحفظ ختم نبوت کے تمام حسابات کسی چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ کی توثیق کے بعد شائع کریں تا قوم کو معلوم ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی عزت کے نام پر جو روپیہ آپ وصول کرتے ہیں وہ کس طرح خرچ ہوتا ہے اور کہاں کہاں خرچ ہوتا ہے"

(ہفت روزہ چٹان لاہور 14 مارچ 1966 ص 7)

دوسرے شمارے میں تحریر کیا کہ" 1) معاف کیجئے حضرت مولانا محمد علی جالندھری نے تو اپنے دامن سے ہوا دے کر اس گھر کو آگ لگا دی ہے جو سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے دم قدم سے بس رہا تھا" 2) "سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی رحلت کے وقت مجلس کا ایک یا ڈیڑھ لاکھ روپیہ مولانا محمد علی کے پاس تھا وہ کہاں صرف ہوا؟ اراضی کی خرید پر یا آڑھت میں؟ یا اس عمارت پر جو ملتان میں آپ نے کھڑی کی ہوئی ہے؟" 3) "حضرت مولانا نے احرار کی قربانیوں پر پانی پھیر دیا اور جو کچھ ان کے دامن میں تھا اپنے نام پر ہبہ کر لیا" (ہفت روزہ چٹان لاہور 7 مارچ 1966 ص 5)۔ پھر آپ کا جھگڑا مولانا فضل الرحمٰن کے والد صاحب جناب مفتی محمود صاحب اور مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب سے ہو گیا۔ یہ دونوں صاحبان کیا تھے؟ گویا کہ پاکستان میں دیوبند کا چہرہ تھے۔ مذہبی اور سیاسی دونوں محاذوں پر دیوبندیوں کے سرخیل تھے مگر جب آپ ان پر ناراض ہوئے تو ان کی بھی غدار وطن، وطن فروش، فتویٰ فروش اور مالی بد دیانت جیسے" خطابات" سے ذرہ نوازی کر دی۔ اور الٹا اس سارے دیوبندی گروہ کی زبان دانی کے متعلق یہ فتویٰ جاری فرما دیا " کہ ہم نے یہ زبان اُن لوگوں سے بھی نہیں سنی جو دوزخ کا ایندھن ہیں۔ ہم ایسے گنہگار ان کے ساتھ بہشت میں رہنے کا حوصلہ نہیں کر سکتے۔ اور اگر اسلام وہ ہے جو جمعیت کے آخری اجلاس میں حضرت مولانا اور اُن کے ارشد تلامذہ نے پیش کیا اللہ ہمیں ان کے اسلام سے محروم کر دے آمین ثم آمین" (چٹان 6 جولائی 1970 ص 8) مزید دیوبند کے ان مفتیان کرام اور شیوخ الحدیث کا 20 جولائی 1970 کے چٹان میں تعارف یوں درج فرمایا "حقیقت یہ ہے کہ ہزاروی گروپ کے 99 فیصد خطیب اب گالی دیئے بغیر قرآن بھی نہیں سنا سکتے"

(چٹان 20 جولائی 1970 ص 5)

"جمعیت کے موجودہ راہنماؤں کا حال دوسرا ہے انھوں نے گزشتہ 24 برس میں کچھ کیا تو فقط یہ کہ اپنے بزرگوں کا نام بیچا۔۔ 1962 کے ایوبی دستور میں دوسری ترمیم کے موقع پر مشہور ہے کہ مفتی محمود نے ترمیم کے حق میں ووٹ ڈالنے کے بدلے ایوب خان سے 2 لاکھ چہرہ شاہی گن کر لئے تھے مگر یہ دور بے ایمانی کا تھا جس میں کوئی کسی سے حساب نہ لے سکتا تھا" (چٹان 7 ستمبر 1970 ص 8) مزید ارشاد فرمایا کہ" حقیقت یہ ہے کہ غلام غوث اسلام کا میر جعفر اور مفتی محمود اسلام کا میر صادق ہے" (چٹان 17 اگست 1970 ص 3)

بلکہ مولانا غلام غوث ہزاروی کے بارے میں یہاں تک آگے چلے گئے کہ اگر یہ دیوبندی عالم دین مسلمان ہے تو میں کافر ہی اچھا" اگر اسلام کی نمائندگی آپ کرتے ہیں اور آپ ہی کے کردار و گفتار کا نام اسلام ہے تو ہم نہایت ادب کے ساتھ یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ یا شیخ العصر! اسلام کو دس ہزار سلام! آپ کے اسلام سے ہمارا کفر اچھا ہے۔") چٹان 9 جون 1975 ص 5) اور جناب مفتی محمود صاحب کے بارے میں تو ایک وصیت بھی کر ڈالی اور وہ یہ تھی ""

ہم اپنے رب سے ہر صبح یہی دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار عالم منبر رسالت کے ان وارثوں سے محفوظ رکھنا۔ہم میں ان کے احسان لینے کا برتا نہیں رہا۔ان کے ہاتھ کا پانی ہمارے لئے حرام کردے اور اگر ان کی نگہ لطف سے زندگی بڑھتی ہوتو گھٹادے۔ان سے عزت ملتی ہوتو ذلت اچھی۔مرجاؤں اور کوئی مسلمان جنازہ پڑھانے والا نہ ملے تو ان سے جنازہ پڑھوانا ایسا ہی ہے جیسا کسی مسلمان کی لاش کو چتا پر رکھا جائے۔ان کو جنازہ پر شریک کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ لاش اٹھا کر بازار میں پھینک دی جائے۔جسم کتے کھا جائیں۔نہ ہم ان کے نہ وہ ہمارے۔تجربے ہمیشہ نہیں کئے جاتے زندگی میں ایک ہی دفعہ ہوتے ہیں۔''

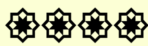
(چٹان۔8فروری1970)۔

دیوبندی علماء اور مفتیان کرام اگر بارڈر کے اِس پار اپنے علماء وفضلاء کی پگڑیاں اچھالنے اور قلم وزبان سے ان پر ہر غلیظ الزام لگانا اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں تو بارڈر کے اُس پار کے دیوبندیوں کا حال تو اس سے بھی برا ہے۔وہ تو قلم اور زبان کے ساتھ ساتھ ڈنڈے اور بندوق کا استعمال بھی کررہے ہیں چنانچہ جس طرح سے مولانا حسین احمد مدنی کے بیٹوں نے بندوق بردار جھتے کے ساتھ دارالعلوم دیوبند پر رات کی تاریکی میں حملہ کیا اور مولانا قاسم نانوتوی کے پوتے اور دیوبند کے مہتمم جناب مولانا قاری طیب صاحب اور دوسرے تمام مفتیان کرام کو باہر نکال کر دیوبند پر قبضہ کرلیا۔اس سانحہ اور اس کے بعد کے مغلظات خود دیوبندی تاریخ کے چہرے پر ایک کالا دھبہ ہیں۔چنانچہ مشہور دیوبندی ویب سائٹ Save Darul Uloom Deoband پر زیر عنوان "مقبوضہ دیوبند میں اقرباء پروری نہیں ہوتی " لکھا ہے 24 مارچ 1982 کو بندوق بردار ارشد ابو دھیاوی نے اپنے بھائی اسعد ابودھیاوی کی قیادت میں دارالعلوم پر حملہ کرکے مولانا مرغوب الرحمٰن جیسے بے حیثیت اور بے صلاحیت چاپلوس کو مہتمم بنادیا۔۔مولانا غلام محمد وستانوی کو ارشد نے ہڑتال کرکے اس لئے مہتمم کے عہدے سے ہٹایا کہ ان سے اندیشہ تھا وہ بحیثیت مہتمم مقبوضہ دیوبند کو ارشد ابودھیاوی کے چنگل سے آزاد کرانے کی صلاحیت رکھتے تھے اور پھر ان کی جگہہ مولوی ابوالقاسم بنارسی جیسے لاخیرے۔بے اثر۔بے ضرر۔چاپلوس کو ارشد ابودھیاوی نے مقبوضہ دیوبند کا مہتمم مقرر کیا۔۔24 مارچ 1982 کی رات میں اسعد ابودھیاوی کی قیادت میں ڈکیت الہند ارشد ابودھیاوی نے بندوق لے کر دارالعلوم پر قبضہ کیا تھا۔اور اس کے نتیجے میں حضرت قاری طیب اور مولانا انظر شاہ کشمیری کا اخراج ہوا۔۔اگر مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا انور شاہ کشمیری کی باصلاحیت اولاد کا مقبوضہ دیوبند میں نہ ہونا مقبوضہ دیوبند کا کمال ہے تو 1982 کے قبضے سے 2006 (اسعد کی موت) تک مولانا حسین احمد مدنی کے ایک نہیں دو دو بے صلاحیت اور نالائق اولادوں کا مقبوضہ دیوبند میں آقا ومولا کی حیثیت سے رہنا کیا ہے"۔ پھر اسی ویب سائٹ پر مزید اپنے بزرگوں کی عزت افزائی کرتے ہوئے زیر عنوان" داڑھی ٹوپی والے فاسقوں اور فاجروں کے خلاف حق گوئی جرم نہیں" لکھا ہے" مولانا سعد کاندھلوی کی توہین وتضحیک کرنے والا دیوبند کا کتب فروش مولوی سعید احمد پالن پوری توبہ کرلے اور احتیاطاً اپنے نکاح وولیمہ کی تجدید کرلے۔رہ گئی بات کہ فرہاد ثانی رومیو ہندوستانی مولوی ابوالقاسم بنارسی مرید سونیا گاندھی،غنڈۃ العصر مولوی ارشد فیض آبادی اور کتب فروش دشمن صحابہ مولوی احمد سعید پالن پوری کی توہین وتضحیک کرنا کیسا ہے؟ تو یہ لوگ صرف نام کے مولوی ہیں حقیقی مولوی نہیں"۔دیوبندی حضرات آج کی تاریخ میں نہ صرف بارڈر کے دونوں طرف بے شمار گروپوں میں تقسیم ہیں اور نہ صرف زبان سے ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے میں مصروف ہیں بلکہ اب معاملہ قتل وغارت تک بھی آن پہنچا ہے چنانچہ بنگلہ دیش کے دیوبندی حضرات میں حالیہ فسادات سب کے سامنے ہیں۔امارت اور شوریٰ کا فتنہ تیزی سے بھڑک رہا ہے۔ہر روز نئے الزامات سے نئے دن کا آغاز ہوتا ہے۔ایک دوسرے پر لعن طعن معمول کا حصہ بن گیا چنانچہ مولانا عیسیٰ منصوری صاحب جو کہ تبلیغی جماعت میں بہت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔آپ نے شوریٰ گروپ کی دریدہ دہنیوں پر بڑے دکھ سے فرمایا ہے کہ'' یہ دیکھو دیوبند کے نام پر ساری شرارت ہورہی ہے۔اور مولانا ارشد مدنی کے کہنے پر یہ سب ہورہا ہے۔ایک ہزار طلبہ کو انہوں نے بھیجا۔انہوں نے لاتوں سے جوتوں لاٹھیوں سے پٹائی کی۔اور لہولہان کردیا۔تو یہ حرکت لگارکھی ہے تم نے۔دیوبند اس لئے قائم ہوا تھا کیا؟ بدمعاشیاں کرنے کے لئے۔اور تم کوٹھیکہ دیا ہے ان بنیوں نے کہ مولانا الیاس کے خاندان کو ہٹا کر ان بنیوں کو وہاں بٹھا دو۔یہ تین آدمی ہیں۔مولانا سعد پالن پوری۔ابوالقاسم نعمانی اور یہ مولانا ارشد مدنی۔ارشد مدنی تم کو اپنے باپ کے نقش قدم پر چلنا چاہئے یا ان بنیوں کا پٹھو بننا چاہئے۔اور یہ مفتی جنید ہے بمبئی والا وہ تو عرصہ سے چلا رہا ہے کہ مولانا ابراہیم دیولہ کو امیر بنا دیا جائے اور مولانا سعد کو ریٹائیرڈ کر دیا جائے۔اور ان بد معاشوں کی حرکت تو دیکھو ادھر مولانا زبیر کی قبر پر مٹی ڈال کر آئے اُدھر ایک لاری

لے کر آ گئے کہ چلیں مولانا سعد آپ کو لے جا کر کا ندھلہ چھوڑ دیتے ہیں۔اپنے گھر بھیج دیتے ہیں۔اب تم نا اہل ہو اب ہم چلائیں گے تبلیغ کو۔ان کی شرارت تو دیکھو۔سن لو مفتی جنید،اور سن لو ابراہیم دیولہ تم کبھی بھی حضرت جی نہیں بن سکتے۔۔۔یاد رکھو میری بات کو لکھ لو۔میں شدید بیمار ہوں۔کل میں نہیں رہوں گا مگر نئی نسل لکھ لے اس بات کو اس ضلع کی نسلیں مولانا ابراہیم دیولہ اور مولانا لاٹ تم پر لعنتیں بھیجیں گی۔ان دونوں نے گجراتیوں کو نظام الدین سے کاٹا ہے اور مرکز اور دین کی محبت سے کاٹا ہے اب جتنی چاہے اچھل کود کر لو تو میں تم پر لعنت بھیجیں گی۔اب ان شورائی بدمعاشوں کا ڈھونگ کھل گیا ہے۔'' پھر آپ نے اپنی ایک اور ویڈیو میں مولوی طارق جمیل صاحب کو بھی فتنہ اور ڈبل گیم کرنے والا شورائی گروپ کا ممبر بتایا ہے۔آپ نے کرپشن کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا کہ'' اب دیکھو یہ ابراہیم دیولہ 40 سال میں اتنا سفر نہیں کیا تھا جتنا ان 2 سالوں میں کیا ہے اُڑا اُڑا پھر رہا ہے۔یہ بھی میری طرح غریب آدمی ہے۔ان تین مہینے کا ریکارڈ اُٹھا لو۔اردن، پرتگال،فرانس،اور پھر جا کر حج پر بھی پہنچ گیا۔کہاں سے پیسے آ رہے ہیں؟ کون پیسے دے رہا ہے؟ اُدھر کراچی میں ایک مفتی زرولی مولانا سعد کے خلاف کتابیں لکھ رہا ہے۔اگر دوسروں پر ایک انگلی اُٹھاؤ گے 4 تمہاری طرف ہونگی''۔

قصہ کوتاہ یہ کہ جب اصول روائت کے رو سے وہ دیوبندی علماء وفضلاء جب اپنے علماء کو بھی بدمعاش۔ڈکیٹ۔چور۔بددیانت۔غدار۔میر جعفر اور میر صادق۔بے حیثیت۔بے صلاحیت۔کرپٹ۔ملعون۔مفتن۔ڈبل گیم کرنے والے۔شرارتی۔نا اہل۔قاتل۔فرہاد ثانی رومیو ہندوستانی مولوی ابوالقاسم بنارسی مرید سونیا گاندھی،غنڈۃ العصر مولوی ارشد فیض آبادی اور کتب فروش دشمن صحابہ مولوی احمد سعید پالن پوری کی توہین وتضحیک کرنا واجب ہے۔لاخیرے۔بے اثر۔بے ضرر۔چاپلوس۔ہم اپنے رب سے ہر صبح یہی دعا کرتے ہیں کہ اے پرودگار عالم منبر رسالت کے ان وارثوں سے محفوظ رکھنا۔۔ان کے ہاتھ کا پانی ہمارے لئے حرام کر دے اور اگر ان کی نگہ لطف سے زندگی بڑھتی ہو تو گھٹا دے۔ان سے عزت ملتی ہو تو ذلت اچھی۔مر جاؤں اور کوئی مسلمان جنازہ پڑھانے والا نہ ملے تو ان سے جنازہ پڑھوانا ایسا ہی ہے جیسا کسی مسلمان کی لاش کو چتا پر کھا جائے۔ان کو جنازہ پر شریک کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ لاش اٹھا کر بازار میں پھینک دی جائے،جسم کتے کھا جائیں۔اگر اسلام کی نمائندگی آپ کرتے ہیں اور آپ ہی کے کردار وگفتار کا نام اسلام ہے تو ہم نہایت ادب کے ساتھ یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتے ہیں۔یا شیخ العصر! اسلام کو دس ہزار سلام! آپ کے اسلام سے ہمارا کفر اچھا ہے۔'' جیسے القابات سے نواز رہے ہیں تو وہی لوگ اگر اپنے مخالف کے لئے اس سے ملتے جلتے یا اس سے زیادہ الزامات لگا دیں تو ان الزامات کی حیثیت کیا ہوگی؟ یقیناً کوڑی برابر بھی نہیں۔یقیناً شورش کاشمیری صاحب جیسے لوگ جو طنز تمسخر،اور پھکڑ بازی کو اپنا فخریہ شعار سمجھتے ہوں ان کا جماعت احمدیہ جیسے عالمگیر اسلامی جماعت پر۔حضرت چوہدری سر ظفر اللہ خان جیسے عرب دنیا کے وکیل پر حضرت قائد اعظم جیسے جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کے محسن پر اعتراضات کے جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے''محسوس یہی ہوتا ہے کہ اخلاص اور للّٰہیت جو دارلعلوم کی اصل روح تھی وہ بالکل نکل چکی ہے اور ایک خوبصورت ڈھانچہ ہے جو دیکھنے میں بڑا اچھا نظر آتا ہے مگر بے جان ہے۔کہنے کو اب بھی گوشے گوشے سے قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں سنائی دیتی ہیں۔لباس تقویٰ کا اظہار کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں مگر تقویٰ نہ لباس میں ہے نہ ظاہری صورت میں''

(حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب مصنفہ مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی ص 146و147)







عالم اسلام کے جلیل القدر سپوت حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب کی سوانح پر عنقریب شائع ہونے والی کتاب سپوتِ ایشیا کا ایک باب



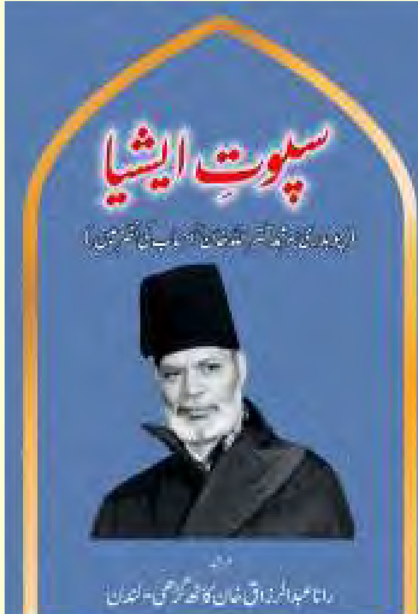
زکریا ورک۔ ٹورنٹو

مجھے یہ جان کر بہت خوشی محسوس ہوئی کہ لندن کے مایہ ناز ادیب، شاعر، مصنف اور قلم کار رانا عبدالرزاق صاحب، ایشیا اور خاص طور پر عالم سلام کے جلیل القدر سپوت حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب کی کامیاب و کامران اور واقعات سے بھرپور زندگی پر کتاب ترتیب دے رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے کتاب کا مسودہ بھجوایا کہ میں اس کی پروف ریڈنگ کردوں۔ چنانچہ پروف ریڈنگ کے دوران راقم نے ایک ایک لفظ، سطر اور مضمون بڑی باریکی کے ساتھ پڑھا۔ ہر مضمون کتاب میں وجد آفریں، ایمان افروز اور سبق آموز ہے۔

کتاب میں مختلف احباب، رشتہ داروں، دوستوں، سیاست دانوں، اخباروں کے مدیران کے (سرظفراللہ خاں کے بارے میں) آراء کو دیا گیا ہے۔ اور ہر کسی نے ان کی ذات والا صفات کے روشن پہلوؤں کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ حضرت ممدوح اتنی گوناگوں اعلیٰ صفات والے مگر عاجز انسان تھے کہ ان کی یاد میں جتنا لکھا جائے یا شائع کیا جائے وہ کم ہے۔

اگرچہ کتاب میں دیئے اکثر مضامین اس سے پہلے رسالہ خالد ربوہ میں شائع ہوچکے تھے مگر اب قریب 33 سال بعد ان کی دوبارہ اشاعت قندِ مکرّر کے طور پر ہے۔ میٹھی چیز کھانے کو دل بار بار کرتا ہے۔ اور یہ سوانح بھی میٹھی چیز سے کم نہیں اس کو بار بار پڑھنے کو دل کرتا ہے۔ روزانہ اخبار کی زندگی ایک روز ہوتی، ماہناموں کی زندگی تیس روز ہوتی جبکہ کتاب کی زندگی لازوال ہوتی ہے۔ اس لئے ان مضامین کو دوبارہ کتاب کی صورت میں شائع کر کے بجا طور پر اس تاریخ ساز شخصیت کو خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے۔

وہ لوگ جو سر محمد ظفراللہ خاں کی رُعب دار شخصیت کو نہیں جانتے ان کے علم میں اضافہ کیلئے ہم یہاں ہندوستان کے ممتاز انشاء پرداز حسن نظامی کا لکھا شخصی خاکہ پیش کرتے ہیں تا اندازہ ہو سکے کہ سرزمین پنجاب نے کیسے کیسے لعل و گوہر پیدا کئے ہیں جو بین الاقوامی سطح پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔



”دراز قد اور بھاری جسم، عمر چالیس سال سے زیادہ، گندمی رنگ، چوڑا چکلا چہرہ، فراخ چشم، فراخ علم، فراخ عقل، قوم مسلمان عقیدہ قادیانی۔۔۔ چپ رہتے ہیں۔ اور بولتے ہیں تو کانٹے میں تول کر، اور بہت احتیاط کے ساتھ پورا تول کر بولتے ہیں۔ سیاسی عقل ہندوستان میں ہر مسلمان سے زیادہ رکھتے ہیں۔ وزیراعظم، وزیر ہند، اور وائسرائے اور سب انگریز ان کی قابلیت کے مداح ہیں۔ ہندو لیڈر بھی بادل نخواستہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ شخص ہمارا حریف تو ہے مگر بڑا ہی دانش مند حریف اور بڑا ہی کاریگر حریف ہے۔۔۔ گول میز کانفرنس میں ہر ہندو، ہر مسلمان اور ہر انگریز نے چوہدری ظفراللہ خاں کی لیاقت کو مانا اور کہا کہ۔۔۔ مسلمانوں میں اگر کوئی ایسا آدمی ہے جو فضول اور بیکار بات زبان سے نہیں نکالتا اور جدید زمانے کی پالٹیکس کو سمجھتا ہے۔۔۔ تو وہ چوہدری ظفراللہ ہے۔ ظفراللہ خاں ہر انسانی عیب سے پاک اور بے لوث ہے۔“

چیف جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال کا کہنا ہے: "(چوہدری صاحب) کی طبیعت میں شگفتگی بھی تھی اور مذاق بھی بہت کرتے تھے۔ اور یہ پرانے لوگوں کی خاصیت تھی۔ اُصول کا پکا ہونا، منکسر اور عاجز ہونا اور اسکے با وصف کسی ایسی شخصیت کے ساتھ جس طرف عام طور پر ذہن نہ جائے جذبات کو وابستہ رکھنا ان

کی طبیعت کا خاصہ تھا۔ پھر ماں کے ذکر پر ان کی آنکھیں کیوں نہ ڈبڈبا جاتیں۔ وہ جابر و قاہر قسم کے بزرگ نہ تھے بلکہ بڑے حلیم الطبع اور شگفتہ مزاج تھے۔''

پاکستان کے مشہور و معروف مؤرخ اور متعدد کتابوں کے مصنف پروفیسر خورشید کمال عزیز نے اس مقتدر اور رفیع الشان انسان سر ظفر اللہ خاں کی جاذب اور مقناطیسی شخصیت کو اتنے عمدہ اور من موہنے الفاظ میں موتیوں کی طرح پرو یا ہے کہ انسان رَطب اللسان ہوجاتا اور عش عش کر اُٹھتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''سر ظفر اللہ کو مبدءِ فیض سے وہ ذہانت ودیعت ہوئی تھی جو مکر و ریا کی بناوٹوں، قانونی چالبازیوں، سیاسی دو غلے پن، اور سفارتی حیلہ جوئیوں کے سامنے اساری ہوئی دیواروں کو چیر کر حقیقت تک پہنچ جاتی تھی۔ ان کا ذہن شیشہ کی طرح صاف تھا اور ان کی سوچ کی صداقت اس میں منعکس ہوتی تھی۔ ان کی بے پناہ محنت کے آگے پیچیدہ مسائل یا وقت کی کمی کے ٴزر محض ہیچ تھے۔ عدالت ہو یا دستور ساز اسمبلی، یا کوئی اور عالمی ادارہ اپنے مؤقف کے حق میں اپنے دلائل کو قدم بہ قدم بڑھاتے، ایک کے بعد دوسری دلیل پیش کرتے، اور اپنے مؤقف کو مضبوط تر کرتے چلے جاتے تھے۔ وہ ایک چابک دست معمار کی طرح دلائل کی اینٹ پر اینٹ جماتے ہوئے ایک خوب صورت اور کلاسیکی عمارت کھڑی کر دیتے تھے۔ وہ اپنے دلائل و استدلال کی عمارت یوں اُستوار کرتے کہ کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی تھی۔ زبان و بیان کی روانی ان کے استدلال میں قوت پیدا کر دیتی تھی۔۔۔ ان کے منہ سے پھول جھڑتے اور ان کے اشارات ہمیشہ بامعنی ہوتے تھے۔۔۔ ان کی تربیت مختلف ماحول میں ہوئی تھی۔ وہ حقائق کی منطق کو بحث واختلاف کی منطق کے ساتھ آمیز کرنا جانتے تھے۔ مسائل کو گفت وشنید کے ذریعہ حل کرنے پر یقین رکھتے تھے۔ وہ زندگی بھر شہرت اور اور آسودگی کی چکا چوند میں رہے مگر ان کی چال میں نرمی، تواضع اور انکساری نمایاں رہی۔ کامیابیوں کا مرانیوں کی خوشبو انہیں کم دماغ نہ بنا سکی۔ دنیاوی مراتب کی شان وشوکت اور آن بان سے ان کے ذاتی وقار پر کوئی حرف نہ آیا۔ نہ ان کی وضع میں کوئی خلل آیا اور نہ ہی ان کی انسانیت مسموم ہوئی۔ ظفر اللہ نے ساری عمر محنت اور یکسوئی اور فرض شناسی کے ساتھ اپنے ملک کی خدمت اور ملک بنانے والی تحریک کی خدمت کی۔ ہم پاکستانی مسلمانوں نے انہیں اپنے مذہب سے تو نکال باہر کیا مگر ہمیں انہیں اپنے ذہنوں سے محو نہیں کر دینا چاہئے کیونکہ جو قومیں اپنے عظیم آدمیوں کو فراموش کر دیتی ہیں ان میں رفتہ رفتہ عظیم آدمی پیدا ہونے ہی بند ہوجاتے ہیں۔''

اب دیکھیں حضرت چوہدری صاحب اپنے بارے میں کیا فرماتے ہیں:

''دین کی غیرت اور خدا کا خوف خاکسار نے ماں کے دودھ کے ساتھ پیا۔ ہر چند خاکسار نہایت عاجز اور تقصیر وار ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت اور اور اس کے رسول مقبول ﷺ کے عشق کی چنگاری سے خاکسار کا دل ہمیشہ روشن اور گرم رہا ہے۔''

راقم عاصم کو چوہدری صاحب نے لاہور سے اپنے خط مؤرخہ میں 29 نومبر 1969ء میں لکھا: آپ کا گرامی نامہ میرے لئے خوشی کا باعث ہے اور پریشانی کا بھی۔ میں ایک نہایت عاجز پر معاصی پر تقصیر انسان ہوں۔ آپ کا حسن ظن میرے لئے طبعاً خوش کن ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ پریشانی اس وجہ سے ہے کہ جب آپ مجھے اپنے تصور کے مطابق نہیں پائیں گے تو یہ امر آپ کیلئے باعث صدمہ ہوگا۔ التجا ہے کہ آپ دردمندانہ دعا فرماتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل واحسان اور کمال ذرّہ نوازی سے اس عاجز کی خطاؤں سے درگذر فرمائے۔''

کتاب میں زیادہ تر آپ کی روحانی اور دینی زندگی کے کئی روشن پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً آپ کا توکل علی اللہ، رسول مقبول ﷺ سے والہانہ عشق، سیرت رسول اللہ ﷺ کا عملی اظہار، تمام ارکان اسلام پر مکمل یقین، قرآن مجید سے مجنونانہ عشق، قرآن مجید کی حسین اور پاک تعلیم کی عملی تصویر، نمازوں میں آپ کا گہرا شغف، دعا کی قبولیت پر آپ کا مکمل اور راسخ یقین، بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی ذات سے آپ کا عشق، خلفائے احمدیت کی احکامات کی پیروی اور ان سے بے انتہا لگاؤ۔

آپ کی ذات میں اتنے کمالات تھے کہ بعض ایک تو صحیح رنگ میں بیان نہیں کیا گیا جیسے آپ ہندوستان کے چوٹی کے قانون دان، جج اور پھر عالمی عدالت انصاف کے جج تھے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ بہ حیثیت وکیل آپ نے جن مقدمات کی پیروی ان میں سے ایک دو کا ذکر ہوتا، بہ حیثیت جج فیڈرل کورٹ آف انڈیا آپ نے جو فیصلے کئے ان میں سے کسی کا ذکر ہوتا، بہ حیثیت جج عالمی عدالت انصاف جن ممالک کے درمیان قضیوں کا آپ نے فیصلے کیا اس کا

ذکر ہوتا۔ آپ کی سیاسی فراست کا کہیں تفصیل سے ذکر ہوتا تو انسان پر واضح ہو جاتا کہ آپ کو قائداعظم محمد علی جناح نے بجا طور پر اپنا سیاسی فرزند کہا تھا۔ آپ ایک عالمی مدبر، منجھے ہوئے سیاست دان اور عالمی بساط پر ہونے والی سیاست کے داؤ پیچ سے بخوبی واقف تھے۔ کچھ اس کا بھی ذکر ہونا چاہئے تھا۔

اس غیر معمولی دلچسپ کتاب میں آپ کی زندگی کے کئی ایمان افروز اور سبق آموز واقعات درج ہیں۔ ان میں سے چند ایک نمونہ کے طور پر یہاں دئے جاتے ہیں:

(1) چیف جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال (ابن علامہ سر محمد اقبال) اقوام متحدہ کے ضمن میں ایک یادگار واقعہ بیان کیا ہے: ایک دفعہ اقوام متحدہ کا اجلاس اتنا طویل ہو گیا کہ رات کے ساڑھے گیارہ بج گئے۔ اور چوہدری صاحب جیسے عادت تھی جب رات زیادہ ہو جاتی تو چلے جایا کرتے تھے گھر جا کر نمازیں ادا کر سکیں اور صبح جلدی اُٹھنا ہوتا تھا۔ وہ مجھے اپنی جگہ بٹھا گئے۔ میں نے سوچا تقریریں ہو رہی ہیں آرام سے سنتے رہیں گے اور اگلے روز چوہدری صاحب کو تفصیل بتا دوں گا۔ تھوڑی دیر بعد روسی مندوب نے ایک مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ ہم پاکستان کو تنبیہ کرتے ہیں کہ وہ نتائج کا ذمہ دار ہو گا۔ میں نے صاحب صدر سے جواب دینے کیلئے اجازت چاہی اور یہ میرا پہلا موقعہ تھا کہ میں اس طرح جواب دے رہا تھا۔ روسی مندوب بڑا تجربہ کار تھا اور مجھے خوف تھا کہ سوویت یونین سپر پاور ہے کہیں جواب دیتے ہوئے زیادہ سخت الفاظ نہ استعمال کر جاؤں۔ چنانچہ میں نے اس کو جواب دیا۔ روسی مندوب پھر تقریر کی اور پھر میں نے اس کا جواب دیا۔ تین چار دفعہ ایسا ہوا تو صدر اجلاس نے مکالمہ بند کروا دیا۔ رات مجھے پریشانی میں نیند نہ آئی کہ شاید چوہدری صاحب اس کا جواب زیادہ اچھے طریقے سے دیتے۔ اگلے دن چوہدری صاحب سے ملاقات ہوئی پیشتر اس کے کہ میں اپنے تذبذب کا اظہار کرتا (وہ صورت شناس بہت تھے) فوراً بھانپ گئے اور کہنے لگے کہ رات کو ٹیلی ویژن پر یو این او کی کاروائی کی تفصیل کے دوران تمہاری تقریر سنی اور مجھے بے حد پسند آئی۔ میرے لئے ان کا اتنا کہہ دینا ہی کافی تھا اور تسلی ہو گئی۔

(2) سابق چیف جسٹس آف پاکستان انوار الحق، عزت مآب چوہدری صاحب کے اخلاق و کردار کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''جب ہم ان سے بات چیت کرتے تو وہ ہمیشہ وزنی دلائل کے ساتھ اپنے نقطہ نظر کی تشریح کرتے، تحکمانہ انداز نہیں ہوتا تھا کہ جو میں نے کہہ دیا وہی درست ہے اس پر عمل کرو۔ ان کا یہ طریق بھی نہ تھا کہ نوجوانوں کو کم عقل سمجھ کر ان سے تفصیل سے بات چیت نہ کی جائے۔ ایک اور چیز جو میں نے دیکھی وہ یہ تھی کہ ان کی یادداشت زبردست تھی۔ حقائق، اعداد و شمار، واقعات، دن، تاریخ اور لوگوں کے نام جن کے ساتھ ان کو واسطہ پڑا تھا یہ سب چیزیں ان کو یاد رہتی تھیں۔ اور لندن میں تو ان کے ساتھ اکثر یہ مذاق رہتا کہ میں انہیں اپنے بیٹے کے گھر سے فون کیا کرتا اور ان سے کہتا میرا فون نمبر نوٹ کر لیں۔ تو فرماتے تمہارا نمبر وہی ہے جو کہ پچھلے سال تھا، اور پھر وہ نمبر بھی بتا دیتے۔ جبکہ مجھے وہ نمبر نوٹ بک سے دیکھنا پڑتا تھا۔''

(3) حافظ قدرت اللہ صاحب (سابق مشنری انچارج ہالینڈ) کا کہنا ہے:

''ایک دفعہ جب سعودی عرب کے پرنس فیصل جو ریاض کے میئر تھے ہماری جماعت کی دعوت پر ہماری مسجد میں تشریف لائے تو اس موقعہ پر حضرت چوہدری صاحب بھی موجود تھے۔ بلکہ لارڈ میئر چوہدری صاحب کی موجودگی اور آپ سے ملاقات پر بہت ہی خوش تھے۔ خاکسار نے ان کی خدمت میں عربی میں ایڈریس پیش کیا اور تحفہ میں کچھ کتابیں بھی پیش کیں۔ اسی طرح ملائشیا کے وزیر اعظم تنکو عبدالرحمن جب تشریف لائے اور پھر ایک اور موقعہ پر نائیجیریا کے وزیر اعظم تشریف لائے تو ان مواقع پر بھی چوہدری صاحب کی موجودگی معزز مہمانوں اور ہمارے لئے بہت ہی مسرت اور شادمانی کا باعث ہوئی تھی۔ ۔۔اسی طرح ایک اور موقعہ بھی ہم سب کے لئے لطف کا باعث بنا تھا یعنی 1960 جب پاکستان کی چمپئین ہاکی ٹیم اولمپک گولڈ میڈل جیتنے کے بعد ہالینڈ سے گزری تو جماعت احمدیہ نے ان کے اعزاز میں پارٹی دی اور ایڈریس پیش کیا تھا۔''

(4) انیس الرحمن بنگالی کہتے ہیں:

ہم نے اپریل 1979 میں انگلستان کا اجتماع بریڈ فورڈ میں منعقد کروایا جس میں شرکت کیلئے چوہدری صاحب کو دعوت دی۔ اپریل میں ہر سال ایسٹر کی تقریب کی مناسبت سے ملکہ برطانیہ ارکان پارلیمنٹ، اور ملک کے معززین کو خاص ڈنر پر بلاتی ہیں اور چوہدری صاحب کو بھی اس شاہی دعوت میں شرکت کیلئے دعوت موصول ہوئی تھی۔ جب میں نے اجتماع میں شرکت کیلئے ان کو دعوت دی تو فرمایا اگلے روز فون پر اطلاع دوں گا۔ چنانچہ 12، اپریل

کوفون پر اطلاع دی کہ چونکہ تمہارا دینی پروگرام ہے اس لئے میں ملکہ معظّمہ کی دعوت کو چھوڑتا ہوں اور اجتماع میں شریک ہوں گا۔ چنانچہ اگلے روز مکرم انور احمد کاہلوں، مکرم چوہدری صاحب کے ہمراہ لندن سے قریب تین سو میل کا سفر کر کے اجتماع میں شریک ہوئے۔

(5) پنجاب میں 1953 کے اینٹی احمدیہ فسادات کی تحقیقات کے دوران ایک وکیل اپنے ساتھیوں کے سامنے بڑ مارا کرتے تھے کہ ظفر اللہ خاں کو عدالت میں بیان دینے کے لئے آنے دو، میں ایک ہی سوال میں اس کو ایسا پھانسوں گا کہ وہ راہ فرار تلاش نہیں کر سکے گا۔ جب چوہدری صاحب عدالت میں حاضر ہوئے تو وکیل نے کہا میں آپ سے ایک سیدھا سوال کرتا ہوں: آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں؟ جواب ملا جو آپ مجھے سمجھتے ہیں۔ اس مسکت اور دندان شکن جواب کے بعد اس چالباز وکیل نے کوئی اور سوال نہ کیا۔

(6) پاکستان بننے سے قبل شام کی چائے پر چند دوست آیا کرتے تھے جن میں عموماً میجر جنرل نذیر احمد، چوہدری بشیر احمد، شیخ اعجاز احمد ہوتے تھے۔ ان کے ساتھ یہ بات طے ہوتی تھی کہ جو بھی فقرہ بولا جائے پورا فقرہ اسی زبان میں ادا کیا جائے۔ پنجابی کے فقرے میں تمام الفاظ پنجابی ہوں، انگریزی کے فقرے میں تمام انگریزی ہوں۔ جو کوئی کسی دوسری زبان کا لفظ بولے گا اس کو دو روپیہ جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔ باباجی کو کبھی بھی جرمانہ ادا نہیں کرنا پڑا تھا۔

(7) ایک دفعہ پاکستان کے مشہور مؤرخ آپ کو (چوہدری صاحب) کو ملنے آئے جو آپ کے مداح اور عقیدت مند تھے۔ باتوں باتوں میں وہ ایسی بات کہہ گئے جس سے سرور کائنات ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کا پہلو نکلتا تھا۔ آپ فوراً غصہ میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور ان سے کہا آپ فوراً یہاں سے نکل جائیں۔ میں کسی ایسے شخص سے ملنے پر تیار نہیں جو رسول مقبول ﷺ کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہو۔ یہ کہہ کر آپ کمرے سے نکل گئے۔ ایک لمبے عرصے تک اس کو معافی مانگنے پر ملنے پر تیار نہیں ہوئے۔ آخر کار اس کے بار بار معافی مانگنے پر آپ نے اس کو معاف کر دیا۔

(8) حضرت مصلح موعودؓ کی وفات پر ایک خط میں لکھا:

میری کیا حیثیت اور میرے قلم میں کیا طاقت ہے کہ اس بہار حسن و احسان کے اوصاف شمار کرنے کی جسارت کروں ۔ وہ روحانی آسمان کا درخشندہ ستارہ، میں زمین کے چہرے پر ایک سیاہ داغ۔ وہ پاکیزگی، تقویٰ اور طہارت کا ستون میں گرفتار ہوا و ہوس اور عصیان کا مرکب، وہ ظاہری و باطنی علوم کا بحر ذخار، میں نادانی اور جہالت کی ظلمات میں اسیر۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک

(9) امام مسجد لندن بشیر احمد رفیق لکھتے ہیں:

آپ ناشتہ سے لے کر شام کے کھانے تک پورا لباس زیب تن کئے بغیر کھانے کی میز پر تشریف نہیں لاتے تھے۔ میں نے ایک دو مرتبہ عرض کیا کہ آپ ریٹائرمنٹ میں بھی کیوں اس طرح لباس کا تکلف کرتے ہیں؟ فرمایا میں نے زندگی کا ایک اصول مقرر رکھا ہے کہ صبح اُٹھ کر پورا لباس پہن کر ہی کام شروع کرنا ہے۔ خواہ کہیں باہر جانا ہو یا نہ ہو۔ اس چیز سے طبیعت میں رغبت پیدا ہوتی، چستی آجاتی اور کام کرنے کیلئے جس موڈ کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھی میسر آجاتا ہے۔

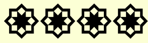
(10) برطانیہ کے مشہور مستشرق کینیتھ کراگ کی کتاب Kenneth Cragg۔Call of the Minaret نے دنیا بھر سے خراج تحسین حاصل کیا۔ ایک دن میں چوہدری صاحب کی خدمت میں حاضر ہؤا تو ان کے ہاتھ میں یہ کتاب تھی۔ آنکھیں پرنم میرے دریافت کرنے پر فرمایا اس شخص نے باوجود عیسائی ہونے کے اس کتاب میں قرآن کریم کو جو خراج عقیدت پیش کیا ہے اور رسول کریم ﷺ کا ذکر جس پیارے انداز میں کیا ہے اسے پڑھ کر میں اپنی طبیعت پر قابو نہ رکھ سکا۔ فرمایا مسٹر کراگ سے میری ملاقات کا انتظام تو کروادو۔ چنانچہ وہ کھانے پر آئے تو چوہدری صاحب نے ان سے پوچھا باوجود عیسائی ہونے کے آپ نے آنحضور ﷺ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ جواب میں انہوں نے کہا کہ محمد ﷺ نے دنیا کی اصلاح کیلئے عظیم کام کیا ہے اگرچہ مجھے عقیدۃً ان کی بعض تعلیمات سے اختلاف ہے لیکن میں آپ کی بڑائی کا دل سے قائل ہوں۔

(11) برطانیہ کے بادشاہ جارج ہشتم کی والدہ سے لندن میں اپنی ملاقات کے بارے میں چوہدری صاحب نے لکھا: لندن پہنچنے کے دوسرے روز کوئین میری نے مجھے بطور شاہی مہمان کے دعوت دی کہ میں ان کے مہمان کے طور پر قصر ہملٹن جو گلاسٹر شائر میں ہے حاضر ہوجاؤں۔ کسی ہندوستانی کیلئے یہ بہت بڑا

اعزاز تھا۔ میں قصر ہملٹن میں حاضر ہو گیا۔ محل میں پہنچنے پر لارڈ کلاڈ ہملٹن نے ملکہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے آداب پر لیکچر دیا اور کہا گھڑی کو دیکھنا سخت بے ادبی میں شامل ہے۔ کمرے میں بیٹھا ہی تھا تو ملکہ تشریف لائیں، گفتگو شروع ہوئی اور ملاقات خلاف معمول لمبی ہوگئی۔ دوران ملاقات خیال آیا عصر کی نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے اس لئے ملکہ سے نظر بچا کر گھڑی کو دیکھ لیا۔ ملکہ نے ایسے کرتے مجھے دیکھ لیا اور پوچھا تمہیں کسی اور سے ملنا ہے۔ میں نے مؤدبانہ عرض کیا ملکہ سے بڑی اور کون سی ملاقات ہو سکتی ہے لیکن یہ گستاخی اس لئے کی ہے کہ مجھے مالک کائنات کے دربار میں بھی حاضری دینی ہے جس کا وقت نکلا جا رہا ہے۔ ملکہ نے فرمایا بے شک اپنے خالق کی عبادت ہم سب پر فرض ہے۔ ملکہ فوراً اُٹھ کھڑی ہوئیں اور اپنے سکرٹری کو ہدایت کی کہ ظفر اللہ خاں سے اس کی نمازوں کے اوقات معلوم کر کے مجھے مطلع کرو۔ ملکہ سے رُخصت ہو کر اپنے کمرے میں آیا اور نماز عصر ادا کی۔ اس کے بعد جب بھی کبھی ملکہ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو بار بار پوچھتیں نماز کا وقت تو نہیں ہو گیا۔

(12) قیام پاکستان کے وقت جب چوہدری صاحب نے نواب آف بھوپال سر حمید اللہ خاں کی پیشکش کو قبول فرمایا کہ آپ ان کے مشیر کے طور پر کام کریں تو نواب صاحب نے بطور معاوضہ کے آپ کو اطلاع دی کہ تنخواہ چالیس ہزار روپے ہوگی جس پر کوئی ٹیکس نہیں ہوگا۔ رہائش کیلئے محل کا ایک خاص حصہ مخصوص کر دیا ہے اور آپ کیلئے کھانا شاہی مطبخ میں تیار ہوگا۔ اس کے ساتھ چھ گاڑیاں ہوں گی۔ کچھ دنوں بعد جب میں کراچی میں تھا قائداعظم نے فرمایا تم بھوپال سے اپنا تعلق ختم کر کے جلد یہاں آجاؤ۔ چنانچہ انہوں نے مجھے وزیر خارجہ مقرر کر دیا۔ بھوپال میں میری تنخواہ چالیس ہزار تھی یہاں کراچی میں چار ہزار جس پر ٹیکس دینا تھا۔ نواب صاحب کے محل میں میری رہائش یہاں ایک ہوٹل کے دو کمروں میں ایک لمبے عرصہ تک قیام رہا۔ وہاں چھ کاریں یہاں ایک کار میری تحویل میں تھی۔ باوجود ان نامساعد حالات کے میں نے پاکستان کی خدمت کا عزم کیا۔

یہ چند ایک ایمان افروز واقعات یہاں پیش کئے گئے ہیں تا کہ قاری کو اندازہ ہو سکے کہ یہ کتنی شیریں، اور حلاوت سے بھرپور کتاب ہے۔ یہ کتاب محسن پاکستان، سپوت ایشیا، جج، عالمی قانون دان، مدبر، مصنف، ترجمہ نگار کی زندگی پر ہے۔ اس عظیم مگر نہایت سادہ اور مطمئن انسان کو خراج تحسین ہے جو اپنے اصولوں کا پکا تھا۔ جس نے دین کو ہمیشہ دنیا پر مقدم رکھا کوئی لالچ کوئی عہدہ اسکے پائے ثبات میں لغزش نہ لا سکا۔ دنیا کے چمن میں ایسے دیدہ ور بڑی مشکل سے پیدا ہوتے ہیں جن کی یاد ہمیشہ تر و تازہ رہتی ہے۔ ظفر اللہ خاں ایک شخص نہیں بلکہ ایک کثیر الجہات بندہ نواز کا نام تھا۔ اس نور مینارے سے یہ دنیا بڑی دیر تک روشن رہے گی۔

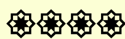


نظم



راجہ محمد سلیمان جرمنی

آپ کی سیرت کی وہ شان ہے
کہ جس کی شہادت میں قرآن ہے
خود پاک سب کو کیا پارسا
عجب دنیا والوں پہ احسان ہے
دیکھا تو دنیاء عالم میں بس
محمدؐ کا اُسوہ ہی پردھان ہے
عظمت میں شوکت میں ہے بے مثل
وہ دونوں جہاں کی سدا جان ہے
حُسنِ سیرت پہ کرنی ہو بات
محمدؐ کا ہر کام قرآن ہے
عجب شان کا اِک پیغمبر ہے وہ
جو تقویٰ کا روشن شمع دان ہے
حدیث و قرآں سے ثابت ہے اب
مسیح الزمان کا ہی دوران ہے
محمدؐ کا عاشق خدا کا فقیر
مسیحا کا خادم سُلیمان ہے





تلاوت قرآن کے دوران ہوٹنگ، رقص اور کتے کی آواز نکالنا

تحریر: علی سانگلوی

وطن عزیز میں اک ہنگامہ ہے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہا کہ وزیر اعظم صاحب نے اپنی تقریر میں مال غنیمت کی جگہہ "لوٹ مار" کا لفظ استعمال کر دیا ہے۔ سپریم کورٹ کے ایک وکیل جناب محمد طارق اسد صاحب تو تھانہ آئی نائن اسلام آباد کا چکر بھی لگا آئے ہیں اور ایک عدد درخواست بھی جمع کروا آئے ہیں کہ مکرم وزیر اعظم صاحب پر "کروڑوں مسلمانوں کے جذبات مجروح" کرنے پر دہشت گردی کی ایف آئی آر کاٹی جائے۔علمائے کرام بھی اپنے یوٹیوب کے مواعظ حسنہ میں، جمعہ کے خطبات میں، اپنے لیکچروں میں، تقاریر میں، رسالوں میں اسلامی اصطلاح کے غلط استعمال پر دھڑا دھڑا اپنا احتجاج نوٹ کروا کر اسلامی اصطلاحات کے تقدس پر آنے والی آنچ کو دھونے میں مصروف ہو گئے ہیں۔ بنوری ٹاؤن کا ترجمان دیوبندی رسالہ بینات اپنی جولائی 2019ء کی اشاعت کے ادارئے میں فرماتا ہے" ایسا کرتے ہوئے وزیر اعظم کا لب ولہجہ، طرز تکلم، اور الفاظ کا چناؤ سب کچھ غیر مناسب، غیر مہذب، غیر ذمہ دارانہ اور گستاخانہ تھا"

(بینات جولائی 2019 اداریہ ص8)

پھر آہ وفغاں کے دو صفحات کے بعد حسب معمول تان اس بات پر توڑتے ہیں کہ "تحریک انصاف کو ملحدین۔ بے دین اور قادیانیوں اور قادیانی نواز لوگوں نے اپنے شکنجے میں لیا ہوا ہے جو اُلٹی سیدھی باتیں اُن کے ذہنوں میں اُنڈ یلتے رہتے ہیں" (ص10) پھر مزید تڑکے کے طور پر یہودیت اور قادیانی گٹھ جوڑ اور عاطف میاں کی تقرری وغیرہ کا لہسن ڈال کر اپنی اسلامی ذمہ داری سے عہدہ برا ہو جاتے ہیں

بہت اچھی بات ہے۔ جزاکم اللہ۔ ویل ڈن۔ لیکن وہ کیا کہتے تھے انشاء جی ہم بھی وہیں موجود تھے۔ ہم نے بھی سب سنا۔ ہم نے بھی سب دیکھا مگر ہم پردہ نہیں رکھ سکے اور نہ رکھ سکتے ہیں۔ اس لئے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں اور وہ بھی صرف اتنا کہ یہ جو واہگہ کے قریب ایک بارڈر ہے سنا ہے اُس کے اُس پار بھی مسلمان دنیا آباد ہے۔ وہاں بھی علماء ہیں۔ وہاں بھی دارالعلوم دیوبند ہے۔ تو کیا بارڈر کے اُس پار بھی "اسلامی اصطلاحات" اتنی ہی مقدس ہیں؟ یا وہاں کا اسلام۔ فقہ۔ حدیث۔ مسلک۔ اصطلاحات۔ ادب آداب۔ کافر۔ اقلیت۔ مشرک۔ پلید۔ جذبات مجروح۔ رہنا ہے تو کافر بن کر رہو۔ وغیرہ سب اسی طرح ہیں یا وہاں کے لئے کوئی اور اسلامی تشریح ہے۔

گستاخی معاف۔ میں غلط ہو سکتا ہوں۔ غلط سوچ سکتا ہوں۔ اسی لئے سوال کا کارن واضح کرنے کے لئے کچھ مثالیں سامنے رکھتا ہوں۔ دیوبندی احباب کا جلسہ ہے۔ دیوبندی مقررین ہیں۔ دیوبندی پبلک سننے کے لئے آئی ہوئی ہے۔ دارالعلوم دیوبند کا ہی احاطہ ہے۔ دیوبندی طلباء نے ہی سٹیج سجایا ہوا ہے مگر پھر کیا ہوتا ہے اور کیا کیا جاتا ہے؟ واقعہ سن کر ہم گنہگاروں کے علم میں ضرور اضافہ کیجئے کہ اس پر کون سی دفعہ لگنا چاہئے تھی اور کون سا فتویٰ؟ کتنا ماتم ہونا چاہئے تھا اور کتنا ہوا؟ ضرور بتائے گا۔

گزشتہ دسمبر 2018 میں دیوبندی عالم دین جناب ابوعکاشہ رحمٰن صاحب کی طرف سے انڈیا میں" تاریخ کے قاتل" کے نام سے دیوبند کی سوسالہ تاریخ شائع کی گئی ہے جس میں ص 338 سے لے کر 379 تک دیوبند کی سرزمین پر ہونے والے ایک جلسہ کا حال درج ہے جس میں صاف دیکھا جا سکتا ہے کہ جب علمائے دین خود ایک دوسرے سے لڑتے ہیں تو اسلامی اصطلاحات حتیٰ کہ قرآن کا احترام کیسے کرتے ہیں۔ درج ہے" دارالعلوم دیوبند کے احاطہ میں مجلس مشاورت کا جلسہ تھا۔ دہلی سے دیوبند کے سابق مہتمم مولانا مفتی عتیق الرحمٰن اور پنڈت سندر لال، مدراس سے این ایم انور۔ بہار سے مظہر امام اور سید مجتبیٰ۔ لکھنو سے ڈاکٹر عبد الجلیل فریدی اور مولانا منظور نعمانی مدعو تھے۔ جلسہ تلاوت سے شروع ہوا۔ عین قرات کے دوران ہوٹنگ شروع ہوگئی۔ راقم الحروف نے میکروفون پہ گزارش کی کہ حاضرین شائستگی اور تمیز اختیار فرمائیں۔ منصوبہ سازوں کو اس سے کیا سروکار۔ انھوں نے فقرے بازی کی لے تیز کر دی۔ جب طلبہ (دیوبند) کا رقص کسی طرح سے ختم ہی ہونے میں نہ آیا تو ہم لوگوں نے ہندوستان کے مشہور قاری

جناب محمد ضیاء صاحب کو قرات کے لئے کھڑا کر دیا تا کہ شائد طلباء قرآن ہی کا احترام کریں مگر واہ رے سیاست کا نشہ۔قاری صاحب مسلسل 10 منٹ قرات کرتے رہے مگر کیا مجال کہ طلباء کے رویہ میں فرق آیا ہو۔وہ جنگلی بندروں کی طرح مسلسل اچھل کود کر رہے تھے۔۔۔قرات کے دوران کہیں سے کتے کے بھونکنے کی آواز آئی۔تو بعض طلباء نے کنایاتی انداز میں اس کا جوڑ قاری صاحب کی تلاوت سے ملا کر قہقہہ اڑایا تھا۔

مولانا حسین مدنی،مولانا قاسم نانوتوی،مولوی انور کشمیری اور عثمانی خاندان کی آل اولاد میں دارلعلوم دیوبند پر قبضہ کی جنگ جاری تھی جو بالاخر مدنی خاندان نے جیت لی۔اس جنگ کے دوران کا یہ ایک چھوٹا سا منظر ہے جس میں تلاوت کے دوران ہوٹنگ۔رقص۔جنگلی بندروں کی طرح اچھل کود اور کتے کی آواز علمائے کرام نکالتے رہے۔اب پوچھنا صرف یہ ہے کہ طلبائے دارلعلوم دیوبند کی طرف سے یہ حرکات بھی کیا بقول بینات" شعائر اسلام کی توہین وتنقیص ہیں" کیا؟ اور" ان کا لب ولہجہ،طرز تکلم،الفاظ کا چناؤ سب کچھ غیر مناسب،غیر مہذب،غیر ذمہ دارانہ اور گستاخانہ" ہے کیا؟"(بینات جولائی 2019ص 8) یا پھر یہ کہ دیوبند کے ان طلباء کو بھی" ملحدین،بے دین اور قادیانیوں اور قادیانی نواز لوگوں نے اپنے شکنجے میں لیا ہوا ہے جو جو اُلٹی سیدھی باتیں اُن کے ذہنوں میں اُنڈیلتے رہتے ہیں" (ص 10) یا پھر یہ کہ بقول دیوبند کے مشہور شاعر جناب صادق صابری صاحب

یہ غلط الزام ہے وعدہ وفا کرتے نہیں
مولوی صاحب کبھی اپنا کہا کرتے نہیں
مرغ وماہی ہو تو پھر ان کی بصیرت دیکھئے
یہ نمازیں چھوڑ دیں دعوت قضا کرتے نہیں

(تاریخ کے قاتل ص 449)

پھر ابو عکاشہ رحمٰن صاحب نے ص 303 پر مولانا حسین احمد مدنی کے صاحبزادے اور مشہور دیوبندی عالم دین کی ایک ہندو پنڈت تربھون ناتھ زار زشتی کی وفات پر ان کے صاحبزادے سے تعزیت کی تھی۔تعزیت کے الفاظ درج ذیل ہیں" حضرت علامہ پنڈت زار دہلوی ایک صدی کی روایات کے حامل اور بزرگان عہد کے اسوہ حسنہ کے مظہر تھے۔اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔میں بھی دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انھیں غریق رحمت کرے۔

(ندائے اتحاد علامہ زار نومبر یکم نومبر 1965)

اب پوچھنا صرف یہ ہے کہ" مغفرت اور غریق رحمت کی دعا" صرف مشرکین کے لئے ہے یا کوئی" قادیانی" اور" قادیانی نواز" بھی اس سے مستفید ہو سکتا ہے؟

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذرؓ و دلق اویسؒ و چادر زہراؓ

ایک مشرک ہندو گاندھی جی کے لئے" قرآن خوانی" اور یہ فرمانا کہ" اگر ختم نبوت نہ ہو گئی ہوتی تو آپ نبی ہوتے"۔مشرکین کو مسجد میں لا کر منبر پر بٹھانا اور پھر ان کے سامنے بیٹھ کر ان سے واعظ سننا۔اسلام کی یہ برکات صرف ہندوستان تک ہی محدود ہیں یا پاکستان میں بھی کوئی اس کی برانچ نکل سکتی ہے؟ اور آخری گستاخی یہ کہ ایک اعلانیہ" بت پرست مشرک" اور" سرکاری منافق" یا سرکاری کافر" میں سے کسی ایک کو گالی دینی ہو تو کس کا انتخاب کیا جائے؟ جواب کا انتظار رہے گا شاعر نے کہا تھا کہ

ہمیں ہی نہ کانٹوں کا یہ ہار ڈالیں　　ذرا خود کو بھی خوئے ایثار ڈالیں



غزل

آدم چغتائی

دنیائے درد کی یہ روایت عجیب ہے
احساس راہنما ہے محبت نصیب ہے
اس حسن بے مثال سے ہیں کیسی نسبتیں
اس نسبتوں سے ہر کوئی میرا رقیب ہے
یہ فاصلوں کی بات نہیں نسبتوں کی ہے
جتنا کوئی ہے دور اتنا قریب ہے
مژدہ دیا ہے جس کے لبوں نے حیات کا
وہ شخص ہی بہارِ چمن کا نقیب ہے
ہم نے وفورِ شوق میں کی ان سے دوستی
راہِ وفا میں عشق ہی اپنا حبیب ہے
ملتا ہے غم کسی کو، کسی کی مسرتیں
ہر شخص کا جدا جدا اپنا نصیب ہے
آدم سفر کا کرب اُٹھا کر نہ غم کرو
کیا سوچنا کہ دن ہے کٹھن، شب مہیب ہے

حامد میر صاحب کے مضمون ۔کلین شیو مولوی ۔ پر تبصرہ

محمد کولمبس خاں



مضمون زیر تبصرہ محترم میر صاحب نے اپنی ہی تقریر پر کیئے گئے تبصروں پر وضاحتی تبصرے کی صورت میں لکھا تھا۔ابتداء میں ہی عرض کرنا مناسب ہے کہ راقم کا تعلق جماعت احمدیہ سے ہے اور محبت کرنے والے ننھیال کا تعلق احرارِ اسلام سے ۔دونوں طرف کے موقف سے بخوبی آگاہ ہے پاکستانی قومی ترانہ کبھی بیٹھ کر نہیں سنا۔اور ہر دن پاکستان کی بہبود کی فکر میں رہتا ہے۔یہ حب الوطنی نہ کسی پر احسان ہے اور نہ کسی کے سرٹیفکیٹ پر اس کا انحصار ہے۔

حامد میر صاحب اپنے مضمون میں لکھتے ہیں

خاکسار نے عرض کیا تھا کہ 1973ء کا آئین ختم نبوت کے منکرین کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے یہ بات واضح ہے کہ ختم نبوت کے منکرین سے انکی مراد احمدی ہی ہیں اور انہی کی طرف روئے سخن ہے۔

یہ ایک نظریاتی تنازعہ ہے جس میں اختلاف کوئی مجرمانہ فعل نہیں۔۔انکی اور اسی طرح باقی سچائی پسندوں کی خدمت میں عرض ہے کہ احمدی ختم نبوت کے ہرگز ہرگز منکر نہیں ہیں۔یہ سراسر بہتان ہے۔احمدی ختم نبوت کی اس تشریح پر یقین رکھتے ہیں جس پر ابنِ عربی جیسے بے شمار علمائے سلف رکھتے تھے۔اور موجودہ دور میں بھی بعض رکھتے ہیں۔ان کے مطابق ختم نبوت کا مطلب اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی کا خاتمہ نہیں۔مثلاً مولانا محمد قسم نونوتوی کی تخذیر الناس میں یہی رائے دی گئی ہے۔

حامد میر صاحب سمیت مسلمانوں کی غالب اکثریت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کی دوبارہ آمد کی قائل ہے۔حدیثیں موجود ہیں۔آمد کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔مسلمان تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان رکھنے کے دعویدار ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں اور انکی دوبارہ آمد پر آپ کو یقین ہے ۔فرض کر لیتے ہیں کہ مرزا صاحب کا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا درست نہیں اور کل کلاں جس مسیح موعود کے آپ منتظر ہیں وہ آجائیں ان کا دعویٰ آپ کے نزدیک درست ہوگا تو آپ ان پر لازماً ایمان لائیں گے۔آپ کہیں گے کہ وہ اُمتی ہونگے ۔احمدی بھی تو یہی کہتے ہیں نہ اس سے کم اور نہ ہی زیادہ۔

آپ کے مطابق منکرین ختم نبوت یعنی احمدیوں کے دل میں 1973 کے آئین کانٹے کی طرح کھٹکنا بے معنی بات ہے۔کیونکہ اس سے احمدیوں ذہنی،علمی، اخلاقی اور روحانی ترقی پر کوئی ایسا اثر نہیں پڑتا جس کا مداوا ناممکن ہو۔اس آئین میں سیاسی اغراض اور مجبوریوں کی بدولت کی گئی یہ تبدیلی مجھے اپنے آپ کو مسلمان کہنے سے نہیں روکتی۔وہاں صاف لکھا ہے آئین اور قانون کی اغراض کے لئے احمدی مسلمان نہیں ہیں۔آپ کی جانب سے ہمیں مسلمان قرار دیا جائے تو ہماری روحانیت پر کچھ فرق نہیں پڑے گا۔آپ خود اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ پاکستان میں دین کا اظہار الگ بات ہے لیکن اس پر عمل الگ۔صرف گناہ بخشوانے کے لئے حج کر لینا اور واپس آ کر اس غلاظت میں پھر لتھڑے جانا الگ۔

حامد میر صاحب کا یہ فرمانا کہ

یہ آئین اتنا طاقتور ہے کہ اسے توڑنے والا ہمیشہ ذلیل وخوار ہوتا ہے اور یہ آئین بار بار ٹوٹ کر بار بار بحال ہو جاتا ہے۔اسی تقریر میں یہ بھی عرض کیا تھا کہ کچھ طاقتیں چاہتی ہیں کہ پاکستان آنکھیں بند کر کے اسرائیل کو تسلیم کر لے لیکن 1973ء کا آئین اسرائیل کو تسلیم کرنے کے راستے میں بھی رکاوٹ ہے۔

جناب عالی۔بحیثیت قانون کے طالبعلم کے خاکسار کو اس آئین (جس نے بنانے والے کو ہی پہلے ذلیل کیا) کی عظمت اور احترام کا بخوبی اندازہ ہے۔یہی نہیں ہر قانون کا احترام لازم سمجھتا ہے لیکن کیا آپ کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اسی آئین کو محترم ضیاالحق صاحب نے چند صفحوں کی کتاب جسے وہ جب چاہیں پھاڑ سکتے ہیں کہہ کر معطل کیا اگر چہ اس جرم کی سزا موت ہے جس سے وہ آگاہ تھے۔اس کے بعد اسی آئین میں آئین کی روح کے خلاف کتنی ترامیم کی گئی ہیں۔ آپکے معتوب جنرل مشرف صاحب نے آئین کے ساتھ جو کچھ کیا وہ آپکے علم میں ہے۔بادشاہ کے فوت شدہ گھوڑے کو البتہ فوت شدہ کہنے کی ہمت نہیں۔علاوہ ازیں مذہبی جماعتیں اس آئین کو غیر اسلامی سمجھتی ہے۔اور آپ ہی

نے ان کے انٹرویو لیئے ہوئے ہیں۔ احمدی تو باقی پاکستانی اکثریت سے کہیں زیادہ بڑھ کر اس آئین کا اور ہر قانون کا احترام کرتے ہیں۔ سوا سو سال کی تاریخ میں کسی احمدی نے قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لیا ہے۔ آپ کے پیارے لوگ ملک بھر میں جگہ جگہ احمدیوں پر قیامت ڈھاتے رہتے ہیں۔ لاہور میں دو سجدہ گاہوں پر خونریزی کے بعد۔ کھرا سچ۔ پروگرام میں ایک بار جماعت کے نمائندہ کو بلایا گیا تھا تو اس کا جواب یہی تھا کہ ہم اس کو اللہ پر چھوڑتے ہیں۔ ہم تو اسوہ نبوی کے مطابق اپنے آپ کو ابھی تک طائف میں پھر رہے سمجھتے ہیں۔

فلسطین کی تقسیم کے وقت محترم چوہدری ظفر اللہ خاں نے اقوام متحدہ میں پاکستان کے نمائیندہ کے طور پر تقسیم کی ڈٹ کر مخالفت کی جس کا اندازہ عربوں کو نہیں تھا۔ اسرائیل کے قیام کے ریزولیوشن کی مخالفت میں حقائق اور دلائل سے کیس پیش کیا جس پر تمام عرب ممالک میں پاکستان کی قدر و منزلت ہوئی۔ امریکہ نے ووٹنگ مجوزہ دن رکوادی اور بعد میں حکومتوں پر ریزولیوشن کے حق میں ووٹ کے لئے دباؤ ڈالا جس پر بعض مندوبین نے چوہدری صاحب کے ساتھ روتے ہوئے معذرت کی۔ امام جماعت احمدیہ نے فلسطین کی کاز کے لئے۔ الکفر ملۃ الواحدہ۔ ایک کتاب لکھ کر مسلمانوں کو اور عربوں کو صیہونی یلغار کے خلاف متحد ہونے کی اپیل اس وقت کی جب باقی مسلمان خواب غفلت میں سو رہے تھے۔ جب اسرائیل بن گیا تو اس علاقہ میں فلسطینی احمدیوں کی آبادی تھی۔ جو باقی مسلمانوں کی طرح اب بھی وہیں ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح بھارت میں تمام پاکستانی مذہبی جماعتوں کے پارٹنر ہیں۔

1973 کا آئین اسرائیل کو تسلیم کرنے کے راستے میں کوئی روکاوٹ نہیں ہے۔ ایسی باتیں نہ پھیلایا کریں۔ قران کا حکم ہے۔ جس بات کا علم نہ ہو وہ نہ کیا کرو۔ یہ ایک انتظامی معاملہ ہے اور حکومت وقت مناسب سمجھے تو ملکی مفاد کے لئے فیصلہ کر سکتی ہے۔ یہ بات درست ہے کہ اسرائیل کو تسلیم نہ کرنے کی پالیسی چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کی ہی بنائی ہوئی ہے۔ جو عرب اتحاد کے قیام کی غرض سے اختیار کی تھی۔ مسلمانوں کے مفاد کے لئے چوہدری صاحب کی ان کوششوں کو بے اثر کرنے کے لئے ہی۔ 1952 میں اینٹی احمدیہ تحریک شروع ہوئی جو اب تک جاری ہے۔

In 1952, Sir Zafarullah Khan, Pakistan's foreign minister promoted his hardline policies toward Israel, and pressed his policies toward the unity of Arab states.[4] Thus Khan's policy had worked to build strategic ties with Arab states. Dr. Moshe Yegar, Jewish Political Studies Review

میر صاحب فرماتے ہیں

توہین رسالت اور ختم نبوت صرف مولویوں کا نہیں بلکہ پاکستان کے ہر اُس شہری کا مسئلہ ہے جو علامہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ کی سوچ پر یقین رکھتا ہے۔ 1973ء کے آئین میں یہ معاملات طے کر دیئے گئے ہیں لہٰذا جب بھی کوئی 1973ء کے آئین کی مخالفت کرتا ہے تو اُس پر شک کیا جاتا ہے کہ یہ غیر ملکی قوتوں کا آلہ کار ہے کیونکہ وہ غیر ملکی قوتیں ڈھکی چھپی نہیں ہیں جو پاکستان میں توہین رسالت کے خلاف قوانین کا خاتمہ بھی چاہتی ہیں اور آئین میں سے ختم نبوت کے متعلق شق بھی نکلوانا چاہتی ہیں۔

ختم نبوت کی اپنی تشریح کو درست سمجھتے ہوئے جس کا انہیں پورا حق ہے۔ اور علماء سلف کی تشریح (آئیڈیا جس کو احمدی درست سمجھتے ہی) غلط سمجھتے ہوئے میر صاحب نے۔ توہین رسالت جیسے گھناؤنے فعل۔ کے ساتھ نتھی کر کے سخت نا انصافی کی ہے۔ اگر حامد میر صاحب کے فتویٰ کو نافذ کیا جائے تو ابن عربی بھی توہین رسالت کے مرتکب قرار پاتے ہیں یہ کہ 1973 کے آئین میں جب طے کر دیا گیا ہے۔ پھر اب رونا کس بات کا ہے۔ کیوں احمدیوں پر ظلم ڈھا رہے ہو۔ 1973 کے آئین کی مخالفت کو جذباتی رنگ دینے کی کوشش بد اخلاقی کے دائرہ میں چلی جاتی ہے۔ نیز کسی علامہ اقبال یا قائد اعظم کی سوچ خدا اور رسول کی سوچ یا حکم سے افضل نہیں۔

احمدی اگر یہ خواہش کریں کہ وہ آئینی ترمیم جوان کو نان مسلم قرار دیتی ہے تو یہ آئین کی مخالفت کیسے قرار پاتی ہے؟۔ یہ ترمیم بھی تو کسی مطالبے کے نتیجے میں ہی کی گئی تھی۔ جو بھی اس کو اپنے حقوق کے لئے مضر سمجھے اس کا یہ آئینی حق ہے مطالبہ کرے کہ اس ترمیم کو ایک نئی ترمیم کے ذریعہ کالعدم قرار دیا جائے۔ احمدیوں نے پاکستان کے قیام اور استحکام کے لئے بڑی قربانیاں اور مخلصانہ قربانیاں دی ہیں۔ یہ پرلے درجے کی کمینگی ہوگی کہ انکو نظر انداز کر کے صفائی کا موقعہ دیئے بغیر جھوٹے بہتان لگاتے چلے جائیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ غیر ملکی قوتیں جو ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ انکا نام لینے سے کس خوف کی بدولت یہ بہادر صحافی گریزاں ہیں؟

محترم حامد میر صاحب اس بات پر نہایت سخت برہم ہیں کہ

ماہ گزشتہ کے وسط میں ایک پاکستانی احمدی عبدالشکور نے وائٹ ہاؤس میں

امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ سے ملاقات کی اور بتایا کہ میں اپنے آپ کو امریکہ میں مسلمان کہہ سکتا ہوں لیکن پاکستان میں مسلمان نہیں کہہ سکتا کیونکہ ہمیں 1974ء میں غیر مسلم قرار دے دیا گیا تھا

میر صاحب!۔کیا اس بیان میں کوئی ایک فی صد بھی جھوٹ یا مبالغہ ہے؟ ہاں آپ کو ہی سچ بولنا دُوبھر ہے اور سننا گوارہ نہیں۔ یہ ملاقات بیس اور بھی مما لک کے ستم رسیدہ لوگوں سے کروائی گئی تھی۔ایک بے ضرر انسان شکور بھائی کی دوکان سرگودھا میں بوجہ احمدی ہونے کے 1974 میں جلادی گئی تھی۔ انہوں نے ربوہ میں عینکوں کی دکان دوبارہ کھولی جس میں سے سی ٹی ڈی نے پہاڑ کھود کر ایک کتاب نکالی جس میں نعتیں اور نظمیں تھیں۔احمدی نعت پڑھیں یہ خالص مسلمانوں کو ہرگز گوارہ نہیں وہ اب ساڑھے تین سال سے زائد شریفانہ انداز میں قید گزار کر رہا ہوئے تھے۔حامد میر صاحب کیا آپ کی منطق میں اس قدر عوج واقع ہو گیا ہے۔آپ مارتے چلے جارہے ہیں اور ہمیں۔سی۔کرنے پر بھی کوستے ہیں ۔ پھر پاکستانیوں کو غیرت دلاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اس ملاقات میں کچھ اور پاکستانی بھی موجود تھے۔انہیں ٹرمپ کو بتانا چاہئے تھا کہ 1974ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی میں کئی دن تک بحث ہوئی۔اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار نے احمدیوں کے روحانی پیشوا مرزا ناصر پر تفصیلی جرح کی اور اس دوران مرزا ناصر احمد نے یہ تسلیم کیا کہ اسرائیل کے شہر حیفا میں اُن کی جماعت کا ایک مشن موجود ہے۔اس بحث میں پیپلز پارٹی کے ایک وزیر ملک محمد جعفر خان نے بھی بھرپور حصہ لیا جو پہلے احمدی تھے۔

سبحان اللہ۔پاکستان کی پوری قومی اسمبلی پر مشتمل کمیٹی میں یہ بحث ہوئی تھی۔ اس بحث کو اب گذشتہ برس پبلک کیا گیا ہے اور اس دوران جھوٹ کا ایک انبار مخالفین نے پھیلایا ہے۔موجودہ نسل کے لئے اب اس کاروائی کو تعصب کی حالت میں پڑھنا ممکن ہی نہیں رہا۔جن کو شوق ہے وہ دیکھ لیں۔ جماعت کا موقف آج بھی وہی ہے۔

آپ جیسے دانشور کہلانے پر سخت افسوس اس بات پر ہوا ہے کہ یہ تسلیم کرنا کہ اسرائیل میں جماعت احمدیہ کا مشن یا مرکز ہے گو یا کسی چوری کے فعل کا اقرار کرنا ہے۔یہ بات تب بھی پبلک تھی اور اس میں ابتک کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ہاں اگر یہ بات چھپائی جاتی تو غلط ہوتی۔

جہاں تک ملک جعفر صاحب سوشلسٹ کا تعلق ہے اس پر صرف اتنا تبصرہ کافی ہے کہ جماعت کا قرآنی احکامات کی پابندی کے بارے میں کڑا معیار ہے اور جو ساتھ نہ نبھاہ سکے اس کو جماعت سے بالآخر نکلنا ہی پڑتا ہے۔حامد میر صاحب آپ کے بزرگ محترم ۔مرزا شفیق انور۔میرے دوست تھے۔وہ بھی اگر خود نہ نکلتے تو نکال دیئے جاتے۔ان کے بھائیوں کو نکال دیا گیا تھا۔ملک صاحب ایک پکے سوشلسٹ اور فیض احمد فیضؔ کے بہت قریبی دوست تھے

یہ بات درست بھی ہوسکتی ہے کہ وہ دوست تھے لیکن اس سے یہ لازم نہیں کہ وہ فیض کی طرح حق پرست بھی تھے اور اس ذکر سے مضمون میں ثقاہت پیدا نہ کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے

جب بھٹو صاحب پر قانون قدرت کے تحت بات الٹی اور انہیں نام کا مسلمان کہا گیا تو چیخ اٹھے۔جس گھات سے انہوں نے فائر کیا اسی گھات سے گولی کھائی۔ لہذا یہ گھات بند کرنے کے لائق ہے ورنہ احمدی تو صبر کے پہاڑ ہیں۔کیا آپ جانتے ہیں کہ ربوہ کی لائبریری میں کوئی جماعتی کتاب نہیں؟۔کوئی بدمعاش اٹھ کر پرچہ کٹوا دیتا ہے کہ یہ قران میں تحریف کر کے چھاپ رہے ہیں تو محکمہ اوقاف کی تحقیق کے باوجود کہ یہ جھوٹا کیس ہے مقدمہ چلا دیا جاتا ہے۔آپ کو جومیڈیا پر پابندی چبھتی ہے یہ چبھن جائز ہے۔احمدی پریس تو عرصہ دراز سے مکمل طور پر بند کر دیا گیا ہے۔

ربوہ کوئی چلا جائے تو زہر لگتا ہے۔کیا آپ میں ہمت ہے کہ اپنے پروگرام میں احمدیوں کو بھی جواب دینے کا موقعہ دیں۔احمدیوں کے دلوں کی زمین پر جو ستم کے بیج بوئے جا رہے ہیں لازم ہے کہ انکے پھل بھی آپ کو ملیں۔

میر صاحب کی یہ بات

جو لوگ توہین رسالت کا قانون اور ختم نبوت کی آئینی شق کے خلاف ہیں اُنہیں یاد رکھنا چاہئے کہ زور زبردستی سے ان قوانین کے خاتمے سے پاکستان میں احمدیوں سمیت دیگر غیر مسلموں کو فائدہ نہیں بلکہ بہت نقصان ہوگا۔مسلم اور غیر مسلم پاکستانیوں کو مل جل کر ایک دوسرے کا تحفظ کرنا چاہئے اور اس کا بہترین راستہ یہ ہے کہ آئین پر عملدرآمد کو یقینی بنایا جائے۔احمدیوں اور دیگر غیر مسلموں کو آئین میں جو حقوق حاصل ہیں وہ حقوق انہیں ہر قیمت پر دیئے جائیں۔

ان کا روئے سخن احمدیوں کی طرف تو ہو نہیں سکتا کیونکہ انہوں نے تو معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا ہوا ہے۔البتہ جس نقصان کی جھوٹی پیش بندی کے لئے یہ لغو دھمکی بعض طبقوں کو مرعوب کرنے کے لئے دے رہے ہیں وہ نقصان اب بھی ہو رہا ہے۔البتہ ان کی بصیرت میں یہ بات آنہیں رہی۔ملک میں جو موتا موتی جاری ہے اور ملک سے شرفاء اور تعلیم یافتہ لوگ بیرون ملک جانے میں عافیت

سمجھتے ہیں۔کیا یہ کم نقصان ہے۔انکی صحافت کا کمال ملاحظہ کیجئے کہ ایک طرف احمدیوں سے بغض کی بلندیوں کو چھُو رہے ہیں اور دوسری جانب آئین میں مندرج حقوق ہر قیمت پر دیئے جانے کی تاکید فرما رہے ہیں۔مسیحی ایم این اے آسیہ ناصر کی تقریریں سن لیں۔آنکھیں ہیں تو کھل جائیں گی۔

حامد میر صاحب ۔ آپ مجھے مسلمان نہ سمجھیں۔ انسان بھی نہ سمجھیں۔کتا سمجھیں۔آپ آزاد ہیں لیکن اگر آپ مجھے بھونکنے پر مجبور کریں تو میرا آئینی حق ہے کہ انکار کروں۔اب آپ کو میرا یہ۔بھونکنے سے انکار۔ختم نبوت کا انکار۔لگتا ہےتو بڑے ادب سے گزارش ہے کہ آپ کا (اگر آپ کا ہستی باری تعالیٰ پر ایمان ہے تو) رحمت اللعالمین کی الفت کا دعویٰ باطل ہے۔یہ دو متضاد باتیں ایک روح کا مسکن نہیں ہوسکتیں۔

لکھتے ہیں : توہین رسالت کے قانون کا غلط استعمال غیر مسلموں سے زیادہ مسلمانوں کے خلاف ہوتا ہے۔خود مجھ پر کچھ عرصہ قبل توہین رسالت کا ایک جھوٹا الزام لگایا گیا اور الزام لگانے والوں نے کچھ باریش مدعی عدالتوں میں بھیجے لیکن ملک کے جید علماء کرام نے اس الزام کو مسترد کر دیا۔اسی طرح ملک کی دیگر اہم شخصیات کے خلاف بھی جھوٹا پراپیگنڈا کیا گیا لیکن کئی نامور علماء نے اس پراپیگنڈے کو مسترد کر دیا۔

حیرت دارم کہ من شکارِ کیستم

محترم جھوٹا الزام آپ پر لگا تو آپ کو سند مل گئی کہ کلین ہیں لیکن بیچارے مشعال ۔ بہاولپور کے پروفیسر صاحب کو تو سند لانے کی فرصت بھی نہ مل سکی۔ آپ مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے اعلانیہ فتویٰ کے مطابق واجب القتل تھے۔ جس کے مطابق توہین رسالت کے ملزم کی صفائی طلب نہیں کی جاتی۔ پہلے سر قلم اور پھر اگر الزام جھوٹا ہو تو قاتل کو قتل کی سزا۔یہ بات لاہور میں سن 2010 میں کہی تھی۔آپ پاکستانی بہن آسیہ مسیح جس کو علمائے عظام آسیہ ملعونہ کہتے ہیں۔جس نے کوئی توہین آمیز کلمہ نہیں کہا تھا۔کیا حق دلا سکے ہیں؟۔عافیہ صدیقی ایک امریکن شہری ہیں ان کے ساتھ زیادتی ہو تو تکلیف دہ بات ہے لیکن اس بدی کو کوئی مسلمان مقابلۃً بھی اختیار کرے تو یہ خدا کی راہ میں نیکی قرار نہیں پا سکتی۔

آپ اس بات میں کوئی برائی سمجھ رہے ہیں کہ توہین رسالت کے قانون کا غلط استعمال غیر مسلموں سے زیادہ مسلمانوں کے خلاف ہوتا ہے تو بے شک سمجھیں لیکن اس برائی کی بات کو دنیا کا کوئی معقول شخص قابل احترام نہیں سمجھ سکتا۔ ماشا اللہ عجیب انداز ہے آپ کے عرفان کا۔

یہ کمال کا فلسفہ ہے کہ اصل مسئلہ ان قوانین کا غلط استعمال ہے، اس غلط استعمال کو روکنا ضروری ہے۔

خوب رہی۔ بندر کے ہاتھ میں تلوار پکڑا کر ناک کو محفوظ سمجھنا حسین خام خیالی ہے۔اب تک تو کوئی خیر کی فصل اس قانون سے نہیں کاٹی جا سکی۔ ویسے بھی اگر اتنی ہی سچی محبت رسول اللہ سے ہے تو آپ ﷺ کے ارشادات پر عمل کر کے اس کا مظاہرہ کیوں نہیں کیا جاتا۔شراب منع ہے ۔کوئی احمدی اپنے کاروبار میں اس کی خرید و فرخت نہیں کر سکتا۔ بصورت دیگر جماعت سے باہر نکال دیا جاتا ہے۔ آپکو بطور صحافی زخم کی گہرائیوں سے واقف ہونا چاہیئے۔جس معاشرہ میں ایم اے اسلامیات کے قران مجید کے پرچے کے دن ممتحن نرم طبع ہو اور نقل کرنے پر صرفِ نظر کرے اس کو بفضلہٖ مبارک دن سمجھا جائے وہ معاشرہ قوانین کا غلط استعمال نہ کرے تو کیا کرے۔

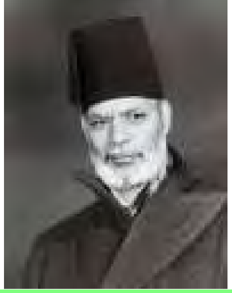
انکے خیال کے مطابق بدقسمتی سے ہمارے کچھ نام نہاد آئین پسند دانشور اور صحافی بھی ان قوانین کو انتہاء پسندانہ سمجھتے اور ان کا خاتمہ چاہتے ہیں لیکن جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ یہ قوانین پارلیمنٹ نے بنائے ہیں اور ان قوانین کو پارلیمنٹ ہی بدل سکتی ہے تو پھر وہ لاجواب ہو جاتے ہیں۔

گویا ان قوانین کو انتہا پسندانہ سمجھنا اگر بدقسمتی قرار پائے۔پھر خوش قسمتی تو ان قوانین (جن کے ذریعہ بھیڑیوں کو بکریوں پر کھلی چھوٹ ہے) کو مزید سخت کرنے میں ہوگی۔اور ان نام نہاد دانشوروں کو لاجواب کرنے کے لئے آپ کا منہ توڑ۔جواب۔ پارلیمنٹ ہی بدل سکتی ہے ۔ اگر مشعال کی جگہ آپ کا بیٹا ہوتا تو پھر دیکھتے۔

حامد میر صاحب آپ نے فیض کا ذکر کیا تھا۔یہ آپ کے لئے ہے

تجھ کو کتنوں کا لہو چاہیے اے ارضِ وطن
جو تیرے عارضِ بے رنگ کو گلنار کریں
کتنی آہوں سے کلیجہ تیرا ٹھنڈا ہو گا
کتنے آنسو تیرے صحراؤں کو گلزار کریں
تیرے ایوانوں میں پرزے ہوئے پیماں کتنے
کتنے وعدے جو نا آسودۂ اقرار ہوئے
کتنی آنکھوں کو نظر کھا گئی بد خواہوں کی
خواب کتنے تیری شاہراہوں میں سنگسار ہوئے





یہ غلط ہے کہ حضرت چوہدری سرظفراللہ خان نے قائداعظم کے کہنے پر سر کا خطاب واپس نہیں کیا؟

تحریر: ذوالکفل مانسہروی

بنوری ٹاون کے ترجمان رسالے ماہنامہ بینات کی محرم 1440 کی اشاعت میں ایڈیٹر کے قلم سے ایک مضمون " عاطف میاں کی مخالفت کیوں ؟ وجوہ - اسباب - محرکات" کے نام سے ص 3 تا 20 تک شامل اشاعت کیا گیا ہے۔ ایڈیٹر صاحب وزیر اعظم پاکستان جناب عمران خان کی حکومت کے شروع کے دنوں میں حکومت کی طرف سے 18 رکنی اکنامک ایڈوائزری کونسل کے قیام اور اس میں جناب عاطف میاں کی شمولیت کے اعلان کا ذکر کرنے کے بعد علماء کے احتجاج اور اس پر وزیر اطلاعات ونشریات جناب فواد چوہدری صاحب کے بیان کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ آگے چل کر جناب جاوید چوہدری صاحب کے روزنامہ ایکسپریس میں ایک کالم بعنوان " کیا قائد اعظم کو پتہ نہیں تھا ؟ " اور اسی طرح سے روزنامہ جنگ کے کالم نگار جناب محمد بلال غوری صاحب کے 6 ستمبر 2018 کی اشاعت میں لکھے گئے " شکریہ عمران خان" کے نام سے کالم کا ذکر کرتے ہیں۔ ایڈیٹر صاحب یہ سارا پس منظر اور ان دونوں مضامین کا خلاصہ درج کرنے کے بعد فرماتے ہیں " یہ دونوں صحافیوں کے چیدہ چیدہ 13 سوالات ، اعتراضات واشکالات ہیں" اور پھر جواب دیتے ہوئے جماعت احمدیہ کے ساتھ ساتھ حضرت چوہدری سرظفراللہ خان صاحب اور قائداعظم کی ذات پر انتہائی جھوٹے اور بودے الزمات و اتہامات کا طومار باندھ دیتے ہیں۔ جیسے لکھا کہ " قائداعظم نامساعد حالات میں پھنسے ہوئے ایک مجبور ولاچار شخص تھے۔ وائسرائے کا قائداعظم پر بہت دباؤ تھا کہ سرظفراللہ خان کو وزیر خارجہ لگاو۔۔۔" آپ اندازہ لگالیں کہ ظفراللہ خان قائداعظم کی کتنی بات مانتا تھا۔ بانی پاکستان محمد علی جناح نے جب انگریزوں سے عدم تعاون اور ترک موالات کے سلسلہ میں تمام اہل وطن سے اپیل کی کہ وہ انگریزوں کے عطا کردہ اعزازات وخطابات واپس کر دیں تو صرف چوہدری ظفراللہ خان واحد شخص تھا جس نے انگریزوں کا عطا کردہ سر کا خطاب واپس کرنے سے صاف انکار کر دیا"۔ وغیرہ وغیرہ۔ مضمون کی سنگینی کو دیکھتے ہی فوری ذہن اس طرف گیا کہ کہاں ہیں آج وہ ہمارے ہارون الرشید صاحب یا مجیب الرحمٰن شامی صاحب جیسے قائداعظم کے سپاہی اور ان کے ذکر پر فرط عقیدت سے آٹھ آٹھ آنسو بہانے والے صحافی حضرات اور وہ بہت سارے اوریا مقبول جان صاحب جیسے "اصلی محبان وطن" تجزیہ نگاران اور ڈاکٹر صفدر محمود صاحب جیسے "اصلی مئورخین پاکستان " اور ان کے ساتھ ساتھ وہ ہمارے موم بتی گروپ کے ٹائیگرز حضرات؟۔ کیا واقعی قائداعظم ایک مجبور اور لاچار لیڈر تھے جسے وائسرائے ہندبلیک میل کرتا رہا؟ اور وہ خاموشی سے بلیک میل ہوتے رہے۔ اور مجبوراً ایک " نافرمان" اور "انگریز کے ایجنٹ" کو وطن کا وزیر خارجہ قبول کر لیا۔ بھلے چوہدری سرظفراللہ خان صاحب کا دفاع نہ کریں کیونکہ ہم نے اپنے باقی ہیروز کو کونسا عزت کا مرتبہ دیا ہے سرِ جلسہ گولی تک مار دیتے ہیں لیکن کم ازکم جس کو بانی پاکستان کہتے ہیں اس ایک سے تو وفا کریں اور ان مولوی صاحب کو حقائق سے روشناس کروائیں۔

سوچنے والی بات یہ بھی ہے کہ کیا یہی ہے وہ ہمارا قائد جس کی تقدیس کے گیت گاتے ہم بچپن سے جوان ہوئے؟۔ اور کیا ایسا ہی بے حمیت اور پست کردار ہے ہمارا بانی پاکستان جس کی بہادری اور اصول پرستی کی داستانوں پر ہم نے اپنی ریاست پاکستان کی بنیادیں استوار کی ہیں؟۔ کیا واقعی جناب قائداعظم کی تصویر ایسی ہے جیسی اس دیوبندی مضمون نگار نے پینٹ کی ہے؟ یقیناً نہیں ۔ یہ ایک ہارے ہوئے احراری مولوی صاحب کا کینہ تو ہوسکتا ہے میرے قائد کا کردار نہیں۔ جمیعۃ العلمائے ہند کے مولانا سبحان الہند کا میرٹھ میں دیا ہوا 1946 کا خطبہ تو ہوسکتا ہے پاکستانی قائداعظم کا گفتار نہیں۔ ایک دفعہ ڈاکٹر اجمل نیازی صاحب نے کہا تھا " میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ پگڑی اور داڑھی آدمی کے وقار اور روحانیت میں اس قدر بھی اضافہ کر سکتی ہے (آس جزیرہ اکرم اعوان صفحہ 14) مگر میں نے بینات کے ایڈیٹر صاحب کے اِس رخِ روشن کو دیکھا تو مجھے ڈاکٹر اجمل نیازی صاحب کا یہ قول یوں نظر آنے لگا کہ " کبھی میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ پگڑی اور داڑھی والے باوقار آدمی کے منہ سے اتنے جھوٹے اور بے ہودہ الزامات بھی نکل سکتے ہیں"۔ حقیقت یہی ہے کہ اس 17 صفحے کے مضمون میں جھوٹ کا انبار لگا دیا گیا ہے۔ اگر صرف سر کے خطاب والی اس دار فطنی کا تجزیہ کیا جائے تو

15 جھوٹ تو اس میں صرف سطح پر ہی تیرتے ہوئے پکڑے جاسکتے ہیں۔

آگے بڑھنے سے پہلے تحریک ترک موالات کا تعارف و پس منظر جان لینا ضروری ہے جس کے بعد بہت سے اعتراضات کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب تحریک ترک موالات کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تحریک خلافت میں متوقع کامیابی کے بعد مسٹر گاندھی نے دوسرا قدم اٹھایا اور 1920 میں تحریک ترک موالات کا اعلان کر دیا۔ 28 مئی 1920 کو بمبئی میں خلافت کانفرنس کا اجلاس ہوا جس میں عدم تعاون کے اصول کو تسلیم کیا گیا۔ 2 جون 1920 کو الہٰ آباد میں ایک اجلاس ہوا جس میں ہندو اور مسلمان راہنماؤں نے شرکت کی۔ اس میں تحریک ترک موالات کی قرارداد اصولاً پاس کر دی گئی۔ اور اس طریقہ کار کو مسٹر گاندھی کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا۔ اس مقصد کے لئے ایک کمیٹی ترتیب دی گئی جو مندرجہ ذیل اشخاص پر مشتمل تھی (1) مسٹر گاندھی (2) مولانا محمد علی جوہر (3) مولانا شوکت علی (4) مسٹر کھتری (5) مولانا حسرت موہانی (6) ڈاکٹر کچلو

(محمد علی زندگی اور کارنامے مدراس 1921 ص 55) (تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم مصنفہ پروفیسر محمد مسعود احمد ص 116 ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور کراچی)

تو سب سے پہلی بات تو یہ سامنے آئی کہ تحریک ترک موالات 1920 میں شروع ہوئی جس میں بقول مولوی صاحب "بانی پاکستان محمد علی جناح نے جب انگریزوں سے عدم تعاون اور ترک موالات کے سلسلہ میں تمام اہل وطن سے اپیل کی کہ وہ انگریزوں کے عطا کردہ اعزازات وخطابات واپس کر دیں تو صرف چوہدری ظفر اللہ خان واحد شخص تھا جس نے انگریزوں کا عطا کردہ سر کا خطاب واپس کرنے سے صاف انکار کر دیا"

اصولی طور پر پہلا سوال ذہن میں آتا ہے کہ قائداعظم نے یہ اپیل کب کی؟ کس موقعہ پر کی؟ کہاں سے کی؟ کس تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کی؟ اور کس اخبار میں پبلش ہوئی؟ کس مورخ نے اسے اپنی تاریخ میں جگہ دی؟ وغیرہ وغیرہ مگر آپ کو جان کر حیرت ہوگی کہ تاریخ کے اس سادہ سے سوال کا جواب نفی میں ہے۔ یہ مولوی صاحب کا تاریخ پاکستان سے کورا پن ہے یا جھوٹ بولنے کا خمار ہے ورنہ ایسی کوئی بات اشارہ کنایہ میں بھی کہیں نظر نہیں آتی۔

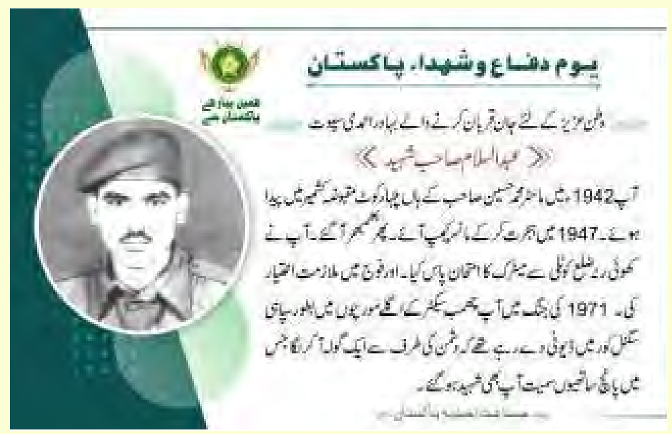
پھر دوسری بات جو اس سے بھی اہم ہے کہ ترک موالات کے لئے اپیل تو درکنار کیا خود قائداعظم تحریک ترک موالات میں شریک ہوئے اور اس تحریک کو جائز اعلان کیا؟ تاریخ کا جواب پھر نہیں میں ہے۔ انہوں اس تحریک کو بالکل بھی جائز نہیں سمجھا۔ گو کہ کچھ مشہور مسلمان قائدین اور خاص طور پر دیوبندی علماء گاندھی جی کی چلائی ہوئی اس تحریک کا حصہ بنے مگر قائداعظم، اور مسلمانوں کا سواد اعظم اسے ایک ہندووانہ سازش سمجھتا تھا اور وہ اس کا حصہ نہیں بنے بریلوی عالم دین جناب احمد رضا خان نے کھل کر اس مخالفت کی اور فتاویٰ بھی دیئے۔ چنانچہ پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب انہی دنوں کلکتہ میں ہونے والے مسلم لیگ کے اجلاس کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں" 8 ستمبر 1920 کو مسلم لیگ کا کلکتہ میں اجلاس ہوا۔ لیکن جب اجلاس کے سامنے ترک موالات کی حمائت میں قرارداد پیش کی گئی تو قائداعظم کرسی صدارت سے ہٹ گئے اور حکیم اجمل خان کی صدارت میں یہ قرارداد منظور ہوئی۔" (تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم مصنفہ پروفیسر محمد مسعود احمد ص 116 ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور کراچی) ریلوی مفتی اعظم شاہ محمد مظہر صاحب نے گاؤکشی کی موافقت میں اور تحریک ترک موالات وتحریک ہجرت کے خلاف فتوے دیئے جو فتاویٰ مظہریہ مطبوعہ کراچی 1970 میں ص 221 تا 229 پر محفوظ ہیں۔ اسی طرح سے ڈاکٹر سر علامہ اقبال بھی تحریک ترک موالات کے مخالف تھے۔ تحریک کے زمانے میں آپ انجمن حمائت اسلام لاہور کے جنرل سیکرٹری تھے۔ جنرل کونسل نے اپنے اجلاس میں ترک موالات کے خلاف فیصلہ صادر کیا۔ 21 نومبر 1920 کو انجمن حمائت اسلام کے اجلاس میں علی برادران اور مولانا آزاد نے ترک موالات کی حمائت میں تقاریر کیں جبکہ سر شیخ عبدالقادر نے اس کے خلاف تقریر کی۔ قائداعظم پہلے ہی اس تحریک سے الگ ہو چکے تھے۔ دیوبندی علماء کی اسی روش یعنی ایک مشرک گاندھی کی پیروی پر مولانا احمد رضا خان نے مشہور طنزیہ ریمارکس دیا تھا کہ" یہ کونسا دین ہے نصاریٰ کی ادھوری سے اجتناب اور مشرکین کی پوری میں غرقاب" (المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ 1920 مطبوعہ حسنی بریلی باردوئم ص 14) اب جو شخص اس تحریک کو مسلمانوں کے خلاف گھناؤنی سازش سمجھتا ہو وہ اس کے لئے تعاون کی اپلیں کیسے کر سکتا ہے؟

اس سے بھی زیادہ اہم ایک اور سوال ہے، کہ کیا اس وقت چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب کے پاس "سر" کا خطاب موجود تھا بھی جسے انہوں نے واپس کرنے سے انکار کر دیا تھا؟۔ تو تاریخ یہ ہے کہ چوہدری صاحب کے پاس تو اس وقت یہ خطاب تھا ہی نہیں۔ بلکہ آپ کو تو یہ خطاب تحریک ترک موالات سے 17 سال بعد یعنی 1937 میں ملا جب آپ نے دو سال تک وزیر ریلوے کے طور پر بہترین کام کرتے ہوئے اپنا کام ختم کیا۔ اس لئے سیانے صحیح کہتے کہ کامیاب جھوٹ

بولنے کے لئے عقل ہو نہ ہو یادداشت اچھی ہونا ضروری ہے۔

پھر اس سے بھی زیادہ ایک اور اہم بات جو مضمون نگار نے یہ دعویٰ کردیا ہے کہ قائد اعظم کی ترک موالات کی اپیل پر لبیک کہتے ہوئے سب نے اپنے اعزازات واپس کردیئے۔"بانی پاکستان محمد علی جناح نے جب انگریزوں سے عدم تعاون اور ترک مولات کے سلسلہ میں تمام اہل وطن سے اپیل کی کہ وہ انگریزوں کے عطا کردہ اعزازات وخطابات واپس کردیں تو صرف چوہدری ظفراللہ خان واحد شخص تھا جس نے انگریزوں کا عطا کردہ سرکا خطاب واپس کرنے سے صاف انکار کردیا" اب یہ ایک بہت بڑا دعویٰ ہے،انتہائی بڑا۔مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں پیش کیا کہ کس کس نے اپنے اعزاز اور خطاب واپس کئے؟محو حیرت ہوں کہ ایک مذہبی عالم دین کسی سے نفرت میں اتنا بھی آگے جاسکتا ہے کہ اپنے ایمان ہی کو آگ لگادے۔

دیکھیں تاریخ یہ بتاتی ہے کہ برٹش انڈیا میں بیسیوں قسم کے اعزازات اور خطابات تھے جو سینکڑوں نہیں ہزاروں مسلمانوں کو دیئے گئے۔خلعتیں دی گئیں۔جاگیریں دی گئیں۔مالی وظیفے دیئے گئے۔انگریزی عدالت میں کرسی کے اعزاز سے نوازا گیا شمس العلماء کے خطابات دیئے گئے۔نمبردار،ٹمن دار، جاگیردار،نواب،سر،عالی جاہ کے اعزازات سے لادا گیا۔گھوڑی پال مربعے الاٹ کئے گئے۔خان بہادر،احتشام الدولہ اور فیروز جنگ کے خطابات سے نوازا گیا۔جی-سی-آئی-ای اور جی-سی-ایس-آئی اور کراون آف انڈیا جیسے تمغہ جات سے نوازا گیا۔اس میں مولوی،عالم دین،دانشور،ادیب،شاعر،فوجی، نواب،جاگیردار یعنی سب کے حصے میں حصہ بقدر جثہ انعامات واعزاز آئے۔یہ سب اعزازات آج بھی ان مسلمان اشرافیہ کے پاس ہیں ان کی اولادوں کے پاس ہیں۔انگریز کی دی ہوئی کون سی جاگیر کسی نے واپس کی؟۔شمس العلماء کا خطاب کس نے واپس کیا؟پیر مہر علی شاہ صاحب نے نوابی کا خطاب واپس کیا؟



مولانا اشرف علی تھانوی صاحب جو مالی وظیفہ وصول کرتے رہے کیا واپس کیا؟ مولوی نذیر حسین دہلوی صاحب نے شمس العلماء کا خطاب واپس کیا؟نہیں بالکل بھی نہیں۔بلکہ ایک دفعہ مکان کو آگ لگ گئی تو سرٹیفکیٹ بھی جل گئے دوبارہ دربار میں حاضر ہوگئے اور دوباہ سے یہ سرٹیفکیٹ جاری کیے گیے۔انجمن حمائت اسلام کے صدر سر شیخ عبدالقادر صاحب نے واپس کیا؟مولوی محمد حسین بٹالوی کے بچوں نے فیصل آباد کے پاس ملنے والے دو مربعہ سرکاری زمین واپس کی؟مولوی عبدالرحیم عظیم آبادی الدر المنثور میں وہابی مولویوں کو ملنے والے اعزازات کی ایک لسٹ یوں پیش کرتے ہیں نمبر 1)شمس العلماء جناب حضرت مولانا محمد سعید قدس سرہ ساکن محلہ مغلپورہ شہر پٹنہ نمبر 2)شمس العلماء جناب مولانا محمد حسنؒ ساکن محلہ صادق پور شہر پٹنہ نمبر 3 شمس العلماء برادرم عزیز مولوی عبدالروف مرحوم ومغفور ساکن محلہ صادقپور شہر پٹنہ نمبر 4)شمس العلماء امجد علی صاحب ایم۔اے پروفیسر سنٹرل کالج الہ آباد ساکن صادقپور شہر نمبر 5)شمس العلماء جناب حضرت مولانا نذیر حسین مدظلہ محدث دہلوی ساکن سورجگڈھ ضلع مونگ نمبر 6)خان بہادر جناب قاضی محمد اجمل مرحوم ساکن قصبہ باڑہ ضلع پٹنہ نمبر 7)خان بہادر قاضی جناب مولوی فرزند احمد صاحب ساکن گیا نمبر 8)شمس العلماء جناب مولوی محمد یوسف صاحب ۔ان میں سے کسی نے بھی واپس کیا؟ نہیں سو جا تک نہیں۔ایک لمبی لسٹ ہے سب کے بیان کا یہ مختصر مضمون متحمل ہی نہیں ہوسکتا مگر مختصر یہ کہ ان سینکڑوں علماء میں سے کسی نے بھی کوئی اعزاز کوئی اکرام واپس نہیں کیا۔

پھر اگر نوابوں اور رئیسوں کی طرف چلیں۔ریاست ٹونک،ریاست حیدرآباد دکن،ریاست رامپور،ریاست بہاولپور،ریاست جاورہ،والیان جون پور،والی قلات،والی چترال،والی ریاست امب ہزارہ،رئیس ہوتی ضلع مردان،رئیس خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ،صوبہ سرحد کے پہلے وزیر اعلیٰ صاحبزادہ عبدالقیوم خان اور



ان کا خاندان، حاجی نواب فتح علی خان قزل باش رئیس اعظم پنجاب کا خاندان، ملک غلام محمد رئیس پنڈی گھیپ ضلع اٹک کا خاندان، روسائے عیسیٰ خیل، رئیس اعظم ملتان خان بہادر مخدوم شیخ حسن بخش صاحب اوران کا خاندان، ڈیرہ غازی خان کے کھوسے رئیس، شاہ پور کے ٹوانے، سرگودھا کا نون خاندان، نواب ممڈوٹ کا خاندان، قزلباش خاندان، بخاری فقیر، کالا باغ کے نواب، گکھڑ راجے، نمک سار کے جنجوعے، پنجاب کے کلاں شیخ، لغاری تمندار، اور بلوچستان کے سرداران سب مسلمان رؤساء کے انگریزی دربار سے ملنے والے اعزازا کی لسٹ بتانے کے لئے ایک کتاب کی ضخامت چاہئے۔ کسی نے واپس کئے؟ نہیں آج بھی پاکستان کی سیاست کے یہی محور ہیں اور یہی اعزازات ان کی میراث ومعراج ہیں۔ پھر مولوی صاحب آپ نے کس بھرتے پر اتنا بڑا بول بول دیا۔ آپ کی جماعت احمدیہ سے مخالفت کی سمجھ تو آتی ہے مگر تاریخ پر کالا کوڑا پھینکنے کا تک سمجھ نہیں آیا؟ کیا اس طرح سے تاریخ بدل جائے گی یا احمدیت فتح ہو جائے گی؟

پھر وہ کہتے ہیں ناں کہ تعصب اندھا ہوتا ہے اور اندھا کر دیتا ہے۔ مولوی صاحب کو چونکہ دشمنی جماعت احمدیہ سے ہے اس لئے تاریخ کے ہر کمزور لمحے کو وہ جماعت احمدیہ سے منسوب کرنا چاہتے ہیں خواہ اس کے لئے انہیں جھوٹ ہی گھڑنا پڑے۔ اب دیکھیں مولوی صاحب جس واقعہ کو قائداعظم اور چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب کے درمیان نافرمانی پر فٹ کرنا چاہ رہے ہیں دراصل یہ واقعہ ڈاکٹر علامہ اقبال اور مولانا عبدالمجید سالک صاحب کے درمیان پیش آیا تھا۔ وہ بھی ان دنوں جب آپ عین تحریک ترک موالات کے درمیان حکومت سے سر کا خطاب وصول کر رہے تھے اور نہ صرف خود وصول کیا بلکہ سفارش کرا کے اپنے استاد جناب میر حسن صاحب کو بھی شمس العلماء کا خطاب دلوایا۔ مولانا رئیس احمد جعفری صاحب علامہ کی شان ''محکومیت'' کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

''اس دور میں اس طوفان خیز اور ہنگامہ خیز دور میں اقبال کا کیا حال تھا؟ وہ کس طرف تھے؟ آزادی کے شیدائیوں اور ملت کے مجاہدوں کے ساتھ یا قوم کے دشمنوں یا ملک کے غداروں کے ساتھ۔ واقعات وحقائق بڑے بے مروت اور غیر جانبدار ہوتے ہیں۔ وہ کسی کے ساتھ رعایت نہیں کرتے۔ سچی اور کھری بات کہتے ہیں۔ حقائق کی زبان سے واقعات کا بیان یہ ہے کہ اقبال نہ صرف تحریک خلافت کے ساتھ نہیں تھے بلکہ اس اصول سے اختلاف رکھتے تھے اور اسی لئے اس سے ہر طرح سے الگ اور غیر متعلق تھے جس طرح ایک مخالف ہو سکتا ہے۔ یہی نہیں عین اس زمانہ میں جب لوگ ملازمتوں پر لات مار رہے تھے سرکاری سکول کالجوں یونیورسٹیوں کا بائیکاٹ کر رہے تھے اقبال کو سر کا خطاب دیا گیا اور انہوں نے اس کو قبول بھی کر لیا جس پر کسی دل جلے نے یوں فقرہ چست کیا: سرکار کی دہلیز پہ سر ہو گئے اقبال (اقبال اور سیاست ملی صفحہ 273)

اوپر درج صرف مصرع نہیں ہے بلکہ مولانا عبدالمجید سالک کی ''زمیندار'' اخبار میں شائع شدہ نظم کا ایک مصرعہ ہے جو مولانا سالک صاحب نے علامہ اقبال کے تحریک ترک موالات کے عین درمیان انگریز سرکار سے سر کا خطاب وصول کرنے پر طنزیہ لکھے تھے

پہلے تو سر ملت بیضا کے تھے وہ تاج
اب اور سنو تاج کے سر ہو گئے اقبال
کہتا تھا یہ کل ٹھنڈی سڑک پہ کوئی گستاخ
سرکار کی دہلیز پہ سر ہو گئے اقبال

یاد رہے انہیں دنوں ایک ہندو ڈاکٹر ٹیگور کو بھی خطاب ملا تھا مگر انہوں نے واپس کر دیا (زندہ رود جلد نمبر 2 صفحہ 270) اقبال نے نہ صرف خود وصول کیا بلکہ اپنے استاد مولانا میر حسن کی سفارش کر کے انہیں بھی شمس العلماء کا خطاب دلوایا۔ (زندہ رود صفحہ 257) بلکہ اعتراض ہونے پر تحریک خلافت اور ترک موالات والوں کا ذکر کرتے ہوئے علامہ نے اپنے بڑے بھائی کو لکھا کہ ''خلافت کمیٹیوں کے بعض ممبران بظاہر جوشیلے مسلمان لیکن درباطن اخوان الشیاطین ہیں''۔ (مظلوم اقبال مطبوعہ 1985 شیخ اعجاز احمد صفحہ 314)

بنوری ٹاؤن کے ترجمان کا جماعت احمدیہ جیسے عالمگیر اسلامی جماعت پر۔ حضرت چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب جیسے عرب دنیا کے وکیل پر اور حضرت قائداعظم جیسے جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کے محسن پر اتنے ظالمانہ اعتراضات کے جواب میں دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم اور مفتی جناب فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب کے وہ ماتمی الفاظ میں یہی کہا جا سکتا ہے ''محسوس یہی ہوتا ہے کہ اخلاص اور للّٰہیت جو دارالعلوم کی اصل روح تھی وہ بالکل نکل چکی ہے اور ایک خوبصورت ڈھانچہ ہے جو دیکھنے میں بڑا اچھا نظر آتا ہے مگر بے جان ہے۔ کہنے کو اب بھی گوشے گوشے سے قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں سنائی دیتی ہیں۔ لباس تقویٰ کا اظہار کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں مگر تقویٰ نہ لباس میں ہے نہ ظاہری صورت میں''

(حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب مصنفہ مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی ص 146، 147)



شکور بھائی چشمے والے، ٹرمپ اور قادیانی کارڈ



ارمغان احمد داؤد

کچھ مہینے گزرتے ہیں اور ہمارے پاکستانی ہم وطنوں کو پھر سے اپنے اجماعی و متفقہ عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت کے لئے فیس بک کی راہوں پر لٹھ لے کر بھاگنا دوڑنا پڑتا ہے۔

کہانی کچھ یوں ہوئی کہ کچھ سال پہلے پنجاب پولیس نے ربوہ شہر میں اسی سالہ شکور بھائی چشمے والے کی دکان پر ریڈ کر کے "ممنوعہ لٹریچر" رکھنے کے الزام میں انہیں گرفتار کر کے تعزیراتِ پاکستان کے دفعہ دوسو اٹھانوے سی کے تحت مسلمانوں کے جذبات مجروح کرنے، احمدیت کی تبلیغ کرنے اور نیپ کے تحت دہشت گردی کی دفعہ گیارہ ڈبلیو میں ممنوعہ لٹریچر کو چھاپنے اور بیچنے کا مقدمہ دائر کر دیا۔ ریڈ کے وقت علامہ طاہر اشرفی کے بھائی (غالباً حسن معاویہ نام ہے) بھی پولیس کے ساتھ موجود تھے جو کہ احمدیوں پر اس طرح کے مقدمات کروانے کے لئے شہرت رکھتے ہیں۔ شکور بھائی پر مقدمہ چلا اور انہیں ان دفعات کے تحت تین اور پانچ سال کی سزا سنا دی گئی۔

جس ممنوعہ لٹریچر پر سزا سنائی گئی اس کی لسٹ ہائی کورٹ اپیل کے فیصلے سے ملاحظہ ہو:

1۔ تفسیرِ صغیر (اردو ترجمہ قرآن از مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب، جماعت احمدیہ کے دوسرے خلیفہ)

2۔ اردو ترجمہ قران از مرزا طاہر احمد صاحب (جماعت احمدیہ کے چوتھے خلیفہ)

3۔ اردو لفظی ترجمہ قرآن از میر محمد اسحاق صاحب

4۔ کشتی نوح از مرزا غلام احمد صاحب (بانی جماعت احمدیہ)

5۔ تذکرۃ المہدی

6۔ روزنامہ الفضل

7۔ ماہنامہ مصباح

دو ہزار دس کے جس نوٹیفیکیشن کا حوالہ دیا گیا کہ یہ لٹریچر اس کے تحت ممنوعہ ہے، اس نوٹیفیکیشن میں سوائے الفضل اور مصباح کے ان میں سے کسی اور کتاب یا ترجمہ قرآن کا نام نہیں۔ روزنامہ اور ماہنامہ جو کہ ویسے ہی حکومت کی اجازت سے نکلتے ہیں، اس کے کسی خاص ایشو کو بین کرنے کی بجائے پچھلی اگلی سب اشاعتوں کو بین کر دینے میں جتنی عقلمندی ہے وہ اظہر من الشّمس ہے۔ جب نوٹیفیکشن میں نام نہ ہونا ہائی کورٹ میں زیر بحث آیا تو فیصلے کا لب لباب یہ ہے کہ تو کیا فرق پڑتا ہے، کچھ کتابیں تو ہیں نا جو برآمد ہوئیں ہیں جن کے نام نوٹیفیکیشن میں ہیں۔ بس رہے نام اللہ کا۔

لٹریچر تو خیر بہانہ تھا، بدنیتی اس بات سے ہی ظاہر ہے کہ تین ساڑھے تین سال کے اس عرصے میں لاتعداد تاریخیں دے کر اس کیس کو دانستہ طور پر التوا میں رکھا گیا۔ احمدیوں کے اکثریتی شہر میں احمدیوں کو قرآن اور کتابیں بیچنے سے عامۃ المسلمین کے جذبات کیسے مجروح ہو جاتے ہیں یہ راز ابھی تک طشت از بام نہیں ہوا۔ اگر یہی کرنا ہے تو مسلمانوں کے جذبات تو احمدیوں کے سانس لینے سے بھی مجروح ہو جاتے ہیں، اب کیا احمدی سانس لینا بھی چھوڑ دیں؟ یا سب احمدیوں کو جیل میں ڈال دیا جائے؟ خیر، ہائی کورٹ نے شکور بھائی کی اپیل خارج کر دی مگر ساتھ ہی سزا پوری ہونے کا عندیہ دے دیا جس کی وجہ سے شکور بھائی رہا ہو گئے۔

ظلم کی بات یہ کہ شکور بھائی کے ایک ملازم، جو کہ شیعہ ہیں، بھی ساتھ ہی گرفتار کئے گئے ان کو بھی پانچ سال کی قید کی سزا سنائی گئی تھی۔

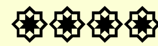
امریکا کے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی جانب سے مذہبی آزادی کو فروغ دینے اور مذہبی ایذا رسانی کی سچی کہانیاں دنیا کے ساتھ شیئر کرنے کیلئے انیس ملکوں سے تیس لوگوں کو دعوت دی گئی۔ اس میں مختلف ملکوں سے تیرہ عیسائی، چین اور برما سے مسلمان، بنگلہ دیش سے ہندو، افغانستان سے ہزارہ شیعہ، عراق سے

یزیدی، ایران سے یہودی اور بہائی، پاکستان سے عبدالشکور احمدی اور شان تاثیر (سلمان تاثیر کے بیٹے) اور باقی ملکوں سے کچھ لوگ اور شامل تھے۔ان کی امریکا کے صدر ٹرمپ سے بھی ملاقات کرائی گئی اور شکور بھائی نے ٹرمپ کو صرف وہی بتایا جوان کے ساتھ ہوا۔بس۔مگر یہاں پاکستان وہ طوفان بدتمیزی برپا ہوا کہ الامان الحفیظ۔

اگر تو شکور بھائی نے ٹرمپ کے سامنے جھوٹ بولا تو وہ جھوٹ واضح کیا جائے، اور اگر شکور بھائی نے سچ بولا جس سے آپ کے نزدیک پاکستان کی بدنامی ہوئی، تو پاکستان کے شکور و تاثیر کی زبانوں کو تالے لگانے کی بجائے ایسے قوانین ختم کریں جس سے پاکستان کی بین الاقوامی سطح پر بدنامی ہوتی ہے۔آپ کا دل ہے کہ آپ مذہبی شدت پسندی اور ظلم بھی کرتے رہیں اور مظلوم آہ بھی نہ نکالے۔ایسے نہیں ہوسکتا۔

جس ملک میں انتہا پسند نظریات رکھنے والے، تفرقہ پھیلانے والے کھلے پھرتے ہوں۔بین الاقوامی سطح پر دہشت گرد کہلانے والے دھوپ چھاؤں کی طرح ادھر ڈوبے، ادھر نکلے کی تصویر پیش کرتے ہوں، وہاں عبدالشکور جیسے قرآن بیچنے والے ہی مجرم قرار پائیں گے۔

بول کہ لب آزاد ہیں تیرے
بول زباں اب تک تیری ہے
تیرا ستواں جسم ہے تیرا
بول کہ جاں اب تک تیری ہے







حقوق العباد

اطہر حفیظ فراز

اپنا بنا رہے ہیں حقوق العباد میں،
سب کو ملا رہے ہیں حقوق العباد میں

یا رب!! ترے ہی فضل و کرم سے یہ آج ہم
توفیق پا رہے ہیں حقوق العباد میں

پیاسوں کی زندگی تھی اجیرن سی ہو گئی
نلکے لگا رہے ہیں حقوق العباد میں

مالک ہوں یا غلام ہوں، سب ایک میز پر
مل جل کے کھا رہے ہیں حقوق العباد میں

غربت سے، احتیاج سے لاکھوں ہی مر گئے
باقی بچا رہے ہیں حقوق العباد میں

عیدین ہوں یا ہو کوئی ایسا ہی مرحلہ،
خدمات لا رہے ہیں حقوق العباد میں

دیکھو!! خدا کی راہ میں اور اس کی چاہ میں،
سب کچھ لٹا رہے ہیں حقوق العباد میں

الفت سبھی سے ہے ہمیں، نفرت کبھی نہیں،
نغمات گا رہے ہیں حقوق العباد میں

آفت زدہ عوام سے مذہب نہ پوچھئے،
رہبر بتا رہے ہیں حقوق العباد میں

ماں باپ، اور اولاد سے اور اقرباء سے بھی،
رشتے نبھا رہے ہیں حقوق العباد میں

بیواؤں کو، یتیموں اور ہر غریب کو،
ترکے دلا رہے ہیں حقوق العباد میں

ہم تو فراز!! لوگوں میں اقدار بانٹ کر،
قومیں بنا رہے ہیں حقوق العباد میں



یوٹیوب کے لئے تیار کردہ جگاڑی مناظرے

مضمون نگار: سی اے بھٹی

دینا بھر میں پھیلی علمی درسگاہوں اور جامعات کی درجہ بندی کرنے والے ادارے (QS) نے 2019 کی درجہ بندی رپورٹ شائع کردی ہے۔جس کے مطابق حسب معمول وطن عزیز کی کوئی بھی یونیورسٹی دنیا کی پہلی 350 یونیورسٹیوں کی لسٹ میں جگہہ بنانے میں کامیاب نہیں ہوسکی۔(یادرہے آج سے کچھ سال قبل تک اسی کے لگ بھگ حال ہمارے ہمسائے یعنی انڈیا کا بھی تھا مگر اب نہیں اب تو 2019 میں اس کی دو درجن جامعات کیو۔ایس رینکنگ کا حصہ ہیں۔)

اب بتائیں ایسا حال آخر کیوں نہ ہو ہمارا ملک وہ دیس ہے جس میں استاد انگریزی پڑھانے کی بجائے اس کا جگاڑ سکھاتے ہیں اور مزے کی بات ہے سٹوڈنٹس کو اے بی سی آئے یا نہ آئے اس جگاڑ کی مدد سے وہ میٹرک میں انگلش کا پرچہ ضرور پاس کر لیتے ہیں۔یعنی ماسٹر صاحبان انگریزی کی بجائے جگاڑ کے ماسٹرز ہیں۔انہیں دنوں جب ہندوستان کے ٹیچرز بھی ہماری ماسٹروں کی طرح جگاڑ کی استادی سکھایا کرتے تھے سونی ٹی وی کے مشہور زمانہ بین الاقوامی" لافٹر چیلنج "مقابلہ میں ہندوستان کے ایک مایہ ناز کمیڈین نے اس دکھتی رگ کو اپنے مذاق کا نشانہ بنایا تھا۔وہ بتاتے ہیں کہ میٹرک میں ہمارے انگریزی کے استاد نے حوصلہ دیتے ہوئے سمجھایا کہ انگریزی سے پریشان نہیں ہونا۔میں آپ کو چند ایک ماڈل مضمون لکھوا دیتا ہوں آپ اس کو رٹا لگالیں پھر چاہے جو بھی ٹاپک آجائے آپ صرف شروع کی لائن تبدیل کریں باقی وہی سارا رٹے والا مضمون گھسیٹر دیں۔جیسے ٹورنامنٹ۔اب چاہے ہاکی آجائے یا کرکٹ،کبڈی آجائے یا باسکٹ بال صرف شروع کی لائن بدل کر باقی جگاڑی لائنیں فٹ کردیں مضمون تیار ہے اور آپ شرطیہ پاس ہیں۔وہ کمیڈین حاضرین کو بتاتا ہے کہ ہم اسی پروگرام کے تحت امتحانی ہال میں پہنچ گئے۔یاد کیا ہوا تھا مائی بیسٹ فرینڈ۔پرچے میں مضمون آگیا مائی فادر۔بے دریغ استاد کا فارمولہ لگا دیا۔اب وہ بتاتا ہے کہ میں نے امتحان میں کیا پاس ہونا تھا میرے امی ابو کی طلاق ہوتے ہوتے بچی۔اس نے مضمون یوں شروع کیا

There are so many fathers but mohan das is my best Father

ہال تالیوں سے اور حکمرانوں کا دماغ غفلت سے جاگ اٹھا اور انڈیا کی دو درجن کے قریب جامعات QS کی رینکنگ کا حصہ بن گئیں۔اب کہنے کو تو یہ ایک مزاحیہ فنکار کا کلپ تھا مگر حیرت ہے کہ آج کے پاکستان میں ''احمدی غیر احمدی جنگ'' یا بقول علماء ''قادیانی غیر قادیانی جنگ'' ایسے ہی جگاڑ کے سہارے جیتی جا رہی ہے۔اب ہر عالم دین خواہ وہ لال داڑھی والا ہو یا سفید ریش مبارک والا۔وہ سبز پگڑی پہنتا ہو یا کالی دستار خاص۔سب ہی آپ کو ٹیوٹرل مناظرے یا بالفاظ دیگر آسان جگاڑی مناظرے مہیا کرتے نظر آئیں گے۔جس میں آپ حسب ذائقہ نام جگہ اور مقام ڈال کر" قادیانی مربی پر فتح " کا نعرہ مستانہ لگا کر" قادیانی تابوت میں ایک اور آخری کیل" لگا سکتے ہیں

ہمارے قول و عمل میں تضاد کتنا ہے
مگر یہ دل ہے کہ خوش اعتقاد کتنا ہے
ہے یوں تو میرے رقیبوں میں اختلاف بہت
مرے خلاف مگر اتحاد کتنا ہے

اس سے پہلے کہ ہم آپ کی خدمت میں یہ صنف نومولود پیش کریں اس کی خصوصیت اور وجہ پیدائش بیان کرنا ضروری ہے۔وجہ پیدائش یہ ہے کہ پاکستانی 22 کروڑ انسانوں کے سمندر میں"بقول شوکت عزیز صدیقی صاحب سابق جج آف ہائی کورٹ اسلام آباد قادیانی ڈھائی یا تین لاکھ کی تعداد میں تھے" اور 1974 میں سرکاری کافر کا اعزاز پانے کے بعد اور 1984 کے امتناع قادیانیت آرڈیننس کی برکت سے اس میں سے زیادہ بیرونی ملک" کھسک" گئے۔کچھ کو ہم نے مار دیا اور کچھ کو قانون کی ہتھکڑی لگا کر کال کوٹھڑیوں میں بند کردیا۔باقی جو بچ گئے وہ انگلیوں پر گنتی کی مار ہیں۔اور وہ بھی کسی نہ تین میں ہیں نہ تیرہ میں۔اب کل ملا کر جغرافیائی صورت حال یہ بنی کہ ہمارے مدرسوں سے برآمد ہونے والے زیادہ

ترعقابی اُڑان اور چیتے کی چال رکھنے والے مجاہدین نے" قادیانی ٹائپ" اس نوع کی کسی چیز کو دیکھا ہی نہیں اور خاص طور پر ان کا وہ مسکین صورت، سر پر جناح ٹوپی پہنے سائیکل پر پھرتا اور لمبی لمبی السلام علیکم کہنے والا مربی تو کبھی کا عنقا ہے۔تو پھر مناظرہ کس سے کیا جائے؟۔ یوں قادیانیوں کی اس" گونگی بدمعاشی'' سے نمٹنے کے لئے ہمارے شیوخ الاسلام اور علمائے عظام کو یہ ٹیوٹرل مناظرے متعارف کروانے کی ضرورت پیش آئی۔۔اب اگر کسی مجاہد نے کوئی احمدی کتاب نہیں بھی دیکھی یا کسی احمدی سے نہیں بھی ملا، تو بھی پریشانی کی بات نہیں وہ مناظرہ جیتنے کی نعمت سے محروم نہیں رہ سکتا۔وہ سٹیج پر دھڑلے سے کسی نہ کسی قادیانی سے مناظرے کا قصہ سنا بھی سکتا ہے اور اس طرح سے اسلام کا بول بالا کر کے لاکھوں دعائیں بھی سمیٹ سکتا ہے۔اس مذہبی App کی خاص اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ایسے مناظروں میں پہلے والا مولوی لازماً احمدی مربی سے ہار رہا ہوتا ہے پھر یہ والے مولوی صاحب انٹری ڈالتے ہیں اور احمدی مربی دم دبا کر بھاگ نکلتا ہے۔اور اسلام کا بول بالا ہوجاتا ہے۔اب یہ پہلے والا مولوی لازماً دوسرے بدعتی فرقے کا ہوتا ہے یا اپنے ہی فرقے کا وہ خودساختہ شیخ الحدیث ہوتا ہے جو اس اصلی والے شیخ الحدیث کو گھاس ڈالنے کے لئے تیار نہیں تھا۔اب جب پہلے والا مولوی ذلیل ہورہا ہوتا ہے تو یہ دوسرے والے جو باطن میں شیخ الحدیث ہیں انتہائی ادب اوراحترام سے اپنے پہلے والے مولوی سے اور احمدی مربی سے صرف ساڑھے پانچ منٹ بات کرنے کی اجازت مانگے گا۔مربی تو خوش دلی سے جب کہ ہارا ہوا شیخ الحدیث بددلی سے اجازت دے دے گا۔اور پھر جب یہ باطنی طاقت والے شیخ الحدیث علم کے سمندر کا منہ کھول دیں گے تو صرف ساڑھے تین منٹ کے بعد قادیانی مربی مناظرہ چھوڑ کر بھاگ چکا ہوگا اور میدان تاج وتخت ختم نبوت زندہ باد کے نعروں سے گونجنے لگے گا۔ چنانچہ مشہور مناظر اسلام، فخر اسلاف، مجاہد ملت ،شیخالحدیث ڈاکٹر منظور احمد مینگل صاحب جامعہ صدیقہ کراچی والے نے بھی اس رمضان میں ایسے ہی ایک جیتے ہوئے ایک مناظرے کا حال سنا کر کے ہم دنیا



داروں کا ایمان بڑھا دیا۔آپ نے بتایا کہ" جامعہ فاروقیہ اور اس کے قاری امین حضرات سب موجود ہیں۔کچھ قادیانی ہمارے افسران ہارون اور مطیع اللہ کو قادیانی مرتد بنا رہے تھے۔وہ یہاں ہمارے ایک بڑے ادارے کے مولوی صاحب کو مناظرے کے لئے لے گئے۔مولوی داؤد اور مولوی وسیم قادیانیوں کے مولوی تھے منٹ میں قادیانی مولویوں نے اس کو اُٹھا کر پھینک دیا۔اس کو اٹھا کر زمین پر پھینک دیا۔انہوں نے کہا کہ اب قادیانی بن جاؤ قادیانی نے منٹ میں تمہیں ذلیل کر دیا اور کہتے ہو میں نے فلاں سے پڑھا فلاں سے پڑھا تو وہ مولوی صاحب رونے لگے چنانچہ قاری امین اور مولوی عبداللہ جو ناظم ہیں جامعہ فاروقیہ ملیر کے، تو انہوں نے قادیانی سے کہا کہ اللہ کے واسطے چند دن کی مہلت دے دو۔چند دن بعد دوبارہ جاتے ہوئے مجھے بھی ساتھ لے لیا۔وہ حضرت شیخ الحدیث اور شیخ الاسلام بن کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئے اور مجھے پچھلی سیٹ پر بٹھا لیا میرے کپڑوں پر سالن گرا ہوا تھا۔مناظرہ شروع ہوا وفات وحیات مسیح پر مناظرہ شروع ہوا تو تو قادیانی نے پوچھا کہ ایمان کی قرآن سے تعریف بتاؤ مولوی کہتا ہے کہ میں حافظ قرآن نہیں ہوں۔میں نے کہا کہ میں بتاؤں۔کہا چپ کر کے بیٹھو۔قادیانی نے 5 یا 10 منٹ میں مولوی کو ذلیل کر دیا اب مولوی صاحب کے سامنے پانی پڑا ہے پیتے جارہے ہیں پیتے جارہے ہیں پیتے جارہے ہیں۔ہمارا منہ کالا ہو گیا۔ہمارے ساتھیوں کا بھی منہ کالا ہو گیا۔ہمارا منہ کالا ہو گیا تو مجھے بڑا غصہ آیا اور میں نے کہا کہ اس نے جھوٹ بولا کہ میں اس کا نائب ہوں۔اور پھر میں نے بات شروع کی تو 3 منٹ بعد قادیانی کہنے لگا کہ ہمیں اجازت دیں آج ہماری تیاری نہیں ہے اور وہ ایک ماہ کی مہلت مانگ کر بھاگ نکلے اور آج تک واپس نہیں آئے۔"(یہ مناظرہ کی روئداد یوٹیوب پر زیرعنوان قادیانیوں سے مناظرے کی دلچسپ روئیداد" میں دیکھی جاسکتی ہے)۔یہ تو ایک مثال ہے ورنہ مائیک والی سرکار جناب مفتی طارق مسعود صاحب ہوں یا۔شان دیوبندیت الیاس گھمن صاحب، امام بریلویت عرفان مشہدی صاحب ہوں یا عاشق اہل بیت عرفان



حیدری صاحب سب ہی ایک سے بڑھ کر ایک، مناظروں کی فتوحات کی داستانوں والے ید بیضا اپنی آستینوں میں چھپائے اور یوٹیوب پر چڑھائے بیٹھے ہیں۔

سوچتا ہوں کہ یہ بھی کیا بے بسی ہے۔احمدیوں کی تعداد بتانے کی بات چلے تو علماء بتاتے ہیں کہ ایک دو لاکھ سے زیادہ نہیں اور اگر ان پر نام نہاد فتوحات کی بات چل پڑے تو ہزاروں تو صرف فاتح قادیان مل جائیں گے۔اور ربوہ کو فتح کرنے والے جرنیلوں کی لسٹ اس سے سوا ہوتی ہے۔اتنے سارے فاتحین کے دیس میں احمدی اونچی آواز میں سانس بھی لے تو مولانا گھبرا کیوں جاتے ہیں؟ ہر روز کیوں بھیک مانگی جاتی ہے کہ ہمارے بنائے ہوئے قانون کی روشنی میں احمدی اپنے اپ کو دل سے کافر مان لیں؟ جس ملک میں احمدی اپنی شادی کارڈ پر بسم اللہ لکھ دے تو اسے حجلہ عروسی سے پہلے حوالات کا گندہ فرش نصیب ہوتا ہے اس ملک میں اتنی آزادی کہ کسی مدرسے میں جا کر مناظرہ۔ایسے بے بنیاد، لغو، بے نامی جھوٹے قصے گھڑنے کی ضرورت کیوں آ رہی ہے؟ ان یوٹیوب کی مناظراتی فتوحات پر مجھے شورش کاشمیری صاحب کا ایک بیان یاد آ رہا ہے جو انہوں مولانا غلام غوث ہزاروی کے بارے میں ان کی ایسی ہی حرکات پر گھبرا کر دیا تھا کہ آپ کے اس قسم کے اسلام سے تو میرا کفر ہی اچھا ہے۔

’’ہم مولانا ہزاروی سے درخواست کریں گے کہ از راہ کرم ہم گنہگاروں کو علماء کی ایک ایسی فہرست مہیا کر دیں جو آپ کے نزدیک راست مند اور دیانت دار ہیں۔فی الحال تو ہمیں آپ کی ذات کے سوا پورے ملک میں کوئی شخص ایماندار نظر نہیں آتا اور اگر اسلام کی نمائندگی آپ کرتے ہیں اور آپ ہی کے کردار و گفتار کا نام اسلام ہے تو ہم نہایت ادب کے ساتھ یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتے ہیں۔
یا شیخ العصر! اسلام کو دس ہزار سلام! آپ کے اسلام سے ہمارا کفر اچھا ہے۔‘‘
(چٹان 9 جون 1975 ص 5)

یقیناً میں شورش صاحب کی طرح یہ تو نہیں کہہ سکتا کیونکہ مجھے اپنا ایمان اور اسلام اپنی جان سے بھی عزیز ہے مگر ان جعلی مناظروں کی جھوٹی داستانیں تراش کر مجھے ہرانے والوں کو اتنا ضرور کہوں گا کہ ایسی جیت سے میں ہارا ہوا ہی اچھا ہوں

ان ہی کے سر پہ آنی ہے کہ جو سایہ میں بیٹھے ہیں
یہی اس ریت کی دیوار کا انجام ہونا ہے
کوئی زندہ نہیں رہتا کبھی توصیف بے جا سے
وہ جن کے نام ہیں اب کل انہیں بے نام ہونا ہے



غزل

مبارک عابد

تم ہی فصلِ گل ،خوشبوئے گل و گلزار ہو
تم ہی پریتم ہو ہمارے تم،تم ہمارا پیار ہو

سردیوں کی دھوپ ہو تم گرمیوں کی چاندنی
ہر کسی موسم میں تم ہی صبح پُر انوار ہو

اِک صدی کے نور کے رخشاں تسلسل کی مثال
اور کوئی تو نہیں وہ تم ہی تو سرکار ہو

یوں تو جہاں بھر میں محمدؐ کا عَلَم لہرائیں ہم
ہم تمہارا قافلہ تم قافلہ سالار ہو

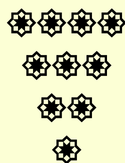
ہم سمجھتے ہیں تمہاری اک جھلک آبِ حیات
کہ تمہیں دلبر،تمہیں جاناں،تمہیں دلدار ہو

آخری شب جب تری خاطر دعا کرتے ہیں ہم
آنکھ میں موتی ہوں رُخساروں پہ اُن کا ہار ہو

اور ہم ہماری نسل تو اس پیڑ کے سائے میں ہو
آج پھر اس عہدکی تجدید ہو اقرار ہو

آج بر آئی مری اُمید بفضلِ خدا
کہ میری چاہت کا سامنے اظہار ہو

آج عابدؔ سچ ہوا یہ خواب کہ اپنا کلام
میں سناؤں جس جگہ وہ صاحب دستار ہو





احمدیوں سے نفرت کا اظہار

ارشد سلہری

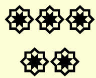
وطن عزیز میں خود کو احمدی کہنا تو کجا احمدیوں کے متعلق نرم رویہ رکھنا بھی خطرے سے خالی نہیں ہے۔ نرم رویہ ہو نہ ہو اگر آپ احمدیوں سے نفرت کا اظہار نہیں کرتے ہیں تو پھر بھی آپ کو شک کی نظر سے دیکھا جائے گا۔ گزشتہ دنوں ایک دفتری کولیگ نے اصرار کرنا شروع کر دیا کہ مرزا غلام احمد پر لعنت ملامت کریں ورنہ ہم سمجھیں کہ تم بھی احمدی ہو۔ راقم نے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ احمدی نہیں ہے اور مرزا صاحب کو گالی دینے سے انکار کر دیا کہ میں کسی کو گالی نہیں دے سکتا ہوں۔

اب وہ کولیگ اکثر واٹس ایپ پر مرزا صاحب کو گالیاں لکھ کر بھیجتا رہتا ہے۔ دوسری جانب راقم کے خلاف پروپیگنڈا کر رہا ہے کہ راقم مرزائی، قادیانی اور کافر ہے۔ اس دن سے کئی کولیگز کا رویہ بدل گیا ہے۔ یہاں تک مل کر چائے پینے، کھانا کھانے سے بھی گریز برتنے کی نوبت آ چکی ہے۔ گزشتہ روز سے سوشل میڈیا پر ایک احمدی بزرگ کی ویڈیو گردش کر رہی ہے۔ جس میں بزرگ احمدی امریکی صدر ٹرمپ کو احمدیہ کمیونٹی اور اپنے اوپر ہونے والے مظالم کے بارے اردو میں بتا رہا ہے۔

انگریزی ترجمہ شان تاثیر کر رہے ہیں۔ اب اس ویڈیو کو لے کر نفرت کے مزید الاؤ جلائے جا رہے ہیں کہ دیکھیں قادیانی اور شان تاثیر ملک اور اسلام کے خلاف سازش کر رہے ہیں۔ ویڈیو کو ہر طرف پھیلانے کی ہدایات دی جا رہی ہیں۔ سازش تو تب ہوتی کہ احمدی بزرگ غلط بیانی سے کام لے رہا ہوتا۔ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے وہ سب کچھ غلط ہوتا۔ شان تاثیر کے والد گورنر سلمان تاثیر بھی نفرت کی بھینٹ نہ چڑھے ہوتے۔ احمدی عبادتیں گاہیں نہ جلائی ہوتیں۔ احمدیوں کا عرصہ حیات تنگ نہ کیا ہوتا۔ پھر کہا جا سکتا تھا کہ احمدی دروغ گوئی سے کام لے کر ملک اور اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔ پاکستان کا کوئی شہری بزرگ احمدی کی ایک بات کو بھی جھٹلا نہیں سکتا ہے اور اس امر سے انکار نہیں کر سکتا ہے کہ جو بزرگ احمدی نے ٹرمپ کے سامنے باتیں کی ہیں وہ غلط ہیں اور محض پروپیگنڈا ہے۔ حقیقت سے ان باتوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ابھی چند پہلے سکھر میں ایک بے گناہ احمدی کو دن دیہاڑے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔

سیالکوٹ میں چند مذہبی سیاسی مقامی راہنماؤں نے بلوا کر کے احمدی عبادت گاہ مسمار کر دی تھی۔ لاہور میں احمدیوں کی دو عبادت گاہوں پر حملے کیے گئے جس میں نوے کے قریب احمدی جاں بحق ہو گے تھے۔ نفرتیں پھیلانے والے کیا یہ چاہتے ہیں کہ ہم قتل کریں۔ احمدیوں سے جینے کا حق بھی چھین لیں اور احمدی چپ چاپ رہیں۔ آہ بکا بھی نہ کریں۔ شکایت بھی نہ کریں۔ خاموشی سے قتل ہوتے رہیں۔ مذہب اور عقیدے کی بنیاد پر نفرت بعض کے نزدیک جزو ایمان ہے اور ان کی پیدا کردہ نفرتیں کئی انسانوں کی جان لے چکی ہیں۔

اللہ جانے آگے کتنے بے گناہ لوگ ان نفرتوں کی بھینٹ چڑھتے ہیں۔ ریاست نفرتوں کے خلاف بھی بیانیہ دے۔ ایسے لوگوں کا بھی احتساب کیا جائے جو مذہب اور عقیدے کے نام پر نفرتوں کا کاروبار کر رہے ہیں۔ پاکستان میں مذہبی اقلیتیں غیر محفوظ ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ پاکستان کو چند مذہبی قوتوں نے یرغمال بنا رکھا ہے۔ عمران خان حکومت نے جس طرح مسیحی خاتون آسیہ بی بی کی جان بچائی ہے اور اسے آزادی دی ہے۔ امید ہے نئے پاکستان میں احمدیوں سمیت تمام اقلیتوں کو تحفظ دیا جائے گا اور تمام اقلیتوں کو برابر کے شہری کی حیثیت سے تمام بنیادی انسانی حقوق حاصل ہوں گے۔ نفرتوں کے مراکز ختم ہوں گے۔ انسانی اقدار کو فروغ ملے گا۔ ہر مذہب اور عقیدے کا احترام کیا جائے گا۔ ایک دوسرے کی مقدسات کو مقدس ہی سمجھا جائے گا۔ مذہب اور عقیدے کے نام پر قتل و غارت گری کا باب بند ہوگا۔



جرمنی کے جن اور برصغیر کی سرپھٹول میں مصروف مذہبی جماعتیں

تحریر:: ابوارحم علی



اُس صبح جرمنی کے شہر کالسروئے میں جنوں کی ایک جماعت وقت کا کانٹا روکنے میں مصروف تھی۔ انہیں 36 گھنٹے کے مختصر وقت میں اپنے محبوب کے محبین کے لئے ایک آرام دہ نیّا تیار کرنی تھی۔ ہاتھوں میں بجلیاں تو ٹانگوں میں چیتے کی سی پھرتی، گداز دل، چھلکتی پلکیں، حمد سے لبریز سانسیں اور اطاعت کی مجسم تصویر۔۔۔ 36 گھنٹے ۔۔ وقت کی رفتار اور عاشقوں کے بیچ گھمسان کا رن پڑا اور پھر 4 جولائی 2019 کے ڈوبتے سورج نے اپنی آخری ہچکی سے پہلے یہ نظارہ دیکھا کہ میدان آخر عاشقوں کے نام رہا ۔وقت تھم گیا اور جنوں کی یہ ٹیم جیت گئی۔شام آٹھ بجے، اس سے پہلے کہ پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی سواری جلسہ گاہ کے مرکزی ہال کے دروازے پر رکتی تمام انتظامات احسن طریقے سے نبٹائے جا چکے تھے اور خدام کی یہ ٹیم اپنے محبوب آقا، امام مہدی علیہ السلام کے نائب اور لوائے محمد مصطفیٰ ﷺ کے محافظ کے لئے دیدہ و دل فرش راہ کئے قطاروں میں مجسم تصویر بنے داودی سُر میں یوں ہم کلام نظر آ رہے تھے

نہ غرور ہے کسی کام پر ، نہ سجود پر نہ قیام پر
مگر اے محمد مصطفیٰ مجھے ناز آپ کے نام پر
ہے جو آج جھولی بھری ہوئی ، ہے یہ بھیک بھی درِ پاک کی
سدا کاش لطف و کرم رہے یونہی مجھ سے ادنیٰ غلام پر
مرے مولیٰ مجھ پہ نظر وہی جو قریش مکہ پہ تھی کبھی
کہ جو پست تھے جو حقیر تھے وہی پہنچے اعلیٰ مقام پر

پیارے آقا نے انتظامات کے معائنہ کے بعد خطاب کرتے ہوئے فرمایا" کل سے آپ کا جلسہ شروع ہو رہا ہے۔کئی ہفتے پہلے سے بلکہ بعض شعبہ جات کئی مہینہ پہلے تیاری شروع کر دیتے ہیں۔بشمول جرمنی جماعت بڑی جماعتوں کے کارکنان اب اتنے تربیت یافتہ ہو چکے ہیں تھوڑے تھوڑے وقت میں بڑے بڑے کام کر لیتے ہیں۔اب کی بار بعض مشکلات تھیں جلسہ گاہ کا ہال اور اس کی تیاری کے لئے صرف 36 گھنٹے میسر تھے۔ایک وقت تھا کہ ہم کہا کرتے تھے کہ فلاں کارکن جن ہے اب خدا تعالیٰ نے جماعت کو جنات کی فوج عطا کر دی ہے۔ہمارے جن وہ ہیں جو فائدہ پہنچانے والے، کام کرنے والے اور قربانی کرنے والے ہیں۔"

وہ کہتے ہیں ناں کہ محبتیں فاصلوں سے بے نیاز ہوتی ہیں سو میں بھی تصوّر نیاز لٹانے، معائینہ تقریب کی طرف اُڑا چلا جا رہا تھا مگر راستے میں مولانا زاہد الراشدی صاحب کی ماتمی محفل نے پاؤں روک لئے۔بمشکل دامن چھڑا کے آگے بڑھا تو دیوبندی محاربین یعنی شورائی گروپ و اماراتی گروپ کے جھتوں نے راستہ کو میدان جنگ بنا کر بلاک کیا ہوا تھا۔ان جھتہ برداروں سے نظر بچا کے روانہ ہوئے تو بائیں جانب ٹیلے پر دیوبند کے نامزد امیر شریعت جناب عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب تھکے ہارے بڑبڑاتے مل گئے۔پہلو بچا کے نکلا تو جماعت اسلامی ہند کے داڑھی منڈے امیر سے ٹاکرا ہو گیا جو اپنی ہی جماعت کے حجاموں اور داڑھی کا سائز ماپنے والوں سے جان چھڑا کے فرار ہو رہے تھے۔اگلے چوک پر اہل حدیث کے بارہ تیرہ امیر رسہ کشی میں مصروف تھے تو سڑک کے ساتھ ساتھ دائیں جانب بریلوی درباروں کے مجاوروں اور گدی نشینوں کے گروپ ہلڑ بازی میں مصروف تھے بائیں طرف دیکھا تو شیعان علی سے ملاقات ہوگئی جو دھکم پیل میں سب سے آگے بڑھے جا رہے تھے۔۔غرض دنیاداری کے دھندے اور اس کے لئے سرداری کے دعاوی میں مصروف یہ ہزاروں ہزار گروپ سر نیچے اور کان بند کر کے اندھوں کی طرح ایک دوسرے سے دست و گریبان اسلام کی طرف جانے والے ہر راستے پر مصروف جنگ نظر آ رہے تھے۔میں سنتا گیا، دیکھتا گیا اور آگے بڑھتا گیا کیونکہ مجھے جس سالار قافلہ تک پہنچنا تھا وہ ان سب زمینی دعوے داروں سے الگ تھلگ آج کالسروئے کے وسیع عریض ہال میں اپنے خدام سے محو کلام تھا" یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ وہ آپ کو ہمت اور توفیق عطا کر دیتا ہے اس کے لئے ہر ایک کو شکر گزار ہونا چاہئے۔آپ جماعت کی خاطر وقت اور صلاحیتوں کو پورے طور پر بروئے کار لائیں۔اللہ تعالیٰ آپ کو تین دن اور پھر وائنڈ اپ پر دلجمعی سے کام کرنے کی توفیق دے۔کارکنوں کو میں نماز کی یاد دہانی کروایا کرتا ہوں کہ کام کی وجہ سے نماز معاف نہیں۔افسر صیغہ اس بات کو یقینی

بنائیں کہ ان کے کارکن وقت پر نماز ادا کریں۔۔جلسہ کے دن اس طرح سے گزاریں کہ ہر ایک کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آئیں" وہ کوثر وتسنیم میں دھلا چہرہ بولتا رہا اور سارا جہان ہمہ تن گوش ہو کر سنتا رہا۔دل کا گداز آنکھوں کے رستے کب ہونٹوں پر دھیرے سے یوں پھسل آیا پتہ بھی نہیں چلا

دراز قامت کہ جیسے سروِ سہی کھڑا ہو چمن میں کوئی
سبک خرامی کہ جیسے بربط سا بج رہا ہو بدن میں کوئی
نظر اُٹھا کے جو دیکھ لو ،تو فضا پہ جیسے شراب برسے
جو سانس لے لو ،تو، آسمانوں سے جیسے بوئے گلاب برسے
تمہارے لب ہیں رسیلے اتنے زباں تصور میں حظ اُٹھائے
تمہارے بازو گداز اتنے کہ بن چھوئے ہاتھ گد گدائے
ہے مختصر یہ کہ دست فطرت کا کیا ہی پیارا شاہکار ہو تم
بہار کہنا نہیں ہے کافی ، کہ روح حسن بہار ہو تم
میں اپنی قسمت پہ ناز کرتا ہوں تم سے وابستگی ہے مجھ کو
بجا ہی کہتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کتنی وارفتگی ہے مجھ کو

لندن وجرمنی جلسہ سالانہ ہی کے دنوں میں لندن میں تحفظ ختم نبوت کے لوگ بھی اپنا جلسہ کرتے اور جی بھر کر جماعت کو کوسنے دیتے ہیں۔انہیں جلسوں کا حال بیان کرتے ہوئے جماعت کے شدید مخالف جناب زاہد الراشدی صاحب زیر عنوان ''برطانیہ کی ختم نبوت کانفرنسیں' بیان کرتے ہیں۔''ان کانفرنسوں میں روئے سخن زیادہ تر قادیانیوں کی طرف ہوتا ہے۔۔پھر انہیں دنوں قادیانیوں کا سالانہ عالمی اجتماع بھی لندن میں ہوتا ہے اس لیے قادیانیت ہی ان کانفرنسوں کے مقررین کی گفتگو کا مرکزی عنوان ہوتی ہے اور علماء کرام روایتی جوش وخروش کے ساتھ قادیانیوں کے خلاف غیظ وغضب کا اظہار کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں کہ انہوں نے اگلے سال تک کے لیے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کا فریضہ ادا کر دیا ہے ان ختم نبوت کانفرنسوں میں ہونے والی گفتگو کا مواد اور انداز بھی وہی روایتی یعنی موچی دروازے اور لیاقت باغ والا ہوتا ہے۔جس سے پاکستان بھارت اور بنگلہ دیش سے آکر آباد ہونے والے پرانے حضرات کا ٹھرک تو پورا ہو جاتا ہے۔لیکن یہاں پیدا ہونے والے اور پروان چڑھنے والے نوجوانوں کے پلے کچھ نہیں پڑتا اس لیے ان اجتماعات میں نوجوانوں کی شرکت کا تناسب نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے''۔آگے چل کر تاسف سے یہ اعتراف بھی کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں:
یہ المیہ کم وبیش ہر کانفرنس میں شریک ہونے والے نوجوانوں کا ہے اور اب تو ان کانفرنسوں کے منتظمین کے اجلاسوں میں دبے لفظوں یہ بات زیر بحث آنے لگی ہے کہ ان کانفرنسوں سے آخر فائدہ کیا ہے؟''۔

(روزنامہ اوصاف 19اگست 1999اسلام آباد پاکستان)

یعنی میں اگر معروف تجزیہ نگار و کالم نویس جناب ہارون الرشید صاحب کے الفاظ استعمال کروں تو خلاصہ ہوگا کہ" کہاں راجہ بوج اور کہاں گنگو تیلی۔" کہاں آج 200سے زائد ممالک میں تبلیغ اسلام میں مصروف جماعت اوران کے فدائی کارکن اور کہاں جماعت احمدیہ کی بربادی کے اعلان کرنے والی جماعت جو یہ سوچ رہی ہے کہ آخر ان کے جلسوں کا فائدہ کیا ہے؟۔

پچھلے دنوں اہل حدیث کے فی زمانہ سب سے بڑے عالم دین اور شیخ الحدیث جناب زبیر علی زئی صاحب نے دیوبندی فرقے کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ" آل دیوبند کے پاس آخر ہے کیا ؟ جھوٹی باتیں، اکاذیب، افتراءات،مغالطات اور وحید الزماں حیدر آبادی (متروک) عنائیت اللہ گجراتی (ضال مضل منکر حدیث جو کہ اہل حدیث بالکل نہیں تھا) اور فیض عالم صدیقی (ناصبی) وغیرہم کے متروک وشاذ حوالے۔بس ایسی حرکتوں اور چالوں کے ذریعہ سے آل دیوبند اپنی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچانا چاہتے ہیں"(مجلہ صفدر فروری 2019 ص 42) تو جواب میں دیوبندی شیخ الحدیث ومفتی رب نواز صاحب نے اہل حدیث کا تعارف یوں کروادیا" علمائے دیوبند کی کشتی کو کوئی خطرہ نہیں۔اس کے برعکس غیر مقلدین کا اعتراف ہے کہ اُن کی کشتی کب کی ڈوب چکی اور وہ دینی اور دنیاوی ہر اعتبار سے پستی کے سمندر کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گرے ہیں۔چنانچہ جناب اعیان احمد صاحب کراچی لکھتے ہیں محترم آپ نے کبھی غور فرمایا ہے کہ آج اہل حدیث جس پستی اور زوال کا شکار ہیں وہ اپنی مثال آپ ہے ۔ ایمانی ،اخلاقی ،دینی اور دنیاوی ہر اعتبار سے یہ جماعت تباہی کے آخری درجہ میں پہنچ چکی ہے۔(صحیفہ اہل حدیث 16ذوالحجہ 1389ص 16)

عبد العزیز سابق سیکرٹری اہل حدیث ہند لکھتے ہیں آج جماعت اہل حدیث ایک جسم بلا روح رہ گئی ہے۔ بلکہ جسم کہتے ہوئے بھی قلم رکتا ہے۔آج ہم میں تفرق وتشتت کی یہ حالت ہے کہ شائد ہی کسی جماعت میں اس قدر اختلاف و افتراق ہو۔مذہبی احساسات وعقائد کی پختگی کا عشر عشیر بھی نظر نہیں آتا (فیصلہ مکہ ص 4 مشمولہ رسائل اہل حدیث جلد اول) داود غزنوی صاحب غیر مقلد کہتے ہیں جماعت اہل حدیث کو حضرت امام ابو حنیفہؒ کی روحانی بد دعا لے کر بیٹھ گئی۔(حضرت مولانا داود غزنوی ص 136) ابو بکر غزنوی غیر مقلد لکھتے ہیں مجھے معاً

مولانا آزاد کا اہل حدیث کے بارے میں وہ فقرہ یاد آ گیا ان پتھروں کو اگر میں ہزار برس بھی تراشتا رہوں تو ان سے انسان کا بچہ تو میں پیدا نہیں کر سکتا (فاران سلور جوبل نمبر 1986 ص 219 بحوالہ مقدمہ رسائل اہل حدیث 1 / 113) ان حوالہ جات سے معلوم ہو گیا ہے کہ غیر مقلدین کس قدر پستی میں جا گرے اور ان کی کشتی ڈوب کر کس قدر گہرائیوں میں جا پہنچی ہے

(مجلہ صفدر فروری 2019 شمارہ 96 مظہر یہ دارالمطالعہ سومرو بنیاد محمد سرفراز خان صفدر ص 42 تا 50)

کچھ عرصہ پہلے تک جماعت اسلامی پاکستان کے امیر جناب سراج الحق صاحب نماز عید غلط پڑھانے پر سوشل میڈیا پر سخت زیر عتاب تھے تو آج کل جماعت اسلامی ہند کے نئے امیر جناب سید سعادت اللہ حسینی صاحب اپنی داڑھی اور عمر کی چھوٹائی کی وجہ سے لطیفوں کا موضوع بنے ہوئے ہیں۔ دلی میں ہندوستان ایکسپریس کے صحافی جناب محمد علم اللہ صاحب نے امیر جماعت ہند کا دفاع کرتے ہوئے لکھا کہ ”سعادت اللہ حسینی صاحب کے منصب سنبھالتے ہی بہت سوں کے اندر چھپا حجام باہر نکل آیا ہے اور داڑھیاں ناپی جانے لگیں کیونکہ رخصت ہونے والے امیر کے مقابلہ میں نومنتخب امیر کی داڑھی اور عمر دونوں ہی کم ہیں۔“ آپ جماعت اسلامی میں انتخاب سے امیر کا دفاع کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”اس سچ کو بول دینے پر میری زبان تو نہیں کھینچ لی جائے گی کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ میں پچھلی کئی دہائیوں سے صدارت کے منصب پر مخصوص ماموں اور ان کے مخصوص بھانجے ہی کیوں جلوہ افروز ہیں؟ کوئی صاحب بتانے کی زحمت فرمائیں گے کہ جمعیت علمائے ہند پر مولانا حسین احمد مدنی کی آل اولاد کی ہی اجارہ داری کیوں ہونی چاہئے؟ اگر یہ واقعی ہندوستان کے علماء کی جمعیت ہے تو اس کے ذمہ دار مولانا ارشد مدنی یا ان کے بھتیجے محمود مدنی ہی کیوں بنیں؟ کسی میں کلیجہ ہے جو بتائے کہ شیعہ پرسنل لاء بورڈ مولانا محمد اطہر کے بعد ان کے بھائی مولانا محمد اشفاق اور بیٹے مولانا یعقوب عباس کو کیوں ملا؟ اس کے علاوہ کوئی شیعہ مولوی اس لائق نہ تھا؟ کوئی بتانا چاہے گا کہ جمعیت اہل حدیث کی امارت کے لئے برسر اقتدار امیر مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی کے سامنے کوئی امیدواری کی ہمت ہی نہیں کرتا۔ اور جو کرتا ہے تو کہنے والے کہتے ہیں کہ اسے کوٹ دیا جاتا ہے؟ کیا اس سوال کا کوئی جواب ہے کہ فی سبیل اللہ دین کی خدمت کی بات کرنے والی تبلیغی جماعت پر قبضہ کے لئے دو گروپ سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہیں اور جب کبھی بات زیادہ بڑھتی ہے تو بندوقیں تک نکل آتی ہیں؟ کیا وجہ ہے کہ اس ملک کے زیادہ تر مدارس کے بانیان دم نکلنے تک اس پر حاکم کی طرح مسلط رہتے ہیں اور ان کے مرنے کے بعد بچے یا داماد یا بھانجے بھتیجے اس میراث کو بانٹ لیتے ہیں؟ کیا بریلویوں کے اندر امام احمد رضا فاضل بریلوی کے خاندان کے علاوہ کوئی صاحب علم، متقی، اور منتظم نہیں۔ لیکن کسی کے اندر یہ بوتا نہیں کہ وہ اعلیٰ حضرت کے کسی علمی اور مذہبی منصبوں کو حاصل کر سکے۔ بیٹا کتنا ہی بدقماش کیوں نہ ہو منصب سجادگی انھیں کو عطا ہوگی۔ (14 اپریل 2019 زیر عنوان دیندار حجام اور جماعت اسلامی کے نئے امیر کی داڑھی ہم سب ویب سائٹ پر محمد علم اللہ جامعہ ملیہ دہلی کے تحت بھی موجود ہے)

اگلے دن 5 جولائی کو پیارے آقا نے خطبہ جمعہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ”ہمیں یہ جمعہ جلسہ سالانہ کی صورت میں ملا ہے کہ ہم اپنی عملی، روحانی اور اخلاقی بہتری کی کوشش کر سکیں۔ اللہ کا قرب حاصل کرنے اور تقویٰ میں بڑھنے کا سامان کر سکیں۔“ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک اقتباس پیش فرمایا ”میں ہرگز نہیں چاہتا کہ حال کے پیروں کی طرح صرف ظاہری شوق کے لئے اپنے ماننے والوں کو جمع کروں بلکہ علت غائی اصلاح ہے۔ جلسہ کا مقصد ہے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی اصلاح ہو۔ اور اللہ کا حق اور مخلوق کا حق ادا کرنے والے ہوں۔“ پھر حضور نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ”پس جلسہ میں آنے والے اور ڈیوٹیاں دینے والے ان دنوں ذکر الٰہی سے زبانوں کو تر رکھنے کی کوشش کریں اور خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے والے بنیں۔“

امام آخر الزمان اور ان کے خلفاء نے اپنی جماعت کو قرآن سنایا، قرآن پڑھایا اور قرآن سکھایا اور جلسوں کو بھی قرآنی معارف بیان کرنے کے لئے منعقد کیا۔ سو آج زمین کے چپے چپے پر جماعت احمدیہ کے جلسے بھی ہیں اور قرآن سنانے کے بندوبست بھی ہیں مگر وہ جنہوں نے گالی گولی اور طنز کو اپنا وطیرہ بنایا۔ اللہ کے محبوبوں کو ستایا مگر دنیا سے کیا پایا یہ سننا اور جاننا بھی بہت ضروری ہے

”شاہ صاحب کشمیر میں تھے ہم لوگ شاہ صاحب کو لینے کشمیر گئے۔ رات ملاقات ہوئی بات کوئی نہ ہوئی صبح ہم نے تلاش کیا، پتہ چلا فلاں جھیل کی پہاڑی کے اوپر صبح کی نماز پڑھ کر چلے جاتے ہیں اور کافی دیر بعد واپس آتے ہیں۔ جب ہم وہاں پہنچے، ہم نے کیا نقشہ دیکھا پہاڑی کی چوٹی پر تشریف فرما ہیں۔ ابھی پو اچھی طرح پھٹی نہ تھی۔ چھ بجے کا وقت تھا۔ پہاڑ کے درمیان جھیل کی دوسری طرف ایک اور پہاڑی ہے جہاں سے پانی بہتا ہے مگر خاموشی کے ساتھ، زمین، آسمان فضا سب خاموش ہیں شاہ صاحب محو تلاوت ہیں با آواز بلند کوئی انسان نہیں

، ہم نے ان آنکھوں سے نظارہ کیا۔ سامنے کی پہاڑی پر جم غفیر ہے، سانپ ہی سانپ تھے چھوٹے بڑے، درمیانے، ایک بہت بڑا سانپ بھی پھن پھیلائے جھوم رہا تھا۔ ہم وہیں رک گئے سانسیں بھی روک لیں اور بیٹھ گئے۔ پون گھنٹے کے بعد شاہ صاحب نے تلاوت ختم کی اور سانپوں نے پہلے سر کو پہاڑی پر رکھا جیسے سجدہ ریز ہوں پھر آہستہ آہستہ چلے گئے۔''

تحریک تحفظ ختم نبوت کے مؤرخ جناب محمد طاہر رزاق صاحب نے یہ واقعہ درج کرنے کے بعد جناب عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب کے وہ دلدوز الفاظ درج کئے ہیں جو ان کے دلی کرب کے بھی آئینہ دار ہیں اور زندگی کی سعی لاحاصل کی بھی بازگشت ہیں'' شاہ صاحب نے ہماری طرف دیکھا اور کہا کا مریڈ دیکھا تم نے؟ میں اگر پہاڑوں کو قرآن سناؤں تو ریزہ ریزہ کردوں، ہوا کو ساکت کر دوں، سمندر کو برف بنا دوں مگر میری قوم نے میرے سر کے بالوں کی سیاہی سفیدی میں بدل دی مگر میں ان کے دلوں کی سیاہی کو نہ دھو سکا

(ہفت روزہ ختم نبوت جلد 7 شمارہ 11 بحوالہ ختم نبوت کے محافظ ص 101 حضوری باغ روڈ ملتان)

وہ بلا کا خطیب ایک چھوٹی سی جماعت کو کیوں نہ ہرا سکا ؟ اس لئے کہ اس نے اپنے ہزاروں کے مجمع اور اپنے چہیتے شاگردان کرام کو سب کچھ سنایا مگر قرآن نہ سنایا ۔ وہ قرآن جس کے بارے میں آپ کا دعویٰ ہے کہ جسے سنا کر آپ ہوا کو ساکت کر سکتے تھے اور سمندروں کو جما سکتے تھے اور پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر سکتے تھے مگر آپ تو اس قرآن کو طاق نسیاں میں ڈال کر بقول آغا شورش کاشمیری صاحب طنز و تمسخر کی دنیا میں جا نکلے'' ان کے ہاں طنز بھی ہے سخت قسم کا طنز لیکن سب وشتم نہیں جن چیزوں سے نفور ہوں ان سے تمسخر بھی روا رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں اس تمسخر یا پھکڑ کی زد سب سے زیادہ مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کی ذریات پر پڑتی ہے۔'' (سید عطاء اللہ شاہ بخاری، صفحہ 194 از شورش) طنز اور تمسخر اڑانے والی زبانوں پر حقارت تو چڑھ سکتی ہے قرآن نہیں۔ سو وہ قرآن گنوا بیٹھے اپنی حقارت بیچتے بیچتے۔ سو قرآن سننے والے جرمنی کے" خادم دین جنوں" کو صحرائے اعظم کے احمدیوں کی طرف سے بہت بہت مبارک قبول ہو۔

ہے جو آج جھولی بھری ہوئی ، ہے یہ بھیک بھی درِ پاک کی
سدا کاش لطف و کرم رہے یونہی مجھ سے ادنیٰ غلام پر
مرے مولیٰ مجھ پہ نظر وہی جو قریش مکہ پہ تھی کبھی
کہ جو پست تھے جو حقیر تھے وہی پہنچے اعلیٰ مقام پر



غزل

ساجد رانا

ملاں نے کی ہے کیسی کرامت گلی گلی
ہوتی ہے اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت گلی گلی

کیسے سجے ہوئے ہیں یہ فتوے دکان میں
ہونے لگی ہے دیں کی تجارت گلی گلی

بغض و عناد ، جھوٹ ، زنا ، دھوکہ اور فریب
اور اسکے ساتھ ساتھ ہے رشوت گلی گلی

بکھرے ہوئے ہیں لاشے بھی حدِ نظر تلک
ہوتی ہے ویسے رب کی عبادت گلی گلی

مسجد الگ الگ ہے جنازہ الگ الگ
اپنا خدا ہے اپنی شریعت گلی گلی

مفتی ہیں چار سو کہیں اور غم ہیں بے پناہ
کیسی چمک رہی ہے مہارت گلی گلی

جتنے عظیم تر ہیں یہ اتنے خبیث ہیں
دائم ہے ان کے دم سے یہ لعنت گلی گلی

گدھ اور سگِ جہان ہیں کہلائیں مفتیان
پھیلی انہی کے دم سے ہے وحشت گلی گلی

اس واسطے وطن کا ہے سکھ چین لٹ گیا
بکھری ہے مولوی کی شرافت گلی گلی

معصومیت کہوں یا جہالت کہوں اِسے
آئی ہوئی ہے سب کی جو شامت گلی گلی

کردار کچھ نہیں مرا اوقات کچھ نہیں
کرنی ہے پھر بھی مجھ کو امامت گلی گلی

عادت سی ہو گئی ہے لہو دیکھنے کی اب
اب رسم بن گئی ہے یہ دہشت گلی گلی

لکھنے کو اور سنانے کو اب کچھ نہیں رہا
ساجدؔ کچھ ایسے پھیلی جہالت گلی گلی



مَیں قادیانی ہوں

تحریر۔ ارمغان احمد داؤد

ہمارا نام آپ کے نزدیک 'قادیانی' ہے اور اگر آپ کو قاف منقوط اس لفظ میں استعمال کرتے ہوئے اسلام کی نظریاتی دیواروں پر کوئی ہلکی سی خراش محسوس ہو تو بھلے 'مرزائی' کہہ لیں ہمیں کوئی فرق نہیں کیونکہ ہم قادیانی ہیں اور نہ ہی مرزائی۔ ہماری ساری عمر آپ لوگوں سے کفر و زندقہ نیز غداری کی اسناد لیتے گزری کہ اب ہماری اپنی پڑھائی کی اسناد اس ملبے تلے دبی پڑی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ کافی عرصے سے ایک ہی جگہ نوکری کر رہے ہیں ورنہ کہیں اپنی پڑھائی کی اسناد کی بجائے ایسی ڈگریوں کی حامل اسناد کی نقل بھیج دیتے جن کا نوکری سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تو کتنا برا لگتا نا جیسا کہ کافر، کافر، دنیا کا غلیظ ترین کافر، یہود و نصاری سے بدتر کافر وغیرہ وغیرہ۔ پھر انٹرویو میں یہی کہتا کہ 'جی میرا پینتیس سال کا کافر ہونے کا تجربہ ہے، کوئی عام سا کافر نہیں بلکہ شیعہ سے بھی بدتر کافر'

پرسوں ایک دوست کا فون آیا، گو کہ وہ بھی کافر ہی ہیں مگر کیونکہ سرکاری طور پر ان کے کفر پر ابھی تک مہر تصدیق نہیں لگی اس لئے فی الحال سرکاری طور پر مسلمان ہیں۔ خیر بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی، ان کو سرکاری طور پر کافر قرار نہ بھی دیں تو کیا، ہماری قوم نے ان کو مار مار کے ہی ختم کر دینا ہے۔ کہنے لگے یار کیپٹن صفدر نے ہماری آنکھیں کھول دیں ہیں، اب تم جیسوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹا بھی دیا جائے گا اور آئندہ سے کلیدی عہدوں پر تعیناتی بھی نہیں ہوگی۔ ہم نے کہا کہ اس کا مقصد صرف فوج اور سرکاری ادارے ہیں۔ کہنے لگے کہ تم چاہتے ہو کہ تم پرائیویٹ اداروں کے کلیدی عہدوں پر آ کر ملک کے قیمتی راز ملک دشمنوں کو بیچ سکو۔ ہم تو یہ سن کر مبہوت ہو کر رہ گئے، ہماری غداری کا یہ پہلو تو ہمارے بھی ذہن میں نہیں تھا۔

یہ تو شکر ہے ہم توہین کی دنیاوی سزا کے قائل نہیں ہیں ورنہ جتنی توہین ہم نے اپنے عقائد و اکابر کی سہی ہے کوئی سو دو سو بندہ تو ہم نے ہی مار کر اپنی جنت کما لینی تھی۔ اب آپ پوچھیں گے کہ ربوہ والی جنت کمائی تھی، تو ہمارا جواب یہ ہوگا کہ وہ تو ہم کما چکے،

"ایں کفر" را بہ جاں برابر خریدہ ایم
جاں دادہ ایم و جنت دیگر خریدہ ایم

یہاں تو آپ کی جنت کا ذکر ہے (اس ضمن میں حوروں کی خوبصورتی کی تفصیل کیلئے مولانا طارق جمیل صاحب سے رابطہ کریں)۔ ویسے بھی اس وقت پاکستان میں سب سے آسان کام ہزاروں کو مارنا اور احمدی کی مذہبی دل آزاری ہے جس پر کسی کی آنکھ نہیں پھڑکتی بلکہ سب اس کو شیرِ مادر کی طرح حلال سمجھتے ہیں۔

منکر نکیر بے چاروں نے ہم سے کیا سوال پوچھنا ہیں، ہم سے تو سرکاری مسلمان ایسے ایسے سوال پوچھ چکے کہ منکر نکیر کے سوالات کی تیاری کی ہزار ہا بار پریکٹس ہو چکی ہے۔ کچھ تو واقعی ہم سے منکر نکیر بن کر سوال کرتے ہیں۔ شروع کرتے ہیں من ربک، ما دینک اور من نبیک سے۔ جب ہم سب سوالوں کا جواب دے چکتے ہیں تو اچانک منکر نکیر والی متجسس طبیعت کہیں رفو چکر ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ مولویانہ ہٹ دھرمی لے لیتی ہے۔ ہمارے سارے جوابات کو غلط قرار دے کر منفی نمبر دے دئے جاتے ہیں اور آخر کار جہنم کا پروانہ ہمارے ہاتھ میں پکڑا دیا جاتا ہے۔ اگر ہم بھولے سے بھی یہ کہہ دیں کہ حضور اللہ آپ سے پوچھ کر یہ فیصلے تھوڑی کرے گا تو وہ ہماری طرف ایسے دیکھتے ہیں جیسے ہم اپنی اماں کو دیکھتے تھے جب وہ بتاتی تھیں کہ بینگن پکائے ہیں۔

شغل اس وقت لگے گا جب اصلی والے منکر نکیر ہماری قبر پر سوال کرنے آئیں گے تو اگر ان کے ہاتھ میں پاکستان کا آئین ہوا تو ہم ان کے سوالات سے پہلے ہی کہہ دیں گے کہ می لارڈ، I plead guilty۔ کیونکہ آئین کی دوسری ترمیم طے شدہ امور میں سے ہے جس کو چھیڑا تو کیا زیر بحث بھی نہیں لایا جا سکتا۔ تو اب ہم قبر میں کیا بحث کے دروازے کھولیں، نا کردہ و طے شدہ گناہ ہی اپنے سر لے لیں گے۔

احمدی ہونے کا ایک فائدہ ہے کہ فرقوں کی آپس کی کشمکش، طعن و تشنیع اور مولویوں کی حرکات سے تنگ آ کر آپ کو شرمندہ سا ہو کر یہ نہیں کہنا پڑتا کہ 'میرا کوئی فرقہ نہیں میں تو صرف مسلمان ہوں'۔ بعض اوقات تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے ہماری قبر میں جانا ہے ورنہ ایسا بھی کیا مسئلہ کہ سو سال ہو گئے ہر سال ہمارے تابوت میں ہی آخری کیل ٹھونکا جاتا ہے۔ اب تو ہمارے تابوت میں کیلوں کی جگہ بھی ختم ہو گئی ہے۔ بس، آخر میں اتنی سے درخواست ہے، اس تابوت کو اب دفنا دیں اور اپنی سیاسی و مذہبی لڑائیاں اپنے 'ویڑھے' میں لڑیں۔



خدا آپ پر مہربان ہو۔۔

مکرم مجیب الرحمٰن صاحب (ایڈووکیٹ) کی یاد میں

(حافظ مظفر احمد۔ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد مقامی ربوہ)





معروف خادم سلسلہ مشہور قانون دان مکرم مجیب الرحمٰن صاحب ایڈووکیٹ سپریم کورٹ 30رجولائی 2019ءکو اپنے مولیٰ کو پیارے ہوگئے۔اناللّٰہ وانا الیہ راجعون

آپ ایک بلند پایہ مصنف،بہترین مقرر اور کامیاب وکیل تھے۔حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے ان کی وفات پر فرمایا کہ

''اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعتی خدمات بھی ان کی بہت ہیں.................دینی علم بھی ان کا بہت تھا۔دنیاوی علم بھی بہت تھا..............بے شمار ان کی خدمات ہیں۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے انہوں نے وقف کی روح سے جو جماعتی کام ان کے سپرد کیے جاتے تھے وہ کرنے کی کوشش کی اور خوب اس کا حق ادا کیا۔''

(خطبہ جمعہ فرمودہ 9اگست 2019ء)

برادرم مکرم مجیب صاحب نے خلافت ثالثہ سے خلافت خامسہ کے تین ادوار میں خلفاء سلسلہ سے اخلاص و وفا کا تعلق نباہتے ہوئے ان کے منظور نظر ہونے کی سعادت پائی۔

موصوف کو خلافت ثالثہ کے زمانے سے ملکی عدالتوں میں جماعتی مقدمات کی وکالت کا موقع ملا۔علاوہ ازیں قومی و بین الاقوامی سطح پر آپ مختلف رنگ میں جماعت کی ترجمانی کا حق ادا کرنے کی توفیق پاتے رہے۔فجزاہ اللّٰہ تعالیٰ

خلافت رابعہ کے آغاز میں ایک اہم اور خاص خدمت شریعت کورٹ میں 'امتناع قادیانیت آرڈیننس' کے خلاف رِٹ اور اس کی پیروی تھی،جس میں یہ عاجز بھی دیگر دو وکلاء مکرم مبشر لطیف صاحب ایڈووکیٹ لاہور اور مکرم مرزا نصیر احمد صاحب برلاس ایڈووکیٹ لاہور کے ساتھ بطور درخواست گزار شامل تھا۔مئی 1984ء میں آرڈیننس کے خلاف رِٹ شریعت کورٹ اسلام آباد میں داخل کی گئی۔اس کیس کی تیاری کے لیے ماہ مئی و جون میں خاکسار ربوہ سے اور مکرم مجیب الرحمان صاحب راولپنڈی سے بیت الفضل اسلام آباد آکر قیام کرتے رہے۔اس دوران قریب سے آپ کے اوصاف حمیدہ جاننے کا موقع ملا۔اکثر رات دیر تک کام کرنے کے بعد بسا اوقات ایک ہی کمرے میں آرام اور اکٹھے کھانا اور ایک ساتھ نمازیں باجماعت ادا کرنے کا موقع ملا۔اپنے مقدمہ میں استغراق کی طرح نمازوں میں بھی مکرم مجیب صاحب کی محویت کا عجب عالم تھا۔بارہا نماز میں رقّت اور آنکھیں اشکبار دیکھیں اور انہیں نہایت نفیس الطبع مخلص و مہربان،ہمدرد دوست،مہمان نواز،فراخ دل، روشن دماغ،نہایت ذہین،نکتہ رس،علم کے پیاسے،قدردان اور بہترین مقرر کے ساتھ عمدہ سامع پایا۔

15 جولائی 1984ء کو لاہور ہائیکورٹ میں اس کیس کی سماعت شروع ہوکر 12راگست تک جاری رہی۔اس دوران مکرم مجیب صاحب کی معاونت کے لیے مکرم مولانا دوست محمد شاہد صاحب اور خاکسار کے علاوہ علمائے سلسلہ کی ایک ٹیم مکرم مولانا محمد صدیق صاحب لائبریرین،مکرم ملک مبارک احمد صاحب استاذ عربی جامعہ،مکرم مولانا جلال الدین قمر صاحب استاذ عربی،مکرم مولانا مبشر احمد کاہلوں صاحب اور مکرم نصیر احمد قمر صاحب استاذ جامعہ پر مشتمل ان کے ساتھ دارالذکر میں مقیم رہ کر دن رات ایک کر کے ضروری مواد اور حوالے نہایت محنت سے مہیا کرتی رہی۔دریں اثناء بوجوہ کچھ عرصہ ان کے ساتھ مکرم چوہدری حمید نصر اللہ صاحب مرحوم امیر لاہور کی کوٹھی چھاؤنی میں منتقل ہوکر وہاں بھی معاونت کا یہ سلسلہ جاری رکھنے کا موقع ملا۔

لاہور ہائیکورٹ میں چیف جسٹس آفتاب صاحب کی سربراہی میں پانچ رکنی شریعت بنچ کے سامنے مکرم مجیب صاحب نے نہایت احسن رنگ میں یہ مقدمہ پیش کیا۔مورخہ 15رجولائی کو آپ نے بحث کا آغاز کرتے ہوئے بتایا کہ امتناع قادیانیت آرڈیننس نہ صرف دستور پاکستان اور بنیادی انسانی حقوق کے خلاف ہے بلکہ شریعت اسلامی کے بھی منافی ہے اور دستور کے آرٹیکل 203_D کے مطابق اسلامی جمہوریہ پاکستان میں قرآن وسنت کے خلاف قوانین نہیں بن سکتے،اگر بن جائیں تو شرعی عدالت انہیں کالعدم قرار دے گی۔شرعی عدالت کا یہ مقدمہ مکرم مجیب صاحب کے لیے ایک بڑی معرکہ آرا کٹھن ذمہ داری تھی۔ان کی پہلی بڑی مشکل یہ تھی کہ

انہوں نے ایک ایسی عدالت میں اپنی دائر کردہ درخواست پر بحث کرنی تھی جس کے تمام ارکان بریلوی یا دیوبندی وغیرہ تھے اور جن کے مسلک کے مطابق احمدی گمراہ اور کافر تھے اور اس پر مستزاد وہ 1974ء کی اسمبلی کی آئینی ترمیم کے مطابق احمدیوں کو غیر مسلم شمار کرتے تھے۔ دوسری مشکل یہ تھی کہ مکرم مجیب صاحب کو شرعی عدالت میں اپنے موقف کے لیے قرآن وسنت سے جو ثبوت پیش کرنے تھے وہ ان ججز کے مسلک اور ان کے علماء کی تعبیر کے مطابق کبھی بھی ہمارے مفید مطلب نہیں ہو سکتے تھے مگر ان ناموافق حالات کے باوجود یہ فرض انہوں نے نبھایا اور خوب نبھایا۔ اور یہ محض امام وقت کی دعاؤں کا صدقہ تھا کہ موصوف نے کمال حکمت، فصاحت اور جرأت کے ساتھ اپنا مؤقف عدالت میں پیش کر کے حاضرین عدالت و سامعین اور امامِ وقت سے بھی دادِ تحسین حاصل کی۔

جسٹس آفتاب حسین کے ساتھ دیگر ججوں میں جسٹس فخر عالم، جسٹس عبدالقدوس قاسمی اور جسٹس غلام علی، جسٹس چوہدری محمد صدیق شامل تھے۔ دوران سماعت مقدمہ طریق کار یہ رہا کہ صبح نو بجے برادرم مکرم مجیب صاحب کے ساتھ ہمیں دارالذکر سے ایک حفاظتی حصار میں ہائیکورٹ لے جایا جاتا۔ جہاں عدالت لگنے پر مکرم مجیب صاحب ڈائس پر آکر اپنا مدعا پیش کرتے، ان کے دائیں طرف خاکسار کو بطور معاون ایک میز اور کرسی مہیا تھی۔ جس پر اس روز کی بحث کے جملہ حوالہ جات اور ان کی نقول ہوتیں۔ میرے ساتھ ہی مکرم مولانا چوہدری محمد صدیق صاحب لائبریرین مع اپنی کتب برائے حوالہ جات ٹرے میں سجائے تشریف فرما ہوتے۔ مکرم مجیب صاحب دلیل پیش کرتے ہوئے جب تفسیر قرآن و حدیث و بزرگان سلف سے کوئی حوالہ پیش کرتے، معاً خاکسار اس کی ایک نقل ان کی خدمت میں اور چھ نقول عدالت کے ریڈر کے سامنے رکھ دیتا، وہ ایک کاپی پاس رکھ کر پانچ نقول ججز کو پیش کر دیتے۔ اس عمدہ طریق کار اور حسن انتظام کو دیکھ کر حاضرین کے ساتھ اراکین عدالت بھی خاصے متاثر تھے جس کا اظہار بھی دوران سماعت وہ گاہے بگاہے کرتے رہے۔

اراکین عدالت تک اپنا موقف کماحقہٗ پہنچانے کے لیے مکرم مجیب صاحب نے اپنی بحث کا آغاز اصول تفسیر قرآن بیان کرنے سے کیا۔ جو بظاہر اس وقت ایک غیر متعلق بحث نظر آتی ہوگی، مگر اس میں بڑی گہری حکمت یہ تھی کہ مخالف عقیدہ ججز کے سامنے عقائد کی بحث کے آغاز میں ہی یہ اصولی امر طے کر دیا جائے کہ قرآن کی کسی آیت کی کونسی تفسیر قابل قبول ہوگی۔ جس کی روشنی میں ہمارے دلائل کی حجت قائم ہو سکے۔ چنانچہ مکرم مجیب صاحب نے بتایا کہ اہل سنت کے بنیادی اصول تفسیر i۔لغت عربی ii۔قرآن کی تفسیر خود قرآن سے iii۔تفسیر رسولؐ iv۔تفسیر صحابہؓ اور v۔تفسیر بتقاضۂ کلام ہیں۔ اور پھر آپ نے ان بیان کردہ اصول کی روشنی میں کے مطابق آرڈیننس کے خلاف پیش کردہ قرآنی آیات سے ٹھوس دلائل دیے۔

آرڈیننس کا پہلا نکتہ بحث یہ تھا کہ احمدی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر نہیں کر سکتے۔ اس بارہ میں مکرم مجیب صاحب نے قرآن کی اصولی تعلیم "لَآ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ (البقرۃ:257) کہ دین میں کوئی جبر نہیں اور ایسی دیگر آیات اور ان کے تفسیری حوالے پیش کر کے بتایا کہ اسلام میں مذہبی آزادی کے اصولوں کی روح کیا ہے؟ پھر رسول اللہ ﷺ کا نمونہ بیان کیا کہ میثاق مدینہ کی بدعہدی کے نتیجہ میں جب یہود کو وہاں سے نکالا گیا تو انصار مدینہ کے جو بچے یہود کے زیر پرورش رہنے کی وجہ سے یہودی مذہب اختیار کر چکے تھے، انصار مدینہ نے ان کو روکنا چاہا تو رسول کریم ﷺ نے اس آیت کی روشنی میں منع فرمادیا اور ان بچوں کو یہودی مذہب پر رہنے کی مکمل آزادی دی۔

اسی طرح مکرم مجیب صاحب نے سورۃ الحجرات کی آیت "قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا" (الحجرات 15) پیش کر کے تفاسیر سے ثابت کیا کہ فتح مکہ پر مال غنیمت کے خواہش مند نومسلموں کے بارے میں خدا تعالیٰ نے خود یہ گواہی دی کہ ان کے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا۔ مگر پھر بھی ان نومسلموں کو "اسلمنا" کہہ کر اقرار اسلام اور اظہار اطاعت کا حق عطا فرمایا۔ اسی طرح یہ ارشاد قرآنی بھی پیش کیا کہ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (النساء95) یعنی جو تمہیں السلام علیکم کہے اسے غیر مومن نہ کہو گویا نہ صرف اسلامی شعار کا استعمال منع نہیں بلکہ اس کا احترام واجب ہے۔ آپ نے مزید بتایا کہ مدینہ میں مسلمانوں کی پہلی مردم شماری کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے یہ اصول مقرر فرمایا کہ جو اپنے آپ کو مسلمان کہے اس کا نام بطور مسلمان لکھ لیا جائے۔ اس معیار کے مطابق مسلمانوں کی مدینہ میں تعداد تین ہزار ہوئی۔ جس پر مسلمانوں نے بہت مسرت کا اظہار کیا تھا۔ (بخاری)

پس آزادئ مذہب کا بنیادی تقاضا ضمیر کے مطابق اپنے عقیدہ کا اظہار ہے اور کسی کو اسلام کے اظہار سے روکنا خلاف شریعت ہے۔

2.دوسرا نکتہ بحث احمدیوں کی اذان کی ممانعت تھا جس کے لیے یہ قرآنی آیت پیش کی گئی کہ "وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ" (حم السجدۃ:34) کہ اللہ کی طرف بلانے والے سے بہتر کون ہوسکتا ہے۔ تفاسیر میں اس آیت سے اذان

دینے والا مراد لیا گیا ہے جو اللہ کی طرف بلا کر ایسا بہترین عمل کرتا ہے، جس پر اجر اور انعام ملنا چاہیے نہ کہ آرڈیننس کے مطابق تین سال سزا۔ رسول کریم ﷺ نے تو فرمایا کہ جس بستی سے اذان کی آواز آئے، اس پر حملہ نہیں کرنا۔ (بخاری کتاب الجہاد) خود رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر حضرت بلالؓ کے اذان کی نقل اتارنے والے مشرک لڑکے ابو محذورہ کو بلوا کر خود اپنے سامنے اس سے اذان کہلوائی۔ گویا رسول اللہ ﷺ کے نزدیک غیر مسلم کا اذان کہنا جائز تھا۔ اس دوران آپ نے عدالت کے سامنے بآواز بلند کلمات اذان دہرا کر پوچھا کہ اس میں کونسی بات قابل سزا ہے؟ خدا کی توحید کا اعلان یا رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا۔ بہرحال اذان جیسے نیک فعل پر تین سال قید کی سزا خلاف شریعت ہے جو کالعدم ہونی چاہیے۔

3۔ آرڈیننس کا تیسرا نکتہ بحث احمدیوں کی تبلیغ پر پابندی کا تھا۔ اس بارہ میں آپ نے قرآن سے یہ دلیل پیش کی کہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے برحق ہونے کے دعویٰ پر ان سے دلیل کا مطالبہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اے نبی! تو ان سے کہہ کہ "هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ" (البقرۃ:112)

کہ اگر تم سچے ہو تو دلیل لاؤ۔ پس قرآن ہر مذہب کو دلیل پیش کرنے کا بنیادی حق دیتا ہے اور اس پر پابندی لگانا خلاف شرع ہے۔ قرآنی اصول یہ ہے کہ "لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ" (الانفال:43) کہ جو ہلاک ہو وہ دلیل سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل سے زندہ رہے۔ یہی وہ عادلانہ اصول ہے جس پر ساری دنیا میں اسلام کی تبلیغ جاری رہ سکتی ہے۔ ورنہ باقی مذاہب جو تعداد میں مسلمانوں سے زیادہ ہیں۔ مثلاً ہندوستان کے ہندو مسلمانوں پر تبلیغ کی پابندی لگا سکتے ہیں۔ اس لیے اس قانون کو ختم کرنا چاہیے۔

4۔ چوتھا نکتہ بحث احمدیوں پر اسلامی اصطلاحات کے استعمال پر پابندی کی بابت تھا۔ یعنی حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ کے ساتھیوں کے لیے "صحابی" کا لفظ اور ان کے لیے "رضی اللہ عنہم" کی دعا اور اپنی عبادت گاہ کے لیے وہ "مسجد" کے الفاظ استعمال نہ کریں۔

مکرم مجیب صاحب نے عدالت کے سامنے ثابت کیا کہ لغت اور شرع ہر دو لحاظ سے یہ دستور زباں بندی جائز نہیں۔ لغت میں مسجد سے مراد سجدہ کی جگہ یا عبادت گاہ ہے۔ اور قرآن میں عیسائیوں کی عبادت گاہ کے لیے بھی مسجد کا لفظ آیا ہے۔ چنانچہ اصحاب کہف نے اپنی عبادتگاہ کو مسجد کہا: "لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا" (الکہف 22) پس احمدیوں کو "مساجد" سے روکنا جائز نہیں کیونکہ مساجد سے روکنے والے کو قرآن کریم میں سب سے بڑا ظالم قرار دے کر اس فعل کی سخت سزا بیان کی گئی ہے۔ (البقرۃ 115) اسی طرح "اصحاب" کا لفظ صرف رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے لیے خاص نہیں بلکہ عام محاورہ میں بھی صاحب ساتھی کے لیے استعمال ہو سکتا ہے جیسے قرآن میں اصحاب الفیل، اصحاب الرس، اصحاب النار وغیرہ۔ پھر "رضی اللہ عنہم" بھی ایک دعا ہے جو صرف صحابہ کے لیے نہیں بلکہ سورۃ التوبہ آیت 100 میں صحابہ کی احسن رنگ میں پیروی کرنے والوں کے لیے بھی یہ دعا جائز قرار دی گئی ہے۔ فرمایا:

وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (التوبہ:100) اس موقع پر ایک جج صاحب نے کہا کہ اگر آپ کا موقف درست ہے تو امت محمدیہ میں غیر صحابہ کے لیے "رضی اللہ عنہم" استعمال کرنے کا ثبوت پیش کریں۔ ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب چودہ سو سالہ اسلامی لٹریچر کی ایسی مثالیں مع ثبوت و حوالہ اسی وقت پیش کر دی گئیں۔ جن میں صحابہ کے علاوہ نیک لوگوں کے لیے "رضی اللہ عنہم" کی دعا کا استعمال کیا گیا تھا تو وہ جج صاحب کھسیانے ہو کر بلکہ جھلا کر کہہ بیٹھے کہ دراصل آپ تو غیر مسلم ہیں اس لیے غیر مسلم کے حق میں "رضی اللہ عنہ" کی دعا ثابت کر کے دکھائیں، تب بات بنے۔ اس پر مکرم مجیب صاحب نے فرمایا کہ جناب والا! ہم کلمہ گو صرف آئین پاکستان کے مطابق ڈکلیئرڈ ناٹ مسلم (Declared Not Muslim) ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے نواسۂ رسولؐ مظلوم امام حسینؓ کو حکومت یزید کے قاضی شریح نے کافر قرار دے دیا تھا۔ اگر اُس دور کے ڈکلیئرڈ ناٹ مسلم (Declared Not Muslim) حضرت امام حسینؓ کے لیے "رضی اللہ عنہم" جائز تھا اور ہے تو آج کیوں نہیں؟ اس پر موصوف خاموش بلکہ گنگ ہو کر رہ گئے۔

بحث کے آخر میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی رہنمائی کے مطابق عدالت کے سامنے درج ذیل چھ سوالات پیش کیے گئے کہ ان کے اصولی جواب کی روشنی میں امتناع قادیانیت آرڈیننس کا فیصلہ کیا جائے۔

1۔ کیا اسلام کسی غیر مسلم کو یہ حق اور اجازت دیتا ہے کہ وہ خدا کی وحدانیت کا اقرار اور اعلان کرے؟

2۔ کیا اسلام کسی غیر مسلم کو یہ حق اور اجازت دیتا ہے یا نہیں کہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنے دعویٰ میں سچا تسلیم کرے؟

3۔ کیا اسلام کسی غیر مسلم کو یہ حق دیتا ہے یا نہیں کہ وہ قرآن حکیم کو ایک اعلیٰ نظام حیات سمجھ کر اسے واجب الاطاعت تسلیم کرے اور اس پر عمل کرے؟

4۔ اگر کوئی غیر مسلم قرآن کے احکام پر عمل کرنا چاہے تو کیا اسے اس کی اجازت

ہے یا نہیں؟

5۔اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو اس حق کی نفی قرآن کریم اور سنت میں کہاں ہے؟

6۔ایسے شخص کے لیے اسلام کیا لائحہ عمل تجویز کرتا ہے جو گو عرفاً مسلمان نہ ہو اور اسے قانونی حق نہ بھی ہو مگر دل و دماغ سے خدا کی وحدانیت، محمد رسول اللہ ﷺ کی حقانیت اور قرآن کی صداقت پر دل سے یقین رکھتا ہو؟

ظاہر ہے کہ شرعی عدالت کے بظاہر صاحبِ علم و فہم منصفین کرام تو درکنار، ایک عام سادہ عقل کا آدمی بھی ان سوالات کا جواب نفی میں نہیں دے سکتا۔

اور شرعی عدالت کے تفصیلی فیصلہ میں بھی ان سوالات کا جواب اثبات میں دیا گیا۔مگر احمدیوں کے حق میں یہ اصول تسلیم نہ کر کے شرعی عدالت نے نہ صرف عدل و انصاف بلکہ قرآن و سنت سے بھی انحراف کا ارتکاب کیا۔اگرچہ مختصر فیصلہ میں کچھ بنیادی مذہبی حقوق تسلیم کیے گئے لیکن وہ بھی بعد میں سپریم کورٹ میں اپیل کے دوران کالعدم قرار دے دیے گئے۔**اناللہ و انا الیہ راجعون**

لاہور ہائیکورٹ میں شرعی عدالت کے لیے مخصوص کمرہ حاضرین سے کھچا کھچ بھرا ہوتا تھا جس میں دونوں اطراف کے چند وکلاء اور محدود افراد کے علاوہ وکیل مخالف کے معاون مولوی حضرات اور بڑے بڑے جبہ پوش علماء حضرات بھی ایک طمطراق سے آتے اور بعض دفعہ لطیفے بھی ہو جاتے۔ایک روز شاہی مسجد کے لحیم و شحیم خطیب علامہ آزاد صاحب تشریف لائے۔غیر از جماعت وکلاء نے بھی عدالت میں خاکسار ایسے دبلے پتلے معاون کو حوالے مہیا کرتے دیکھا تو وقفہ چائے کے دوران ہائی کورٹ بار میں ایک غیر از جماعت وکیل نے ہمارے احمدی وکیل مرزا نصیر برلاس صاحب کو مخاطب کر کے عدالت میں ہونے والی مؤثر بحث سے توجہ ہٹانے کی خاطر یہ پُر مزاح تبصرہ کیا کہ "تمہارا مولوی" ہمارے علماء کے مقابل پر کیا چیز ہے؟ وہ تو ان کی گردن کے برابر بھی نہیں۔شرکائے مجلس اس سے خوب محظوظ ہوئے۔

الغرض مکرم مجیب صاحب کی مدلل بحث کا چرچا ان دنوں ہائی کورٹ بار میں اور اس کے باہر ہر طرف تھا۔جس کے آگے عدالت بھی بے بس ہوتی نظر آتی تھی۔اس کا اثر زائل کرنے کے لیے بحث کے چوتھے دن ہی مکرم مجیب صاحب کی جاری بحث درمیان میں روک کر عدالت کو یہ تدبیر کرنی پڑی کہ چند معروف علماء کو بغرض مشاورت عدالت میں طلب کیا تا کہ ہمارے دلائل کا ردّ کروایا جائے۔ان آٹھ مشیران عدالت میں قابل ذکر قاضی مجیب الرحمان آف پشاور (سربراہ شیعہ علوم اسلامیہ پشاور یونیورسٹی)، پروفیسر محمود احمد غازی اسلام آباد یونیورسٹی (رکن اسلامی نظریاتی کونسل) اور علامہ ڈاکٹر طاہر القادری شامل تھے۔مگر یہ تدبیر بھی الٹی ہو گئی اور یہ سکالرز بھی مکرم مجیب صاحب کے پیش کردہ دلائل قرآن و حدیث کا تو کوئی معقول جواب نہ دے سکے۔البتہ ان کا بھانڈا چوراہے میں یوں پھوٹا کہ انہوں نے اپنی تائید کے لیے قرون وسطیٰ کے ظالم مسلمان بادشاہوں کے زمانہ کے محض فقہی فتاویٰ کا سہارا لیا جو قرآن و سنت اور بنیادی حقوق انسانی کے خلاف تھے اور یوں وہ الٹا جگ ہنسائی کا موجب ہوئے۔انہوں نے یہ سوچے سمجھے بغیر کہ احمدی تو کلمہ گو مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں، یہ موقف اپنایا کہ چونکہ 1974ء کی اسمبلی میں احمدی غیر مسلم قرار دیے جا چکے ہیں، اس لیے ان سے ذمیوں جیسا سلوک کرنا چاہیے۔انہیں کوئی بنیادی مذہبی حق حاصل نہیں بلکہ اب انہیں مسلمان حکومت کی غیر مسلم ماتحت اور ذلیل رعایا کے طور پر زندگی بسر کرنی ہوگی۔اس کے لیے جب انہوں نے مسلسل فقہاء کی کتابوں سے حوالے دینے شروع کیے تو چیف جسٹس صاحب کو بھی بعض مواقع پر کہنا پڑا کہ احمدی وکیل (غیر مسلم ہو کر) قرآن و سنت کے حوالہ سے بات کرتے ہیں۔آپ صرف فقہاء کے حوالے دیتے ہیں؟ اور اصل حوالہ یا اس کی نقل بھی ان کی طرح پیش نہیں کرتے۔اس کے باوجود پروفیسر محمود غازی اور علامہ طاہر القادری اپنے اس موقف پر ڈٹے رہے کہ قادیانیوں سے ذمیوں جیسا سلوک کرنے کے لیے فقہاء کے اصول اپنانے چاہئیں۔یہ مسلمانوں جیسا لباس نہیں پہن سکتے صرف ایک خاص پیلے رنگ کا لباس اور زنار استعمال کر سکتے ہیں، پگڑی استعمال نہیں کر سکتے۔اپنے لیے بلند عمارت تک تعمیر نہیں کر سکتے۔مسلمانوں والے نام نہیں رکھ سکتے۔گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتے۔سڑک یا راستے کے ایک طرف کنارے پر چل سکتے ہیں، درمیان میں نہیں وعلیٰ ھذا القیاس۔جبکہ بعض علماء نے قتل مرتد کی بحث چھیڑ کر احمدیوں کو واجب القتل قرار دینا چاہا۔

مشیران عدالت کی یہ تیز و تند تقاریر تین دن میں مکمل ہوئیں۔تیسرے روز جب ساحرانِ وقت بزعم خویش اپنی پٹاریاں کھول چکے اور عدالت کا وقت ختم ہونے میں پندرہ منٹ باقی تھے۔دن بھر کی بحث میں علماء نے اسلامی حکومت میں غیر مسلموں اور ذمیوں کا بدصورت نقشہ پیش کر کے فضا خاصی مکدر کی تھی۔باذاق سنجیدہ سامعین بھی یہ ظالمانہ باتیں سن کر افسردہ اور ملول سے تھے۔مکرم مجیب صاحب بھی طبعاً دل گرفتہ سے تھے۔اچانک چیف جسٹس صاحب نے کہا کہ مجیب صاحب! آج تو آپ تیار نہیں ہوں گے، کل سے آپ بحث شروع کریں۔مکرم مجیب صاحب نے کمال حاضر جوابی سے عرض کیا کہ اب بھی چند منٹ ہلکی سی گفتگو کرنے کو تیار ہوں اور یوں انہیں ان دھواں دھار مخالفانہ تقاریر کے آخر میں ایک

نہایت عمدہ موقع اپنا موقف پیش کرنے کا میسر آ گیا۔علماء کی پر تشدد تقریروں سے ہال پر ایک سناٹا تھا اور مولوی حضرات اپنے حامیوں کے ساتھ بغلیں بجا رہے تھے کہ آخر آج تو میدان مار لیا۔مگر مجیب صاحب نے اپنی چودہ منٹ کی تقریر میں وہ عصائے موسیٰ چلایا جو ساحروں کی پھینکی ہوئی سب رسیوں کو نگل گیا اور جاء الحق و زھق الباطل کا منظر سامنے آ گیا۔

آپ نے عدالت کا پُرگھٹن ماحول سازگار کرنے کے لیے آغاز ایک لطیفہ سے کیا کہ کسی گاؤں کے چوہدری صاحب نے کسی جگہ تعزیت کے لیے جانا تھا اس نے ایک ملازم میراثی ساتھ لیا اور اسے ہدایت کی کہ چوہدری صاحب کے احترام کی خاطر وہ ان کے برابر نہیں بیٹھے گا۔پہلی جگہ گئے تو لوگ چار پائیوں پر تھے۔ملازم نے کوئی پیڑھا تلاش کر لیا۔آگے گئے لوگ پیڑھوں پر تھے۔ملازم نے چھوٹی پیڑھی ڈھونڈ نکالی،آگے گئے تو لوگ چٹائی پر تھے۔میراثی پریشان حال کبھی اِدھر بھاگے کبھی اُدھر۔پوچھنے پر بولا کہ میں کسّی تلاش کر رہا ہوں تا کہ گڑھا کھود کر چوہدری صاحب سے نیچے بیٹھ سکوں۔اس لطیفہ سے عدالت کا پُرگھٹن ماحول خاصا سازگار اور خوشگوار ہو کر ایک نرم گوشہ پیدا ہو گیا۔

پھر آپ عدالت سے مخاطب ہوئے:جناب والا!علماء کی ان پُرتشدد تقاریر کے دوران گزشتہ تین روز میں بھی کسّی ہی تلاش کرتا رہا تا کہ اس جدید روشنی کے زمانہ میں اپنے لیے کوئی گڑھا کھود کر جگہ بنا سکوں۔پچھلے دو دن کی بحث کے دوران رحمۃ للعالمین ﷺ کی امت سے منسوب ہونیوالوں کی طرف سے تلوار اور خون بہانے کا ہی ذکر ہوتا رہا۔دورِ حاضر میں رہ کر کلمہ گو احمدیوں کو ذمّی کہہ کر ان کے بارہ میں ایسی دقیانوسی رائے رکھنے والوں سے میں پوچھتا ہوں کہ آپ نے کب احمدیوں کو فتح کر کے ذمّی بنایا تھا۔احمدیوں نے تو مسلم لیگ کی حمایت کی اور اسے ووٹ دے کر یہ ملک بنایا تھا۔وہ پاکستان کے لیے قربانیاں دے کر اپنے وطن اور گھر بار چھوڑ کر ہجرت کر کے یہاں آئے تھے اور بہت جذباتی ہو کر کہا کہ

ہمارا خون بھی شامل تھا،تزئینِ گلستاں میں

ہم نے تو سوچا تھا کہ ہم ایک آزاد ملک کے باسی ہوں گے۔اسی لیے بانیٔ پاکستان قائداعظم نے ہمیں ذمّی نہیں بلکہ معاہد قرار دے کر 11 ستمبر 1947ء کو یہ اعلان کیا تھا کہ

’’آپ آزاد ہیں اپنے مندروں میں جانے کے لیے۔آپ آزاد ہیں اپنی مسجدوں میں جانے کے لیے اور ریاست پاکستان میں اپنی کسی بھی عبادت گاہ میں جانے کے لیے۔آپ کا تعلق کسی بھی مذہب ذات یا نسل سے ہو۔ریاست کا اس سے کوئی لینا دینا نہیں۔

حیرت ہے کہ آج بانیٔ پاکستان کے اس معاہدے کے برخلاف ہم کلمہ گو افراد کو ذمّی قرار دے کر تاریک صدیوں کا ذمی کا وہ فلسفہ پیش کیا جا رہا ہے جو قرآنی تعلیم اور سنت رحمۃ للعالمین ﷺ کے سراسر منافی ہے۔

مکرم مجیب صاحب نے یہ مختصر مگر جامع تقریر ایسے جوش و جرأت سے جذباتی انداز میں کی کہ کمرۂ عدالت پر ایک سکوت طاری ہو گیا۔مشیران عدالت جس مقصد کے لیے بلائے گئے تھے ان کا سب اثر بھی زائل ہوتا نظر آیا اور سو سنار کی ایک لوہار کی والا معاملہ ہوا۔

عدالت میں بارہا مکرم مجیب الرحمٰن صاحب کی مدلل بحث اور پُرحکمت حاضر جوابی کے نتیجہ میں جج صاحبان اور مشیرانِ عدالت اور وکیل مخالف پر ایک سکتہ طاری رہا۔اس نوعیت کا ایک ایمان افروز نظارہ اس وقت دیکھنے میں آیا جب مولوی اللہ وسایا صاحب نے اپنے وکیل ریاض الحسن گیلانی کو سلسلہ کے بزرگ پیر سراج الحق صاحب نعمانی کی کتاب ’’تذکرۃ المہدی‘‘ کے اس صفحہ کی نقل عدالت میں پیش کرنے کو کہا۔جس میں پیر صاحب نے ایک غیر از جماعت عالم کی ایک فحش گالی درج کی ہوئی تھی۔وکیل مخالف نے اس ڈرامہ کے ساتھ یہ حوالہ پیش کیا کہ جناب والا!ان کی کتابوں میں تو ایسے فحش الفاظ ہیں کہ شرم کے مارے میں پڑھ بھی نہیں سکتا۔یہ کتابیں تو فحش ایکٹ کی وجہ سے بھی بندش کے قابل ہیں۔اس پر مکرم مجیب صاحب نے بھی کیا ہی خوب جواب دیا کہ جناب والا!یہ الفاظ تو واقعی میں بھی نہیں پڑھنا چاہتا تا کہ ہمارے فاضل وکیل شرمندہ نہ ہوں کہ ان کے علماء نے حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ کو کیسی کیسی فحش گالیاں دی ہیں۔ہمارے پیر نعمانی صاحب کو اللہ جزا دے جنہوں نے مخالفین کی ایک گالی بطور نمونہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دی۔ورنہ آج ہمیں کیسے پتہ چلتا کہ سو سال سے ان کے علماء ہمارے خلاف کیسی زبان استعمال کرتے آئے ہیں اور جناب والا!اسی پر بس نہیں آج تک ربوہ میں ریلوے اسٹیشن کے سرکاری امام یہی زبان ہمارے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔

اتفاق سے اس مسجد کے خطیب اللہ وسایا موقع پر موجود تھے۔مثل مشہور ہے:چور کی داڑھی میں تنکا،خطیب موصوف ریلوے مسجد کا ذکر سنتے ہی وہ فوراً کھڑے ہو کر کہنے لگے:جناب والا!ربوہ ریلوے اسٹیشن کی مسجد میں کوئی سرکاری امام نہیں ہے۔نامعلوم جج صاحب تک یہ آواز پہنچی یا نہیں مگر انہوں نے اس اچانک مداخلت پر سخت ناگواری سے کہا کہ اسے عدالت سے باہر نکال دیں۔پتہ نہیں کہ اجازت کے بغیر یہاں بات نہیں کر سکتے۔عین اس وقت مکرم مجیب صاحب نے کمال حاضر

جوابی سے مولوی اللہ وسایا کی طرف مڑکر دیکھتے ہوئے کہا کہ سرکاری امام نہ سہی۔ یہ تو پتہ چل گیا کہ وہاں امام مسجد ہے کون؟ اس طرح مولوی موصوف جنہوں نے فاضل وکیل کو اکساتے ہوئے حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ کے خلاف عدالت میں حوالہ پیش کروانے کی سعی کی تھی وہ خود عدالت میں رسوا ہو کر حضرت بانیٔ جماعت کے اس الہام کے مورد بنے کہ جو تیری اہانت کا ارادہ بھی کرے میں اسے ذلیل کروں گا۔

ایک موقع پر فاضل مخالف وکیل نے اپنے اسی معاون مذکور کے مشورہ پر حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ پر الزام لگایا کہ انہوں نے ہمارے مسلمان علماء کی کتب سے علمی باتیں نقل کی ہیں اور بطور مثال کشتی نوح کا وہ حوالہ پیش کیا جس میں نمازوں کے اوقات کی حکمت بیان ہوئی ہے کہ ''پنجگانہ نمازیں کیا چیز ہیں تمہارے مختلف حالات کا فوٹو ہے'' اور کہا کہ مرزا صاحب نے یہ عبارت مولوی اشرف علی تھانوی کی کتاب ''احکام اسلام عقل کی نظر میں'' صفحہ 49 سے چرائی ہے۔

مکرم مجیب صاحب نے کمال حکمت اور تحمل سے اس کا ایسا جواب دیا کہ مخالف لاجواب اور سخت شرمسار ہوئے۔ آپ نے دونوں کتابوں کے ٹائٹل پر طبع شدہ سن اشاعت عدالت کو دکھا کر بتایا کہ حضرت مرزا صاحبؑ کی کتاب کشتی نوح جس پر چوری کا الزام ہے وہ پہلی دفعہ 1902ء میں اور احکام اسلام جس سے عبارت لینے کا اعتراض ہے، پہلی مرتبہ 1916ء میں شائع ہوئی۔ معزز عدالت خود فیصلہ کرلے کہ کس نے کس کی عبارت نقل کی۔ اس کے باوجود ہم ان کے معزز علماء پر چوری یا سرقہ کا الزام نہیں لگائیں گے۔ بلکہ ہمارے نزدیک تھانوی صاحب وسیع الظرف اور عالی حوصلہ عالم تھے۔ انہیں مرزا صاحب کی کشتی نوح کی ایک بات اچھی لگی تو اسے انہوں نے اپنی کتاب میں درج کرلیا جس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ علمی دنیا میں اسے استفادہ کہتے ہیں اور اہل علم علمی باتوں کا استفادہ کرتے رہتے ہیں۔ اگر مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے بھی استفادہ کرلیا تو اس پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے! اس وضاحت پر مخالف شرم سے پانی پانی ہوکر رہ گئے جبکہ اراکین عدالت بھی اس شائستہ انداز میں وضاحت سے خوب محظوظ ہوئے۔

الغرض برادرم مکرم مجیب صاحب نے شرعی عدالت میں جماعتی موقف پیش کرنے کا حق ادا کردیا۔ جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ میں بجا طور پر فرمایا:

''1984ء میں امتناع قادیانیت آرڈیننس کے خلاف شرعی عدالت میں مقدمہ داخل ہوا، اس کی پیروی کی ان کو توفیق ملی اور وہاں بھی انہوں نے خوب اس کا حق ادا کیا اس پیروی کا۔''

(خطبہ جمعہ فرمودہ 9 اگست 2019ء)

میں سوچتا ہوں کہ آج امام وقت کی عطا فرمودہ اس سند پر ہمارے پیارے محسن دوست اور بزرگ بھائی جناب مجیب الرحمان صاحب کی روح کتنی خوش ہوگی۔ الحمدللہ

مجھے خوب یاد ہے کہ مجیب صاحب جماعتی موقف کا حق ادا کرنے کے حوالہ سے بہت حساس واقع ہوئے تھے۔ وہ اکثر ہر بحث کے بعد پوچھا کرتے کہ کوئی بات جماعتی موقف سے ہٹ کر یا کوئی بیان تشنہ تو نہیں رہ گیا۔ اور ہمیشہ تسلی دلانے پر مطمئن ہوتے۔ اور کبھی کسی نکتہ کی طرف توجہ دلانے پر آئندہ وہ پہلو مزید کھول کر واضح فرمادیتے۔ کارروائی شرعی عدالت کے دوران حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی خدمت میں دیگر رپورٹس کے علاوہ مکرم مجیب صاحب اور خاکسار کی طرف سے بھی گاہے بگاہے بغرض دعا رپورٹ پیش کی جاتی رہی۔ حضور انورؒ نے مکرم مجیب صاحب کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:

''آپ جس دانشمندی اور سوجھ بوجھ سے کیس Fight کر رہے ہیں اس پر ہمیشہ میرے دل کی گہرائیوں سے آپ اور آپ کے رفقاء کار کے لیے دعائیں نکلتی ہیں............ آپ ایک تاریخ ساز خدمت بجالا رہے ہیں۔ انشاءاللہ نسلیں اس پر فخر کریں گی۔'' (مکتوب حضور انور 1985ء)

خلاصۂ کلام یہ کہ شریعت کورٹ میں مکرم مجیب الرحمان صاحب ایڈووکیٹ خلیفۂ وقت کے سلطان نصیر ثابت ہوئے اور ان کی دعاؤں کے طفیل اللہ تعالیٰ نے اس مقدمہ میں انہیں دلیل کے ساتھ فتح عطا فرمائی۔ اور چیف جسٹس آفتاب صاحب نے مورخہ 12 اگست 1984ء کو برادرم مکرم مجیب صاحب، خاکسار اور دیگر درخواست دہندگان کو طلب کرکے اپنا مختصر فیصلہ سنانے سے قبل یہ اظہار کیا کہ مجیب صاحب! آپ نے اپنا مقدمہ ایسی تیاری اور محنت سے پیش کیا ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ اور ہم آپ کو بعض جائز حق دے رہے ہیں لیکن ساری پابندیاں ہم ختم نہیں کرسکتے۔ پھر انہوں نے اپنا یہ مختصر فیصلہ سنایا کہ

''مذکورہ آرڈیننس آئین اور قرآن وسنت کے احکام کے مطابق سائلان اور قادیانیوں کو اپنے مذہب کے اظہار اور اس پر عمل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتا۔ وہ اس بارے میں آزاد ہیں کہ وہ قادیانیت یا احمدیت کو اپنا مذہب ظاہر کریں اور مرزا غلام احمد قادیانی پر نبی، مسیح موعود اور مہدی موعود کے طور پر اپنے

ایمان کا اظہار کریں۔ وہ اس بات میں آزاد ہیں کہ وہ اپنی عبادات، من جملہ دیگر اپنی عبادت گاہوں میں اپنے مذہب کے مطابق ادا کریں۔"
(1984 PLD 136 FSC, 2 1 1984 August، امتناع قادیانیت آرڈیننس 1984ء وفاقی شرعی عدالت میں از مجیب الرحمٰن صاحب ایڈووکیٹ ص 192)

الحمدللہ کہ شرعی عدالت کا یہ مختصر فیصلہ ایک عرصہ تک 298C کے جماعتی مقدمات میں مفید ثابت ہوتا رہا تا آنکہ سپریم کورٹ میں اپیل پر اکثریتی فیصلہ اس کے خلاف آیا۔ مذکورہ مختصر فیصلہ پر مولوی حضرات اور جنرل ضیاء صاحب کی ناگواری طبعی تھی۔ چنانچہ ان کی مداخلت کے نتیجہ میں تفصیلی فیصلہ آنے تک ایک اور بے انصافی یہ ہوئی کہ جسٹس آفتاب حسین صاحب کو بطور چیف جسٹس شریعت کورٹ فارغ کر دیا گیا اور تفصیلی فیصلہ پر ان سے دستخط نہیں کروائے گئے اور فیصلہ میں مولوی حضرات کی مدد سے جماعت کے خلاف بہت کچھ غیر متعلق مخالفانہ مواد بھی شامل کر دیا گیا (جس کا جواب بعد میں مکرم مجیب صاحب کے ساتھ مل کر ایک رسالہ ضمیمہ موجبات اپیل کی صورت میں الگ دیا جا چکا ہے)۔ بہرحال شرعی عدالت کے تفصیلی فیصلہ میں یہ سقم تاریخ کا ایک سیاہ ورق ہے کہ وہ مقدمہ جو پانچ ججوں نے سنا اس کے فیصلہ پر دستخط صرف چار ججوں کے ثبت ہیں جو تکنیکی لحاظ سے بھی درست نہیں۔ سپریم کورٹ میں اس کے خلاف اپیل پر اکثریتی فیصلہ ہمارے خلاف ہوا جبکہ ایک معتبر جج جسٹس شفیع الرحمان صاحب نے فیصلہ سے اپنا اختلافی نوٹ شامل کر کے انصاف کا جھنڈا بلند رکھا۔

الحمدللہ کہ مکرم مجیب الرحمان صاحب ایڈووکیٹ نے نہایت محنت و اخلاص، کمال توجہ و انہماک، حکمت و دور اندیشی اور ذہانت و حاضر جوابی سے یہ مقدمہ پیش کیا اور خلیفۂ وقت کی دعاؤں و توجہ کے طفیل قدم قدم پر ہم نے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے عجب نظارے مشاہدہ کیے۔ اب پیچھے مڑ کر ان ایام گزشتہ پر نظر ڈالتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح دن رات ایک کر کے ان کو خدمت کے مواقع اللہ تعالیٰ کی توفیق سے عطا ہوتے رہے۔ فالحمدللہ علی ذالك

اللہ تعالیٰ مکرم مجیب الرحمان صاحب کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے اور اعلیٰ علیین میں ان کے درجات بلند فرماتا رہے۔ آمین

(بشکریہ الفضل انٹرنیشنل)

☆......☆......☆

غزل

عبدالسلام اسلامؔ



یم توحید میں پیدا ہوا پھر جوش طوفانی
محیط کُل جہاں ہونے کو ہے اُلفت کی طغیانی

سلگتی ہے غمِ ملت کی چنگاری وہ سینے میں
دکھا سکتا نہیں میں اپنے دل کا سوزِ پنہانی

یہی جمہوریت تھی کیا کہو ارکانِ دولت سے
حنا بندی کے کام آتا ہے اب تک خونِ انسانی

لٹکتے ہیں تری جمہوریت کے دِلربا پردے
ٹپکتے ہیں میرے آنسو ابھی ہے دورِ سلطانی

مقرب ہے خُدا کا اور "جنتین" کا وارث
شبستاں میں نہیں رکھتا جو عیشِ شبستانی

بلند ہے اُس کی شانِ پاک انسانی تصور سے
فرشتے کر رہے ہیں مصطفیٰ کے در کی دربانی

خُدا کے عشق و ایماں سے عجب تسکین ملتی ہے
سکونِ دل مجھے دیتی ہے میری طبعِ طوفانی

متاعِ گُم شدہ آخر وہ پالیتے ہیں دُنیا میں
کہ گُم خاک زمیں میں جن کی ہو جاتی ہے پیشانی

یہی نکتہ خُلاصہ عین ہے تاریخِ مذہب کا
ستم کو ہے کچل دیتا بالآخر کار پیشانی

گریباں پھاڑ کر اپنا جو پائی قیس نے لیلیٰ
تو کیوں نہ رنگ لائے گی ہماری چاک دامانی؟

اگر اسلامؔ کے نالے یونہی سُنتی رہی محفل
بدل ڈالے گا یہ عشقِ مجازی کی غزل خوانی



80 برس قبل آنے والا زلزلہ عظیمہ گولڈ کوسٹ (گھانا): جدید محققین کی توجہ کا مرکز

ڈاکٹر طارق احمد مرزا۔آسٹریلیا



حال ہی میں زمین کی دوری حرکت میں سستی پیدا ہونے کے ممکنہ اثرات کے باعث سنہ 2018ء کو زلزلوں کا سال قرار دیا گیا تھا۔اور اس سال کے آغاز سے اب تک دنیا میں سینکڑوں کی تعداد میں چھوٹے بڑے زلزلے آچکے ہیں۔ ان میں مارچ سنہ 2018ء اور اب مارچ 2019ء میں گھانا (مغربی افریقہ) میں آنے والے متعدد ہلکی شدت کے زلزلے بھی شامل ہیں۔

اخبارات کے مطابق ان زلزلوں کے بعد گھانا کے جیالوجیکل سروے ڈیپارٹمنٹ کے توجہ دلانے پر مئی 2018 میں حکومتی اداروں ،بشمول پولیس،فوج،وزارت داخلہ وغیرہ کی طرف سے ایک معلوماتی سمپوزیم کا اہتمام کیا گیا اور بعد ازاں چار روزہ قومی مشقوں کا اہتمام کیا گیا جس میں شرکاء کو کسی بڑے زلزلہ کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ہنگامی صورتحال سے نبٹنے کی تیاری کروائی گئی۔

ریلیف ویب انٹرنیشنل نامی ادارے کے مطابق مارچ 2019میں صدر مملکت گھانا نے ایک دس رکنی کمیٹی قائم کرنے کا اعلان کیا جس کا مقصد اس نوعیت کی صورتحال پر بروقت قابو پانا اور ممکنہ نقصانات کی روک تھام کی منصوبہ بندی اور اس پر عملدرآمد کروانا ہے۔

گزشتہ سال کے منعقدہ سمپوزیم اور مشقوں کے دوران ماضی کے جس زلزلے کا خصوصی طور پر بار بار بطور حوالہ ذکر کیا گیا وہ گھانا کی تاریخ کا سب سے ہولناک زلزلہ تھا جو آج سے 80 برس قبل سنہ 1939ء میں آیا تھا۔مقررین نے اس زلزلہ کی جس خصوصیت کا بطور خاص ذکر کیا وہ یہ تھا کہ یہ زلزلہ بالکل غیر متوقع طور پر اور اچانک آیا تھا اور اس کی شدت اور اثرات کا اطلاق گھانا کی آج کی آبادی اور تعمیرات کے معیار پہ کرتے ہوئے تصور میں لایا جائے تو جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

قارئین کرام 1939ء میں گھانا (جو ان دنوں گولڈ کوسٹ کہلاتا تھا) میں آنے والے اس زلزلہ عظیمہ میں دنیا بھر کے سائنسدانوں نے گزشتہ تقریباً ایک دہائی سے از سر نو دلچسپی لینا شروع کی ہوئی ہے کیونکہ یہ زلزلہ درحقیقت ان کے لئے ایک حیران کن واقعہ بلکہ معمہ بنا ہوا ہے۔سائنسدان، بشمول ماہرین ارضیات و زلازل(SEISMOLOGISTS) اس زلزلہ پہ تحقیقات کرکے کئی مقالے لکھ چکے ہیں اور اس زلزلہ کا کمپیوٹرائز ڈ ماڈل بھی تیار کر لیا ہے۔اسی طرح سیٹلائٹ اور زیر آب سمندری ٹیکنالوجی کے ذریعہ سے اس زلزلہ سے پیدا ہونے والے زمینی آثار کا کھوج بھی لگا لیا گیا ہے جو ناقابل یقین تک حیران کن ہیں۔

اس تحریر میں پہلے تو اس تاریخی زلزلہ کے بارہ میں جدید دور میں حاصل ہونے والی اہم معلومات کا خلاصہ پیش کیا جائے گا اور اس کے بعد بتایا جائے گا کہ یہ خوارق عادت زلزلہ دراصل ایک غیر معمولی آسمانی اور روحانی پس منظر کا حامل ہونے کی بنا پر ایک عظیم نشان کی حیثیت رکھتا ہے جو اس زمانہ کے مامور من اللہ ،حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام،کی تائیدِ صداقت کے لئے ظاہر ہوا تھا۔

سائنسدان اور محققین تو یہی سمجھتے اور بتاتے ہیں کہ یہ زلزلہ عظیمہ غیر متوقع طور پر اچانک بغیر کسی وارننگ یا پیشگی اطلاع کے آیا تھا لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ یہ زلزلہ نہ صرف اس مامور زمانہ کے معاندین کی ''فرمائش'' اور مطالبہ پر آیا تھا بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اطلاع پا کر اس کے آنے کی پیشگی خبر بھی بانگ دہل اعلان کے ذریعہ باشندگانِ گولڈ کوسٹ (گھانا) تک پہنچادی گئی تھی۔

یہی نہیں بلکہ اس زلزلہ کے آنے سے دو سال قبل یعنی سنہ 1937ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زلازل سے متعلق پیشگوئیوں کو بذریعہ اشتہار شائع کرکے ملک میں بکثرت تقسیم کر دیا گیا تھا۔

(تاریخ احمدیت جلد 7۔ایڈیشن 2007 صفحہ 624)۔

زلزلہ کا منظر نامہ: اعداد و شمار اور جغرافیائی شواہد

2013 میں ویانا میں منعقدہ ایک کانفرنس میں گھانا جیالوجیکل سروے کے

معروف سینئر ماہر علوم زلازل (Seismologist) مسٹر نکولس اوپوکو (Nicholas Opoku) نے ایک لیکچر میں بتایا کہ گھانا میں یوں تو عرصہ دراز سے زلزلے آتے رہے ہیں لیکن ان سب میں سب سے نمایاں زلزلہ جون 1939 میں آنے والا زلزلہ تھا جس نے پورے ملک کو ہلا کر رکھ دیا۔ ریکٹر سکیل پر اس کی شدت تخمیناً 6.5 ڈگری تھی۔

زلزلہ کے نتیجہ میں اکرا شہر میں پختہ کنکریٹ کی بنی ہوئی عمارات میں دراڑیں پڑ گئیں۔ بشپ چرچ کے مشرق میں بہت بڑا لینڈ سلائڈ ہوا اور اکرا کے پاس Nyanyanu نامی ایک گاؤں مکمل طور پر زمین بوس ہو گیا۔ اکرا شہر میں یہ زلزلہ تقریباً تیس سیکنڈ تک رہا جس کے نتیجے میں وہاں 16 افراد جان بحق اور 133 افراد زخمی ہوئے۔ عمارات اور املاک کو پہنچنے والے نقصان کا تخمینہ کئی لاکھ پاؤنڈ بتا جاتا ہے۔ خوش قسمتی سے یہ زلزلہ ایسے وقت آیا جب لوگ جاگے ہوئے تھے ورنہ جانی نقصان کئی گنا زیادہ ہوتا۔

آپ نے بتایا کہ گھانا میں پہلا زلزلہ پیما (سیسموگراف) 1914 میں نصب کیا گیا تھا جو 1939 کے زلزلے سے **دو سال پیشتر کام کرنا چھوڑ گیا تھا اور اس کے بعد سے مقامی طور پر زلزلوں کی آمد سے فوری قبل ان کے خطرے کی نشاندہی کرنا ممکن نہ رہی تھی۔** گھانا میں نیا **سیسموگراف 1973 میں نصب کیا گیا۔** جبکہ اینالاگ سیسمک نیٹ ورک امریکہ کی مدد سے 1987 میں نصب کیا گیا۔ 2010 میں کینیڈا کی مدد سے گھانا میں جدید ترین ڈیجیٹل سیسموگراف سسٹم متعارف ہوا، جس میں ایک جدید ترین سیسمولوجیکل آبزرویٹری کا قیام اور سیٹلائٹ سسٹم کا نظام شامل ہے جس کے توسط سے دنیا بھر میں موجود دیگر زلزلہ پیما مراکز کے ساتھ رابطہ استوار رہتا ہے۔

جناب Nicholas Opoku نے بتایا کہ جدید ٹیکنالوجی کے حصول کا مقصد گھانا بھر میں زمین کا سروے کرنا، ان میں زلزلہ سے متاثر ہونے والے خطوں کی نشاندہی کرنا اور پھر اس کے حوالے سے جملہ عمارات بالخصوص پانی کے ڈیم، بجلی گھروں، نیوکلیئر پاور پلانٹ، پلوں، اور ٹرانسپورٹ سسٹم کو زلزلہ پروف بنانا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس شعبہ (Seismology) میں نوجوان نسل میں سے ماہرین تیار کرنے کی بھی اشد ضرورت ہے کیونکہ گھانا میں اس شعبہ کیطرف کوئی توجہ یا دلچسپی نہیں رکھتا۔ بحوالہ:

Ghana Digital Seismic Network-The way Forwards and the Challenges by Nicolas Opoku. CTBTO science and Technology 2013 conference Vienna.

واضح رہے کہ زلزلہ پیما آلہ زلزلہ سے پیدا ہونے والے زمینی ارتعاش کو ریکارڈ کرنے کا ایک آلہ ہے، نہ کہ زلزلہ کی پیشگی اطلاع دینے والا۔ اس آلہ کا اتنا فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ اگر یہ مسلسل چند گھنٹے یا چند دن خفیف زمینی ارتعاش (جسے انسان محسوس نہیں کر سکتے) ریکارڈ کر کے بتاتا رہے تو سائنسدان عوام الناس کو متنبہ کر دیتے ہیں کہ کوئی بڑا جھٹکا بھی آ سکتا ہے۔ زمانہ حال میں سائنسدانوں نے جدید سائینسی علوم کی ترقی اور کمپیوٹرائزڈ سسٹم کی مدد سے زلزلوں کی پیشگی خبر دینے کی کچھ مزید صلاحیت تو حاصل کی ہے لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ انہوں نے یہ اعتراف کیا ہے کہ **گزشتہ 117 سالوں میں زلزلوں کی پیشگوئی کرنے کی ٹیکنالوجی میں کوئی خاطر خواہ ترقی نہیں ہو پائی۔ اور یہ کہ ان کی زلزلہ کی معین پیشگوئی کرنے کی صلاحیت محض دو فیصد کے لگ بھگ ہے۔**

اسی زلزلے کا ذکر کرتے ہوئے کتاب Extreme Natural Hazards, Disaster Risks and Societal Implications (شائع کردہ کیمبرج یونیورسٹی پریس 2014) کے صفحہ 218 پہ درج ہے کہ 1939 میں گھانا میں آنے والا زلزلہ اتنا شدید تھا کہ اس نے اوشو قلعہ (Osu Castle) جس میں حکومت کے مرکزی دفاتر قائم تھے، کی چھت ہی اڑا کر رکھ دی۔ (Osu Castle, the seat of government had its roof ripped off.)

یہ خبر بھی آن ریکارڈ ہے کہ اس زلزلہ سے سی۔ آئی۔ ڈی ہیڈکوارٹر کی بلڈنگ میں بھی کریک پڑ گئے تھے۔ اسی طرح حکومت کو زلزلے کے نتیجے میں بے گھر ہو جانے والے افراد کے لئے بہت سے نئے رہائشی مکانات تعمیر کرنا پڑے، جن میں سے 7,000 مکانات صرف دو قصبوں جیمز ٹاؤن اور بوکوم (Bukom) میں تعمیر ہوئے۔

https://www.modernghana.com/news/259861

گھانا جیولاجیکل سروے ڈیپارٹمنٹ کی ایک اور ماہر ارضیات وزلازل پولینا ایمپونساح (Paulina Ekua Amponsah) اپنے تحقیقی مقالہ میں لکھتی ہیں کہ: گھانا ان علاقوں سے بہت ہی دور ہے جہاں عموماً زلزلے آتے رہتے ہیں کیونکہ براعظم افریقہ کرہ ارض کے جس خطہ پہ واقع ہے وہ لاکھوں سال قبل ان علاقوں سے جدا ہو گیا تھا۔ 1971 میں ایک سائنسدان نے یہ انکشاف کیا کہ لاکھوں برس قبل براعظم افریقہ کے جس حصہ میں زلازل آیا کرتے تھے اس میں زمانہ جدید میں پھر سے حرکات پیدا ہونا شروع ہو گئی ہیں جس کے نتیجے

میں اب یہاں پھر سے زلزلے آنے شروع ہو گئے ہیں۔ان میں سے ایک ایسا ہی علاقہ گھانا خصوصاً اکرا کا ہے۔جدید آلات کی مدد سے زمانہ حال میں یہ خوفناک انکشاف بھی ہوا ہے کہ **اکرا شہر تو میلوں میل کی گہرائی میں براعظم افریقہ سے ایسے کٹ چکا ہے جیسے کیک کا ایک تکونی ٹکڑا انگریزی کے حرف** وی (V) کی طرح کسی نے کمال صفائی سے کاٹ ڈالا ہو۔انہوں نے بتایا کہ اکرا شہر کے نیچے خطہ زمین میں دو بڑی دراڑیں پڑی ہوئی دریافت ہوئی ہیں۔آپ مزید لکھتی ہیں کہ:

☆دور جدید کے ان زلزلوں میں سب سے **خطرناک اور قابل ذکر زلزلہ جون 1939ء کا تھا** جس میں کئی جانیں ضائع ہوئیں۔

☆ لگ بھگ ایک ملین پاؤنڈ کی املاک تلف ہوگئی۔

☆**اس کے جھٹکے سات لاکھ پچاس ہزار (750,000) مربع کلومیٹر کے رقبے میں موجود انسانوں نے محسوس کئے۔**

☆نمایاں شدت کے جھٹکے اکرا شہر سے 800 کلومیٹر دور تک کے علاقہ میں محسوس کئے گئے۔

☆**اس زلزلہ کو دنیا بھر کے مختلف حصوں میں موجود زلزلہ پیما آلوں نے ریکارڈ کیا۔**اس کا مرکز 5.18 ڈگری شمالاً اور 13.0 ڈگری مغرباً تھا اور اس کی گہرائی محض 13 کلومیٹر تھی۔

☆**اس زلزلہ کے نتیجے میں** Weija **اور** Fete **کے درمیان زمین پھٹ گئی جو زیر سطح زمینی کریک کی شکل میں ابھی بھی موجود ہے۔**یہ ارضیاتی سقم اس مخصوص زلزلہ کی ایک مستقل یادگار ہے۔

☆اس زلزلہ عظیمہ کے بعد سے اکرا میں متواتر چھوٹے بڑے زلزلوں کی آمد جاری رہی جو قابل تشویش امر ہے۔آپ نے اس امر کی ضرورت پر زور دیا کہ گھانا خصوصاً اکرا کے نیچے پڑ جانے والے ان دراڑوں کے قرب وجوار میں کوئی بھی عمارت تعمیر نہ کی جائے۔نیز مستقبل کی تمام عمارات زلزلہ پروف ہونا چاہییں۔بحوالہ:

Seismic Activity in Ghana :Past ,Present and Future ANNALS OF GEOPHYSICS, VOL. 47, N. 2/3, April/ June 2004

☆سٹی ایف ایم ریڈیو ویب سائٹ کے نامہ نگار کے مطابق اس زلزلہ سے ہونے والے **نقصانات کا تخمینہ آج کے حساب کے مطابق 67.3$ ملین ڈالر تھا۔اس زلزلہ نے تیس سیکنڈ کے اندر سترہ افراد کی جان لے لی اور ایک سو چالیس کو زخمی کر ڈالا۔اسی شدت کا زلزلہ اگر آج اکرا میں دوبارہ آجائے تو اس کی مچائی ہوئی قیامت خیزی کا تصور کرنا بھی محال ہے۔**

(Raymond Acquah/citifmonline.com/Ghana)

اس زلزلہ کو معمولی یا قصہ پارینہ سمجھ کر نظر انداز کر دینا انتہائی حماقت ہوگی

ایک ماہر ارضیات Dr A Ofori Quaah کے مطابق گھانا میں 1939 کے زلزلے کے بعد کے جھٹکوں **(آفٹر شاکس) کا سلسلہ 13 مہینوں تک جاری رہا تھا۔**بعض اوقات ایک ہی دن میں پانچ یا چھ جھٹکے آجاتے تھے۔ان میں سے بعض جھٹکے 4.5 ڈگری شدت کے ہوتے تھے۔

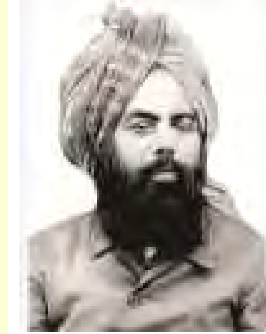
ڈاکٹر افوری کے مطابق اس زمانہ میں اکرا شہر کی آبادی محض ستتر ہزار نفوس پر مشتمل تھی جن میں بائیس افراد زلزلے کے نتیجے میں جاں بحق ہو گئے تھے۔جو کل آبادی کا محض 028.0 فیصد حصہ بنتا ہے۔لیکن آج (2016 میں) جب کہ اکرا کی آبادی دو ملین کے لگ بھگ ہو چکی ہے اتنی آبادی کا 0.028 فیصد کسی زلزلے کا شکار ہو کر جاں بحق ہو جائے تو یہ ایک بہت بڑا انسانی المیہ بن کر سامنے آئے گا۔پھر یہ بھی تصور میں لائیں کہ اس زلزلے کے پانچ پانچ چھ چھ طاقتور آفٹر شاکس روزانہ آرہے ہوں تو اکرا میں تعمیر شدہ بلند و بالا کثیر منزلہ عمارات میں مقیم اور کام کرنے والے کتنی پھرتی سے ہر بار ان عمارات کو خالی کر کے باہر کسی محفوظ مقام پر جمع ہونے کی مہلت یا قدرت پا سکیں گے؟۔اس لئے 1939 میں آنے والے اس زلزلہ کو معمولی یا قصہ پارینہ سمجھ کر نظر انداز کر دینا اور مستقبل میں اس نوعیت کے زلزلے کی آمد کے پیش نظر انسانی جانوں کے ضیاع کے بچاؤ کے لئے کوئی حکمت عملی تیار نہ کرنا انتہائی حماقت ہوگی۔

https://www.modernghana.com/news/688061/another-earthquake-another-reminder.html

واشنگٹن میں مقیم ایک گھانین کالم نگار نے لکھا ہے کہ **گھانا میں 1906 میں بھی** ایک شدید زلزلہ آیا تھا جس کے آفٹر شاکس اگلے سال 1907 میں بھی جاری رہے۔اسی طرح اس نے 1939 میں آنے والے زلزلہ کا ذکر کرتے ہوئے تجویز دی ہے کہ چونکہ گھانا کا دارالحکومت ایک ایسے خطہ زمین کے اوپر آباد ہے جس کے نیچے دراڑیں پڑی ہوئی ہیں لہٰذہ حساس وسرکاری اداروں، تجارتی مراکز، انٹرنیشنل ائرپورٹ وغیرہ کو ملک کے دوسرے حصوں میں منتقل کر دیا جائے۔ہمیں گھانا میں آنے والے سابقہ زلزلوں اور دنیا بھر کے دیگر ملکوں خصوصاً ہیٹی میں آنے والے قیامت خیز زلزلے سے سبق سیکھ کر مستقبل کے لئے ابھی سے پلاننگ کرنا ہوگی۔

https://www.ghanaweb.com/GhanaHomePage/Planning-For-The-Next-Big-Earthquake-In-Accra-Lessons-From-The-Haiti-Tragedy-176303

زلزلہ کا آسمانی اور روحانی پس منظر۔معاندین احمدیت کی طرف سے زلزلہ کا نشان دکھلانے کا مطالبہ کیا گیا تھا



جیسا کہ مضمون کے آغاز میں بیان کیا گیا کہ زلزلہ عظیمہ گولڈ کوسٹ (گھانا) 1939ء اصل میں ایک عظیم الشان نشان کا مقام رکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کئے گئے مامور زمانہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود ومہدی معہود علیہ السلام کی تائید میں ظاہر ہوا تھا۔اس کے اس پس منظر کی تفصیلات ذیلی عناوین کے ساتھ مولانا نذیر احمد مبشر صاحب سابق مبلغ انچارج گھانا کے الفاظ میں پیش کی جاتی ہیں۔

آپ لکھتے ہیں:

''میرے پہلے تبلیغی دورہ گولڈ کوسٹ (غانا) کے دوران 1939ء میں گولڈ کوسٹ کا ایک نوجوان باشندہ بچپن میں اپنے والد کے ہمراہ مکہ مکرمہ حج کے لئے گیا تھا اور اپنی پوری جوانی تک مکہ میں رہا تھا۔اپنے وطن واپس پہنچتے ہی پراپیگنڈہ شروع کر دیا کہ مہدی علیہ السلام ہرگز ظاہر نہیں ہوئے اور یہ کہ احمدیت نعوذ باللہ باطل ہے۔(میں نے) اسے چیلنج دیا کہ اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو میرے ساتھ مناظرہ کرے لیکن اس نے مناظرہ سے بالکل انکار کر دیا۔وہ اور اس کے ہمنوا غیر احمدی کہنے لگے کہ مناظرہ کی بجائے آپ ظہور مہدی علیہ السلام اور ان کی صداقت پر لیکچر دیں،ہم سنتے ہیں۔آپ کے لیکچر کے بعد ہم آپ سے کچھ سوالات کریں گے۔چنانچہ خاکسار نے اڑھائی گھنٹہ تک ایک مبسوط تقریر علامات ظہور مہدی ومسیح پر کی۔تقریر کے بعد ایک شخص نے صرف دو سوال کئے جن کے جواب دئے گئے اور یہ خیال کرنے پر کہ ممکن ہے کہ وہ لوگ مزید استفسار کریں میں اس گاؤں میں ایک روز ٹھہر گیا لیکن کسی نے کوئی بات نہ کی اور میں دوسرے دن سالٹ پانڈ چلا آیا۔میری واپسی کے ایک دن بعد صراحہ گاؤں اور اس کے آس پاس کے غیر احمدی اکٹھے ہوئے اور انہوں نے سفید لٹھے کا جھنڈا بنایا اور اپنے سروں اور کلائیوں پر سفید لٹھے کی پٹیاں باندھیں جسے وہاں فتحیابی کی علامت قرار دیا جاتا ہے اور مختلف دیہات میں بطور جلسہ گھومے اور نعرے لگائے کہ ہم نے امیر جماعت گولڈ کوسٹ کو شکست دیدی ہے اور ساتھ ہی وہ فلیسی میں گاتے جاتے تھے کہ ''مہدی ظاہر نہیں ہوا'' کیونکہ ''زلزلہ نہیں آیا''۔**گویا ان کے نزدیک مہدی کے آنے کی بڑی علامت زلزلہ کا آنا تھا** اور وہ ان کے ملک میں نہیں آیا۔

مجھے جب ان کے اس رویہ کی خبر پہنچی تو میں نے چند دن نہایت التزام کے ساتھ دعا اور **اللہ تعالیٰ سے التجا** کی کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے اظہار اور اس کی تائید کے لئے اس ملک میں زلزلہ کا نشان ظاہر فرمائے۔**چند دنوں کی دعا کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ گولڈ کوسٹ میں ضرور زلزلہ کا نشان مخالفین حضرت مسیح موعودؑ کو دکھلائے گا۔**

زلزلہ آنے کی پیشگی اطلاع دے دی گئی

چنانچہ اس یقین اور وثوق کی بناء پر میں نے اس علاقہ کی احمدی جماعتوں کو ایک سرکلر بھیجا کہ فلاں فلاں تاریخ کو فلاں فلاں گاؤں میں اجلاس منعقد کریں،اس کے اردگرد کی جماعتیں وہاں پہنچ جائیں۔۔۔

ان اجلاسوں میں میں نے اپنے مناظرے کے چیلنج اور تقریر کا ذکر کیا اور اصل حقیقت سے پبلک کو آگاہ کیا کہ مکہ سے واپس آنے والے نوجوان نے میری ایک بات کا بھی جواب نہ دیا اور نہ ہی اس نے میری تقریر پر اعتراض کرنے کی جرأت کی۔صرف ایک شخص نے دو سوال دریافت کئے جن کے تسلی بخش جواب دیئے گئے۔اور بجائے اس کے کہ یہ لوگ ندامت سے اپنا سر نیچا کرتے الٹا انہوں نے اپنی جھوٹی فتحیابی کے گانے اور ناچنے کا اظہار کیا۔نیز ہر دو دیہات میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیاں متعلقہ زلازل بیان کر کے عام پبلک میں بانگ دہل اعلان کیا کہ دنیا کے سارے دوسرے ممالک میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں کے مطابق زلازل آچکے ہیں **اور اب گولڈ کوسٹ (غانا) کی باری ہے۔**

(واضح رہے کہ گھانا میں نصب پہلا زلزلہ پیما 1939 کے زلزلے سے دو سال پیشتر کام کرنا چھوڑ گیا تھا اور اس کے بعد سے مقامی طور پر زلزلوں کی آمد سے فوری قبل ان کے خطرے کی نشاندہی کرنا ممکن نہ رہی تھی۔ناقل)

مطالبہ اور پیشگوئی کے عین مطابق شدید زلزلہ آ گیا

اس دورہ کو جاری رکھتے ہوئے جب تیسرے گاؤں مدینہ پٹیڈ پاسی بروز جمعرات پہنچا اور دوسرے دن جس تاریخ مقررہ پر اجلاس منعقد ہونا تھا تو دورہ کے تیسرے اجلاس کے منعقد ہونے سے پہلے جمعرات کی رات کو قریباً آٹھ

بجے شام شدید زلزلہ آیا جس کے جھٹکے رات کو بعد میں بھی محسوس ہوتے رہے۔اس زلزلہ سے گولڈکوسٹ میں بہت سے مکانات مسمار ہوئے اور بعض مقامات پر غیراز جماعت لوگ بوجہ خوف اپنی جانیں بچانے کے لئے احمدیہ مساجد میں جا گھسے۔چنانچہ اس زلزلہ کے نشان کو دیکھ کر بعض مشرک اور عیسائی اپنے ستار بجابجا کر ''**مہدی ظاہر ہوگیا ہے**'' کا گیت گاتے تھے۔اور اس کی دلیل یہ ہے کہ زلزلہ آ گیا ہے۔

یہ زلزلہ ایک طرف تو اس عاجز کی دعا کی قبولیت کا ثبوت تھا اور دوسری طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا ایک زبردست نشان تھا۔

بحوالہ کتاب:'' برہان ہدایت''۔ جلد اول۔ مؤلفہ مولوی عبدالرحمٰن مبشر صاحب۔مطبوعہ.1967صفحہ 137 تا139

1906ء میں بھی غانا کی سرزمین زلزلہ سے ہلا دی گئی تھی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے خبر پا کر زلازل کو اپنی بعثت کے ساتھ جڑے ایک نشان کے طور پر پیش فرمایا تھا۔آپ کی اس پیشگوئی کے مطابق سنہ 1906ء میں،جبکہ آپ حیات تھے،دنیا کے کئی ممالک میں زلزلے آئے جن میں افریقہ میں واقع ملک گھانا بھی شامل تھا،جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

20رفروری 1906ء کو آپؑ نے فرمایا:''بحالت مجموعی تاریخ میں دیکھا جائے تو ایسا سلسلہ زلازل جو تمام دنیا پر محیط ہو گیا ہو کبھی نظر نہیں آتا۔اس میں ایک تنبیہہ ہے جس سے سمجھنے والے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

نیز فرمایا کہ:''اگر ابتدائی منذرات کو عبرت کی نظر سے دیکھو گے اور خدا تعالیٰ سے ڈر کر استغفار لاحول اور دوسرے نیک کاموں میں مشغول ہو جاؤ گے تو یہ تمہارے لئے اچھا ہوگا''۔(ملفوظات جلد5صفحہ 8اور 404)

''زور آور حملے''

1939 کا زمانہ وہ زمانہ ہے جب دنیا پر دوسری جنگ عظیم کے سائے منڈلا رہے تھے۔ہٹلر اور اس کے زیر تسلط نازی جرمنی کے عسکری جارحانہ عزائم اور توسیع پسندی کیخلاف دنیا میں سرد جنگ کا آغاز ہو چکا تھا۔یورپ کے علاوہ دنیا کے مختلف خطوں میں موجود یورپی اور برطانوی نوآبادیات میں مختلف استعماری طاقتیں اپنے زیر تسلط اقوام کی ہمدردیاں اور حمایت حاصل کرنے کے لئے اپنے پروپیگنڈوں کا دائرہ کار کیا ایشیا،کیا افریقہ اور کیا الجزائر،الغرض دنیا کے ہر حصے تک بڑھا اور پھیلا رہی تھیں۔

گھانا بھی اس زمانہ میں برطانوی نوآبادی بن چکا تھا اور مبینہ طور پر اس کے عوام بھی مذکورہ پروپیگنڈے سے متاثر ہو چکے تھے چنانچہ ان کے دل و دماغ پر مسلسل یہ خوف چھایا رہنے لگ گیا تھا کہ نازی جرمنی کی فوجیں گھانا پر سے برطانوی تسلط ختم کرنے اور اس پر اپنا قبضہ جمانے کی ضرور کوئی زور آور کارروائی کریں گی۔

اب جبکہ گھانا کے عوام الناس کی نفسیاتی کیفیت اس قسم کے خوف میں مبتلا کردی گئی تھی تو جب ایسے میں 22جون سنہ 1939 کی شام گھانا کی سرزمین کو ایک زلزلہ نے ہلا کر رکھ دیا تو سویلین عوام کے علاوہ گھانا میں موجود مقامی اور برطانوی فوجیوں کے دلوں میں پہلا جو خیال آیا وہ یہی تھا ہٹلر کی نازی افواج گھانا پر حملہ آور ہوگئی ہیں اور سمندر کی جانب سے گھانا پر شدید زور آور قسم کی بمباری کی گئی ہے۔

اس دلچسپ اور قابل ذکر نفسیاتی ردعمل کا ذکر کرتے ہوئے ایک مؤرخ Wendell P.Holbrook نے اپنے مقالہ بعنوان British Propaganda And The Mobilization Of The Gold Coast War Effort میں لکھا ہے کہ:

In the early evening of 22 June 1939,seismic tremors shook the West African city of Accra an d left in their wake the deaths of sixteen people and sizable damage to residential,business and government properties.The Gold Coast's worst earthquake of the century had come almost without warning and the populace was caught both unprepared and without immediate explanation for the sudden devastation which scarred the urban landscape.

The first reaction of many of the capital's 74,000 residents was one of the fear that German forces had bombed the city.Soldiers recently mobilized with the Gold Coast Regiment,for example,mistook the tremors for the attack of a sea-borne enemy and readied themselves for battle.

Journal of African History,26(1985),page (347.Printed in Great Britain)

قارئین کرام، یہ لوگ نہیں جانتے تھے کہ گھانا کی سرزمین کو ہلا دینے والے یہ جھٹکے کسی دنیاوی طاقت کی افواج کے زور آور حملے نہیں تھے بلکہ خدائی وعدہ کے مطابق رب الافواج کی طرف سے بھیجے گئے ماموز زمانہ کی سچائی کی تائید میں دکھلائے جانے والے زور آور حملے تھے جو ایک غیر معمولی خوارق عادت نشان کی صورت ظاہر ہوئے۔ الہام حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے الفاظ میں:

''دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسے قبول نہ کیا، لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا''۔ (تذکرہ۔صفحہ 104)

☆☆☆



میں نے ایسا نورانی چہرہ نہیں دیکھا کیپٹن ڈگلس۔

اگست 1897ء میں پادری ہنری مارٹن کلارک نے حضرت مسیح موعودؑ کے خلاف اقدام قتل کا جھوٹا مقدمہ قائم کیا اور اپنے ساتھ آریوں اور محمد حسین بٹالوی جیسے علماء کو بھی ملا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت حضرت اقدسؑ کو اس مقدمہ میں باعزت بری ہونے کی اطلاع دی۔ چنانچہ بٹالہ کی عدالت میں اُس وقت کے ڈپٹی کمشنر ولیم مانٹیکو ڈگلس کے سامنے مقدمہ پیش ہوا تو انہوں نے حضورؑ کی عزت افزائی کرتے ہوئے عدالت میں کرسی دی اور تحقیق کے بعد آپؑ کو اس جھوٹے مقدمہ سے بری کیا۔ پیلاطوس ثانی مسٹر ولیم ڈگلس نے چونکہ پیلاطوس اوّل کے برعکس فیصلہ دے کر عدل کا شاندار کارنامہ دکھایا تھا اس لئے حضرت مسیح موعودؑ نے ''کتاب البریہ'' اور دیگر متعدد تصانیف میں اُن کی بیدار مغزی، منصف مزاجی، مردانگی اور خدا ترسی کی بڑی تعریف فرمائی۔ ایک جگہ لکھا: ''جب تک کہ دنیا قائم ہے اور جیسے جیسے یہ جماعت لاکھوں کروڑوں افراد تک پہنچے گی، ویسے ویسے تعریف کے ساتھ اس نیک نیت حاکم کا تذکرہ رہے گا اور اس کی خوش قسمتی ہے کہ خدا نے اس کام کے لئے اس کو چنا۔''

مسٹر ڈبلیو ایم ڈگلس نے 25 فروری 1957ء کو لندن میں 93 سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اُن کے ذہن میں آخر تک اس مقدمہ کے واقعات پوری طرح محفوظ تھے اور وہ ساری زندگی اپنی زندگی کے اس اہم ترین واقعہ کا تذکرہ کرتے رہے اور عقیدت آمیز لب ولہجہ میں کہتے کہ میں نے مرزا صاحب کو دیکھتے ہی یقین کر لیا تھا کہ یہ شخص جھوٹ نہیں بول سکتا۔

خاکسار 1953ء میں پاکستان فضائیہ کی طرف سے ایک ٹریننگ کورس کرنے کے لئے انگلستان گیا اور اِس دوران کرنل ڈگلس سے بھی ملاقات کی۔ وہ اگرچہ انفلوئنزا کی وجہ سے بیمار تھے اور ڈاکٹر نے مکمل آرام کا مشورہ دیا ہوا تھا لیکن میرے لمبے سفر کا خیال کرتے ہوئے انہوں نے مجھے تفصیل سے حالات بیان کئے۔

انہوں نے بتایا کہ تمام محکوم ممالک کی طرح انڈیا میں بھی انگریزوں کا اتنا رعب تھا کہ کوئی کام ہماری مرضی کے خلاف نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ہمیں اپنی انتظامی قوت پر بے حد فخر تھا۔ جب یہ واقعہ پیش آیا تو اُس وقت مَیں ضلع گورداسپور کا ڈپٹی کمشنر تھا مگر اِس واقعہ کا گہرا تعلق چند سال قبل کے ایک ایسے واقعہ سے بھی ہے جو بٹالہ کے ریلوے سٹیشن پر میرے ساتھ پیش آیا تھا جب مَیں بٹالہ میں اسسٹنٹ کمشنر تعینات تھا۔ ایک روز بٹالہ ریلوے پلیٹ فارم پر چلتے ہوئے مَیں کیا دیکھتا ہوں کہ سامنے سے ایک شخص چلا آ رہا ہے۔ نگاہیں نیچی، بے حد نورانی چہرہ۔ اُس کے چہرہ میں ایک ایسی کشش تھی کہ میرا دل اور دماغ ہل کر رہ گئے۔ لگتا تھا کہ اُسے دنیا سے کوئی رغبت ہی نہیں اور وہ آہستہ آہستہ چلا آ رہا تھا۔ میرے لئے ممکن ہی نہ رہا کہ اس کے اتنے نورانی چہرہ سے اپنی نگاہیں اٹھا سکوں چنانچہ میں ٹکٹکی باندھے اس کے چہرہ کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ شخص میرے پاس سے گزر گیا تو پھر بھی مَیں اسے دیکھتا رہا اور آہستہ آہستہ گھومتا گیا اور آخر کار میں الٹے پاؤں چلنے لگ گیا۔ اس طرح چلنے کی وجہ سے مَیں پلیٹ فارم پر کھڑے اسسٹنٹ سٹیشن ماسٹر بٹالہ سے ٹکرا گیا جس کی وجہ سے وہ زمین پر گر گیا۔ مَیں نے اُس کو Sorry کہا، اُسے زمین سے اٹھایا اور جلدی سے پوچھا کہ وہ کون شخص ہے؟ اُس نے جواب دیا: سر آپ کو علم نہیں؟ یہ قادیان کے مرزا صاحب ہیں۔ جذباتی طور پر مَیں اُس وقت شدید مغلوب تھا کیونکہ میں نے ایسا نورانی چہرہ ساری عمر نہیں دیکھا تھا اور یہ اثر مجھ پر کافی عرصہ قائم رہا۔ پھر آہستہ آہستہ فراموش ہو گیا۔

☆☆☆

تین قبروں کی مشترکہ کہانی

تحریر::ابن صدیق

ہر سال اگست میں سرکاری بھائیوں کی طرف سے گالی گلوچ کا سالانہ فیسٹیول شروع ہوتا ہے جو ستمبر کے اخیر تک اپنے عروج پر پہنچ جاتا ہے۔ دیوبندی مولوی جناب آغا شورش کاشمیری صاحب نے ایک دفعہ ہزارہ کے اپنے ہی ہم مسلک مولوی جناب غلام غوث ہزاروی کے بارے میں کہا تھا کہ یہ تو گالی دیئے بغیر قرآن بھی نہیں سنا سکتا لیکن لگتا ہے آج ان کی آل اولاد گالی دیئے بغیر کچھ بھی نہیں کرسکتی حتیٰ کہ ختم نبوت کا دفاع بھی نہیں کرسکتی اس لئے دل کھول کر دفاع کیا جاتا ہے۔ یوں پاکستان اوراس کے گرد ونواح میں اس فیٹیول کی تقریبات جاری ہیں۔ اسی اگست اور ستمبر میں اگر غیر سرکاری نظر سے دیکھا جائے تو ایک زندوں کا جلسہ اور تین مردوں کی قبریں بھی نظر آئیں گی اور آج میں جلسہ سے فارغ ہونے والوں کے لئے تین قبروں کی کہانی لے کر آیا ہوں۔

آج کی کہانی میری خاص طور پر اطفال الاحمدیہ کے ان ماٹھے احمدی بچوں کے لئے ہے جو سکول میں سہمے ہوئے اپنے کلاس فیلوز کی طعن وتشنیع، گالی گلوچ، مرتد کافر، بے دین اسلام کے دشمن اور پتہ نہیں کن کن ذلیل

القابات سے تذلیل سہتے ہوئے سوچ رہے ہوتے ہیں کہ یار یہ کیا عجیب بات ہے کہ گھر میں دادا ابو جب بھی ناراض ہوتے ہیں تو مسئلہ نماز سے لیٹ ہونے کا ہوتا ہے۔ ابو سے جوتے پڑتے ہیں کہ مربی صاحب نے شکایت لگادی کہ اتوار کی قرآن کلاس سے غائب تھا۔ دادی جان ہیں کہ ہمارے سرہانے کے پاس ہر صبح تین بجے سے تہجد کے سجدوں میں رورو کر سونے بھی نہیں دیتیں ۔ ماں سے طعنہ سننا پڑتا ہے کہ اتنا بڑا اکھوتا ہوگیا ہے ابھی ترجمہ ختم نہیں کیا بہن کو دیکھ سارا ناظرہ ترجمے سمیت ختم کرکے اتنی سورتیں بھی حفظ کر لی ہیں۔ یعنی گھر میں بھی بے عزتی اور باہر بھی ۔ گھر میں بھی بے دین ٹھہرے اور باہر بھی۔ مگر پھر دوسرا ہی لمحہ ان دونوں گروپوں کے چہروں کے ساتھ ہویدا ہوتا ہے اور پھر سارا منظر ہی بدل جاتا ہے۔ کہاں اس کا وہ پاکیزہ گھر، جہاں کہیں تہجد کی مبارک ساعات میں ل سجدوں میں اپنے مولیٰ کے حضور حاضر دادا دادی جان کی مناجات ہیں تو کہیں فجر کے بعد والدہ کی دھیمی دھیمی تلاوت اور بچوں پر تلاوت کے بعد کی پھونکیں ہیں۔ خطبہ اورقران کلاسز لگا کر اونچی آواز میں ایم ٹی اے سنتے ابو جان ہیں تو ناصرات کے کام میں مگن آپی جان ہیں ۔اور کہاں یہ ہمارے محلے کے مولوی صاحب۔ جن کی مونچھیں تو ہر وقت استرے سے صاف ہوتی ہیں مگر ان کی نیت کتنی صاف ہے یہ مفتی طارق مسعود صاحب اور مولوی مکی لال داڑھی والے صاحب سے کوئی سنے۔ اور جو اس کے دوست اس کو کافر اور مسلمان کی ڈگریاں دیتے نہیں تھکتے ان کی پرسل کرتوتیں تو اس کے سامنے کی بات ہوتی ہے۔ ایسے اطفال کے پاس دلائل کم ہوتے ہیں مگر تقابلی جائزے کے بعد یہ پکا یقین ہوتا ہے کہ ابو چاہے مجھے جتنا بے دین کہتے رہیں مگر میں ان سرکاری مسلمانوں سے ہزار درجہ بہتر ہوں تو میں ایسے اطفال سے جوان ہو کر خدام بننے والوں کے ایمان کو مزید پکا کرنے کے لئے تین قبروں کی کہانی سناتا ہوں۔

جی ہاں تین قبریں، تین بڑے نام، تینوں شہرت و ناموس کی بلندیوں پر، تینوں منہ زور طاقت ور، تینوں جماعت کی تباہی و بربادی کے دعووں کے ساتھ اُٹھے، تینوں ناکام و نامراد ہو گئے، تینوں قبروں کی مٹی بن گئے، ایسی قبریں جن کے پاس سے شاہراہیں تو گزرتی ہیں اور وہ بھی مصروف، مگر ایک لمحہ کے لئے کوئی دعا کے لئے رکنا مناسب نہیں سمجھتا۔ جی ہاں 17 اگست کو قبرنشیں بننے والے جنرل ضیاء الحق صاحب 21 اگست کو قبر کا نوالہ بننے والے جناب عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب اور 22 ستمبر کو قبر کو اپنی رہائش گاہ بنانے والے جناب مودودی صاحب۔ زندگی اور موت برحق ہے آخر سب اسی آخری آرام گاہ کی طرف جائیں گے مگر کبھی کبھی یہی آرام گاہیں زندگی میں خدائی کے کئے گئے متکبرانہ دعووں کی شاہد بن کر دیدہ عبرت نگاہ بنا دیتی ہیں۔ ہاں آخری بات جو جماعت احمدیہ کے ان تینوں دشمنوں میں کامن ہے وہ یہ کہ ان کی آخری زندگی میں ان کو ان کے اپنوں نے ہی زمیں پر پٹخ مارا۔

آیئے 17 اگست 2019 کی اخبار میں جماعت کے شدید مخالف جناب خورشید ندیم کی زبانی صاحب جنرل ضیاء الحق صاحب کی قبر کا حال سنتے ہیں" میں نے ان کے مرقد کو بھی دیکھا۔ کئی بار۔ حسرت کی بولتی تصویر۔ نوحہ خواں نہ سہی فاتحہ خواں ہی سہی۔ چراغ اور پھول تو خیر دور کی بات۔ معلوم نہیں کتنے عرصے بعد کوئی بھولا بھٹکا راہ گیر یہاں سے گزرتا ہے اور مغفرت کے



لئے اپنے ہاتھ اٹھاتا ہوگا۔ اب ایسا بھی نہیں کہ یہ قبر کسی ویرانے میں ہے۔ یہ اسلام آباد کا وہ مقام ہے جہاں روز و شب انسانوں کا ہجوم رہتا ہے۔
یہ سیر گاہ بھی ہے اور عبادت گاہ بھی۔ قبر تو خیر کیا مٹی کا ڈھیر ہے۔ جو ان کا نام لیوا تھے اب ذکر سے گریزاں ہیں۔ کوئی خود کو ان کا جانشین نہیں کہتا۔ وہ بھی نہیں جن کو مرحوم نے دعا دی تھی کہ ان کی عمر انہیں لگ جائے"

(روزنامہ دنیا نیوز 17 اگست 2019 خورشید ندیم مستقل کالم تکبیر مسلسل زیر عنوان نواز شریف اور جنرل ضیاء الحق کی میراث)

یہ وہی صاحب ہیں جو جماعت کو کینسر قرار دے کر اس کو ختم کرنے کے ارشاد فرمایا کرتے تھے آج کل ان کی قبر کو ڈاکٹر تو کیا ایک چوکیدار بھی نصیب نہیں ہو رہا جو ان کی قبر کے چبوترے میں داخل ہو کر سونے والے آوارہ کتوں کو ہی بھگا سکے۔



پھر 17 اگست کے بعد 21 اگست آتی ہے جو جناب عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب کی تاریخ وفات ہے۔ کتنا تمسخر؟ کتنی مخالفت؟ کتنی مخالفانہ تحریکیں؟ کوئی حد نہ چھوڑی۔ مگر نتیجہ کیا ہوا کیا جماعت کو مٹا سکا؟ مٹانا تو درکنار جماعتی ترقی کو روک سکا ہر گز نہیں۔ ڈھیل کے بعد پھر دوسری تقدیر ہوتی ہے آپ کی وفات اور اس سے پہلے بیماری اور اس پر مستزاد تمام دوستوں کا چھوڑ بھاگنا۔ خدا والوں کے دشمنوں کے لئے اس میں بہت سے نشان ہیں اور آپ کی قبر تک کو ان کے دیرینہ رفقاء کار نے کیسے بچپن کی غلطی کی طرح بھلا دیا اس کا احوال ایک احراری صحافی کی زبانی سنئے۔ مسافر لاہور سے ایک لمبا سفر کر کے ملتان پہنچا، ٹوٹی قبروں کے درمیان کیکر کی جھاڑیوں سے دامن بچاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ ایک شکستہ مزار کے سرہانے لگے نیم مدہم سے کتبے نے پاؤں روک لئے۔ تحریر کی سمجھ آتے ہی جیسے ہزاروں قافلے آنکھوں کے سامنے سے گزر گئے۔ سینکڑوں جلسے ہزاروں سامعین، لاکھوں نعرے۔ ایک ولولہ، ایک جوش اور آج ایک شکستہ آخری آرام گاہ۔ نہ راستہ، نہ دیا، نہ نشان، نہ جلسہ، نہ نعرے، نہ ہاتھ چومنے والوں کی لائینیں۔ زندگی کبھی اتنی رائیگاں بھی ہوسکتی ہے۔ مسافر کے صبر کے تمام بندھ ٹوٹ گئے اور پھر موٹے موٹے آنسوؤں اور سسکیوں نے ماحول کو اور بھی اُداس کر دیا۔ مسافر واپس اپنے شہر لوٹ گیا اور اگلے دن کی اخبار میں اپنی روداد غم سپرد تحریر کر دی "اب کے شاہ جی کے مزار پر حاضر ہوا تو ماحول کا روکھا پن طبیعت پر گراں گزرا۔ جس کی محفل میں بہار ہی بہار تھی۔ اس کے مزار پر خزاں کی مسکراہٹ دیکھ کر آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا۔ جس نے زندگی کے پچاس برس براعظم کے کوہساروں پر کھڑے ہو کر قبرستانوں میں آذانیں دیں تھیں آج اس کی قبر انسانی آواز کو ترس رہی ہے۔ لاکھوں دلوں کی گرتی ہوئی عمارت کو سہارا دینے والے کی اپنی عمارت کی ایک ایک اینٹ ماتم کناں ہے۔ ٹوٹی ہوئی چٹائی، بیکار نل، سوکھے ہوئے پودے، گرتی ہوئی دیواریں، مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے یہ سارے کے سارے زمانے کی بے اعتنائی کا گلہ مجھ سے کر رہے ہیں"

(احراری اخبار تبصرہ لاہور ستمبر 1965 ص 14/15)

جناب بخاری صاحب کی آل اولاد سالانہ ربوہ آتے ہیں احراریوں کی طرح سرخ کپڑے پہن کر چوک میں کھڑے ہو کر اپنے ابا جان کا سارا غصہ ربوہ والوں پر نکالتے ہیں اور دل کھول کر گالیاں دیتے ہیں اس طرح اپنوں کی بے وفائی کا غصہ بھی نکل جاتا اور ختم نبوت کا دفاع بھی ہو جاتا ہے۔ ان کا ایک اپنا رسالہ ملتان سے نکلتا ہے نقیب ختم نبوت۔ اگست 2019 کا شمارہ میرے سامنے ہے ص 6 پر انہوں نے اپنی مرکزی مجلس احرار اسلام کے فیصلے سرکلر کی صورت میں شائع کئے ہیں کہ 10 جولائی 2019 کو مرکزی مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا جس میں پوری مجلس احرار اسلام پاکستان کے بجٹ کی منظوری دی گئی۔ جو 20 لاکھ روپیہ ہوگا۔ اور اس کے لئے شعبہ مالیات قائم کیا گیا جس میں میاں محمد اویس کو ناظم مقرر کیا گیا ہے اور پھر استدعا ہے چندوں کی۔ جناب عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب جو کبھی پورے ہندوستان میں دیوبندیوں کے امیر شریعت کہلاتے تھے دیکھیں آج ان کی اولاد اور مفتی محمود صاحب کی اولاد۔ وزارت علیاء، کشمیر کمیٹیاں، پراڈو، پلازے، صرف 20، 20 لاکھ کی لسیاں اکیلے مولوی فضل الرحمٰن صاحب پی جاتے ہیں اور ایک یہ ہیں امیر شریعت کی اولاد پوری احرار اسلام پاکستان کا بجٹ 20 لاکھ پاس کر رہے ہیں اور وہ بھی چندوں سے آنا ہے ملتا ہے یا نہیں۔ یہ ہے جماعت احمدیہ کی سچائی کی دلیل۔ فاعتبروا یا اولیالابصار

پھر آگے 22 ستمبر کو جناب مودودی صاحب آرام فرما ہیں۔ وہ مودودی صاحب جو یہ دعویٰ لے کر اُٹھے تھے اب اگر خدا کی طرف سے کوئی فرستادہ آ بھی گیا تو میں بے دریغ اس کا انکار کر دوں گا اور پھر خود کو وہ مصلح اور خدائی فوج داروں

کی کمانڈنگ پوزیشن پر فائز کر کے گویا ہوئے "یہ مذہبی تبلیغ کرنے والے واعظین اور مبشرین کی جماعت نہیں بلکہ خدائی فوج داروں کی جماعت ہے۔اس پارٹی کے لئے حکومت کے اقتدار پر قبضہ کے بغیر کوئی چارہ نہیں" اور پھر ارشاد ہوا" صالح لوگو اُٹھو اور غیر صالح لوگوں کے تختے اُلٹ دو" "اصل برائی کی جڑ بری حکومت ہے اس لئے ایسی حکومتوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دو" "تمام مفسد حکومتوں کا استیصال کرو" وغیرہ وغیرہ مگر جب زندگی کی نیا بڑھاپے کی ڈھلان پر کھسکتی ہوئی قبر کی طرف لڑھک رہی تھی تب ان لمحوں میں خدا کے فرستادوں کا انکار کرنے والے کا تکبر کیسے چکنا چور ہوا کہ اس کی وہ جماعت جس کی تخلیق پر انہیں بڑا ناز تھا کہ یہ گویا امام مہدی اور امام برحق کے بغیر ہی انہوں نے



خدائی فوج دار تیار کر دیئے ہیں اسی خدائی فوج داروں نے آپ کو اور آپ کے خاندان کو کیسے بے آبرو کیا اس کا مکمل حال جناب مودودی صاحب کے بیٹے نے کتابی شکل میں شائع کر دیا۔جناب اظہار الحق صاحب نے اپنے 18 اگست 2019 کے کالم" آفتاب علم وعرفان مودودی صاحب" میں اس کے اہم پوائنٹ درج کئے ہیں۔

یہ کتاب کیا ہے مودودی صاحب کے آخری دور کی دکھ بھری کہانی ہے جس سے دلبرداشتہ ہو کر انہوں نے استعفیٰ دے دیا۔جناب مصباح الاسلام فاروقی صاحب نے تحریک شروع کی کہ کسی طرح آپ استعفیٰ واپس لے لیں تو جناب منور حسن صاحب ان سے کمال بدخلاقی کا مظاہر کر دیا۔مولانا کے سامنے جمیعت کے صدر کی حافظ محمد ادریس کی غنڈہ گردی عروج پر پہنچی تو خود مودودی صاحب کو پنجاب یونیورسٹی کے وی سی سے معذرت کرنا پڑی۔جہاں تک کہ معذرتیں کرتے کرتے آپ پاکستان چھوڑ گئے اور پھر دنیا چھوڑ گئے۔آج ان کی اولاد کا جماعت اسلامی سے دور کا بھی تعلق نہیں۔کہاں پوری دنیا میں اسلامی انقلاب لانے کے لئے کمانڈر بنے جماعت احمدیہ کے لئے 1953 میں زمین کو کربلا بنایا ہوا تھا اور کہاں کہ اپنی جماعت کے درمیان وفات بھی نصیب نہیں ہوئی۔

زندگی ایک حقیقت ہے تو موت اس سے بھی بڑی مگر افسوس کہ ان قبروں کی اداس خشک مٹی سے کوئی سبق حاصل نہیں کرتا۔

☆......☆......☆

خدام احمدیت



حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ

ہیں بادہ مست بادہ آشامِ احمدیت
چلتا ہے دورِ مینا و جامِ احمدیت
تشنہ لبوں کی خاطر ہر سَمت گھومتے ہیں
تھامے ہوئے سُبوئے گلفامِ احمدیت
خدامِ احمدیت، خدامِ احمدیت

جب دہریت کے دَم سے مسموم تھیں فضائیں
پھوٹی تھیں جا بجا جب اِلحاد کی وبائیں
تب آیا اِک منادی۔ اور ہر طرف صدا دی
آؤ کہ اِن کی زَد سے اسلام کو بچائیں
زورِ دعا دکھائیں، خدامِ احمدیت

پھر باغِ مصطفٰےؐ کا دھیان آیا ذُوالمِنَن کو
سینچا پھر آنسوؤں سے احمد نے اس چمن کو
آہوں کا تھا بلاوا پھولوں کی انجمن کو
اور کھینچ لائے نالے مُرغانِ خوش لحن کو
لَوٹ آئیں پھر وطن کو، خدامِ احمدیت

چمکا پھر آسمانِ مشرق پہ نامِ احمدؑ
مغرب میں جگمگایا ماہِ تمامِ احمدؑ
وہم و گماں سے بالا عالی مقامِ احمدؑ
ہم ہیں غلامِ خاکِ پائے غلامِ احمدؑ
مرغانِ دامِ احمدؑ، خدامِ احمدیت

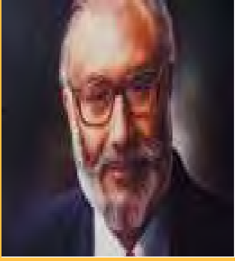
اٹھو کہ ساعت آئی اور وقت جا رہا ہے
پسرِ مسیح دیکھو کب سے جگا رہا ہے
گو دیر بعد آیا از راہِ دُور لیکن
وہ تیز گام آگے بڑھتا ہی جا رہا ہے
تم کو بلا رہا ہے، خدامِ احمدیت!

☆......☆......☆



ایک پاکستانی قادیانی۔عبدالسلام

تحریر ڈاکٹر مجاہد کامران صاحب



روزنامہ ''الفضل'' ربوہ 5 مارچ 2011ء میں انگریزی اخبار ''دی نیشن'' (21 نومبر 2010ء) میں شائع ہونے والے ایک مضمون کا اردو ترجمہ مکرم پروفیسر راجا نصراللہ خان صاحب کے قلم سے شامل اشاعت ہے۔یہ مضمون محترم ڈاکٹر مجاہد کامران صاحب نے تحریر کیا ہے جو ایک ماہر طبیعات ہیں اور پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہیں۔وہ ان دنوں ''ایک پاکستانی قادیانی'' کے نام سے ڈاکٹر عبدالسلام کی سوانح عمری بھی تحریر کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر مجاہد کامران صاحب لکھتے ہیں کہ پاکستان کے واحد نوبیل لارئیٹ عبدالسلام نے الیکٹرومیگنیٹک اور کمزور قوتوں کی یونیفیکشن کے سلسلہ میں کام کرنے پر 1979ء کا نوبیل انعام جیتا۔سلام نے Ph.D.کرنے سے پہلے فزکس اور ریاضی دونوں میں فرسٹ کلاس کے ساتھ ڈبل Tripos(یعنی دو مضمونوں میں آنرز کی ڈگری) کا نادر امتیاز حاصل کیا۔سلام نے ریاضی میں Tripos کے طالب علم کے طور پر سینٹ جان کالج میں داخلہ لیا تھا۔1989ء میں گورنمنٹ کالج کے میگزین 'راوی' کے لئے لکھے جانے والے ایک مضمون میں سلام نے کیمبرج یونیورسٹی میں اپنی زندگی کے کچھ گوشے یوں بیان کئے کہ مَیں گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم۔اے کرنے کے بعد 1946ء میں کیمبرج پہنچا۔کیمبرج کے کلاس رومز میں طلبا بالکل اسی انداز میں بیٹھتے ہیں جیسے کہ نماز سے پہلے نمازی مسجد میں بیٹھتے ہیں۔لیکچرار کی آمد سے پہلے مکمل خاموشی ہوتی ہے۔میری کلاس کے دوسرے ساتھی سیدھے سکول سے وہاں داخل ہوئے تھے اور عمر میں مجھ سے چھوٹے تھے۔مجھے ان کے برابر خوداعتمادی اور امنگوں کی سطح پر پہنچنے میں دو سال لگے۔وہ ایسے ماحول سے آئے تھے جہاں تمام اچھے طلباء کو کیمبرج میں بھیجنے سے قبل ہر سکول ٹیچر ان کے ذہن میں یہ بات بٹھا تا ہے کہ وہ ایسی قوم کے فرزند ہیں جس نے نیوٹن کو جنم دیا تھا اور یہ کہ طبیعات اور ریاضی کا علم ان کی میراث ہے۔اگر وہ سچی خواہش رکھتے ہوں تو وہ بھی 'نیوٹن' بن سکتے ہیں۔

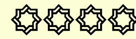
ریاضی Tripos تین سالہ کورس تھا۔سلام نے پہلا سال فرسٹ کلاس میں پاس کر لیا جبکہ اُن کے کلاس فیلوز کی اکثریت نے تھرڈ ڈویژن حاصل کی۔اس کی وضاحت سلام کے استاد Wordie نے یوں کی کہ ہم پہلے سال کا امتحان اس قدر مشکل رکھتے ہیں کہ ان طلباء کے درمیان فرق واضح ہو جائے جو واقعی سنجیدہ ہوتے ہیں۔

کیمبرج میں طالب علمی کے پہلے سال سلام اپنے ریاضی کے علم کے متعلق مطمئن تھے لیکن اپنے جنرل نالج کے متعلق انہیں اطمینان نہیں تھا۔اس لئے وہ کافی وقت لائبریری میں گزارتے اور مختلف تہذیبوں کی تاریخ کا مطالعہ کرتے۔کیمبرج میں دوسرے سال کے دوران سلام اپنے پارٹ ٹو کے امتحان کی تیاری کرتے اور بعض اوقات پارٹ تھری کے لیکچرز میں بھی حاضری دیتے جو اس زمانہ میں سائنسدان Paul dirac دیا کرتے تھے جنہیں 1933ء میں طبیعات میں نوبیل پرائز ملا تھا۔سلام Dirac (ڈریک) کو آئین سٹائن سے زیادہ بلند مرتبہ قرار دیتے تھے۔سلام نے 1948ء میں Tripos کے پارٹ ٹو کے امتحان میں فرسٹ کلاس حاصل کی اور اس طرح رینگلر (Wrangler) کے ٹائٹل کے حقدار ہو گئے۔یہ عظیم Dirac کے ساتھ ربط کا نتیجہ تھا کہ سلام نے سول سرونٹ (سی۔ایس۔پی آفیسر) بننے کی خواہش ترک کر دی اور یہ غالباً Dirac کے ساتھ ربط کا ہی نتیجہ تھا جس نے سلام میں طبیعات کے میدان میں آگے بڑھنے کی تمنا پیدا کی۔سلام نے بیان کیا: 1948ء تک میں نے ریاضی پڑھی۔اس دوران میں نے Dirac اور Pauli دونوں کے لیکچرز بھی توجہ سے سن لئے تھے اور طبیعات کی طرف میلان بڑھتا گیا۔1948ء میں جب میں نے ریاضی کا کورس مکمل کر لیا تو ابھی میرے پاس ایک سال کا سکالرشپ باقی تھا اور مَیں نے تقریباً ارادہ باندھ لیا کہ طبیعات کی تعلیم مکمل کروں گا۔

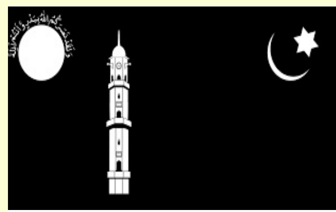
پھر حتمی فیصلہ کرنے کے لئے سلام نے Fred Hoyle سے مشورہ کیا تو انہوں نے تجرباتی فزکس کا کورس کرنے کا مشورہ دیا۔یہ مشورہ ماننے سے سلام نے ایک ایسا چیلنج منظور کر لیا جس میں کم لوگ ہی کامیابی سے ہمکنار ہوئے تھے یعنی ریاضی آنرز میں فرسٹ کلاس حاصل کرنے کے بعد فزکس میں بھی ایک سال میں فرسٹ کلاس حاصل کرنی تھی۔اگرچہ قبل ازیں بعض ذہین ترین لوگ جیسا کہ

G.T.Thomson (نوبیل پرائز 1937ء) اور Neville Mott (نوبیل پرائز 1977ء) ایک سال میں فزکس میں فقط سیکنڈ کلاس حاصل کر پائے۔ چنانچہ جب Wordie کو معلوم ہوا کہ سلام نے چیلنج قبول کر لیا ہے تو وہ خوشی کے مارے اپنے دونوں ہاتھ ملنے لگا۔

کئی سال بعد سلام نے بیان کیا ''بخدا یہ بڑا سخت چیلنج تھا۔ Cavendish کی لیبارٹری میں پرانا بلکہ قدیم سازوسامان تھا بلکہ مشہور سائنسدان Ruther-ford کے اپنے سازوسامان کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا اور آپ سے توقع کی جاتی تھی کہ آپ اس سے کام چلالیں گے۔ آپ کو خود شیشے کی ٹیوبیں تیار کرنی پڑتی تھیں اور انہیں سیڑھیوں کے تین زینے اوپر لے جانا پڑتا تھا۔ یہ بڑی اذیّت تھی۔ وہ اس کام کو اذیّت بنانا چاہتے تھے اور اس میں کامیاب تھے۔ لیکن سلام فرسٹ کلاس میں کامیاب کیسے ہوئے؟ اُن کے نگران نے انہیں بتایا کہ ''آپ نے تھیوری کے چھ کے چھ پرچے اتنی عمدگی سے حل کئے ہیں کہ ممتحن حضرات نے آپ کے پریکٹیکل رزلٹ کے متعلق پوچھا تک نہیں......''۔



لوائے احمدیت



1939 میں تین خوبصورت اور حیرت انگیز اتفاقات اکٹھے ہوگئے۔ پہلا یہ کہ عالمگیر جماعت احمدیہ کے قیام کو 50 سال پورے ہوئے۔ دوسرا حضرت مصلح موعودؓ کی عمر مبارک 50 سال ہوئی اور تیسرا یہ کہ خلافتِ ثانیہ کے 25 سال پورے ہوئے۔ ان خوشیوں کو شان وشوکت سے منانے کا اہتمام کرنے کیلئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس نے قریباً 25 تجاویز پیش کیں جن میں سے ایک ''لوائے احمدیت'' تیار کرنے کی بھی تھی۔ حضرت مصلح موعودؓ نے اس تجویز کو منظور فرماتے ہوئے خصوصی ہدایات سے نوازا۔ چنانچہ ان ہدایات کی روشنی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اصحاب وصحابیات نے عطایا پیش کر کے 130 روپے کی رقم جمع کی۔ حضرت میاں فقیر محمد صاحبؓ امیر جماعت احمدیہ ونجواں ضلع گورداسپور نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے ارشاد کی تعمیل میں کپاس کا کچھ بیج اپنے ہاتھ سے بویا، تیار ہونے پر چُنا، صحابیات سے دھنوا کر اسے کتوایا اور پھر سوت لا کر حضرت اماں جانؓ کی خدمت میں پیش کیا۔

بعد ازاں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب دردؓ سیکرٹری خلافت کمیٹی نے پیغام بھیج کر حضرت میاں صاحبؓ سے آپ کی کاشت کردہ روئی میں سے باقی بچی ہوئی روئی حضرت بھائی عبدالرحمان صاحبؓ کے ذریعے منگوالی جسے حضرت سیدہ ام طاہرؓ صاحبہ جنرل سیکرٹری لجنہ اماء اللہ نے دارالمسیح میں صحابیات سے کتوایا اور پھر صحابہؓ نے قادیان اور تلونڈی میں اس سوت سے کپڑا بنا۔ ان صحابہؓ میں حضرت میاں خیرالدین صاحبؓ دری باف بھی شامل تھے۔

لوائے احمدیت کا طول 18ر فٹ اور عرض 9ر فٹ ہے۔ اور اس سیاہ رنگ کے پرچم کے درمیان میں منارۃ المسیح، ایک طرف بدر اور دوسری طرف ہلال کی شکل سفید رنگ میں بنی ہوئی ہے۔ اسے لہرانے کیلئے قادیان کے جلسہ گاہ میں اسٹیج کے شمال مشرقی کونہ کے ساتھ پانچ فٹ چبوترہ بنا کر 62 فٹ اونچا آہنی پول نصب کیا گیا۔

28ر دسمبر 1939ء کو 2 بج کر 4 منٹ پر سیدنا مصلح موعودؓ نے ''لوائے احمدیت'' لہرایا۔ اس سے قبل سٹیج کا سائبان اتار دیا گیا تا کہ احباب واضح طور پر تقریب کا مشاہدہ کر سکیں۔ اس موقعہ پر حاضرین حضورؓ کے ساتھ ساتھ اس دعا کا ورد کرتے رہے ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم

لوائے احمدیت لہرائے جانے کے بعد سب احباب نے کھڑے ہو کر یہ عہد کیا: ''میں اقرار کرتا ہوں کہ جہاں تک میری طاقت اور سمجھ ہے اور احمدیت کے قیام، اس کی مضبوطی اور اس کی اشاعت کے لئے آخر دم تک کوشش کروں گا کہ احمدیت یعنی حقیقی اسلام دوسرے سب دینوں اور سلسلوں پر غالب رہے اور اس کا جھنڈا کبھی سرنگوں نہ ہو بلکہ دوسرے سب جھنڈوں سے اونچا اڑتا رہے''۔ آمین۔

حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد کے مطابق جھنڈے کی حفاظت کیلئے مجلس خدام الاحمدیہ نے 12 خدام مقرر کئے اور اگلے روز نماز جمعہ کے بعد یہ جھنڈا دو ناظران کے سپرد کر دیا گیا اور اسے ایسے تالہ میں رکھا گیا جس کی دو چابیاں تھیں اور دونوں ناظران مل کر تالہ کھول سکتے تھے۔

''المحراب کراچی 1991ء'' کی مدد سے تحریر کردہ مکرمہ صائمہ مریم ثمر صاحبہ کا یہ مضمون ماہنامہ ''مصباح'' ربوہ جون 1997ء میں شائع ہوا ہے۔

7 ستمبر 1974 ” یوم الفرقان“ نہیں ”یوم النفاق“ تھا

اور مولوی احمد شاہ نورانی اور عبدالستار نیازی صاحبان سواد اعظم کے قومی مجرم ہیں۔“

مضمون نگار علی سانگلوی

دیوبندی عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے 7 ستمبر 1974 کو یوم الفرقان قرار دیا جاتا ہے جس میں 72 فرقوں نے پاکستان کی قومی اسمبلی میں بیٹھ کر مشترکہ طور پر فیصلہ کیا کہ وہ مسلمان ہیں اور صرف ایک فرقہ جماعت احمدیہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ درست بالکل درست۔ ہمیں بھی آپ کے 72 بننے اور ہمیں ایک قرار دینے اور پھر اس فیصلہ والے دنکو ”یوم الفرقان“ قرار دینے کے فیصلے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اگر آپکو ہماری بات پر شک ہے تو چلیں آپ کا دل رکھنے کے لئے ہم بھی آپ کی آواز میں آواز ملا کر نعرہ لگا دیتے ہیں کہ پاکستان کی قومی اسمبلی میں 72 فرقوں کے علماء نے مشترکہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ 72 ایک طرف ہیں اور ”سرکاری مسلم“ ہیں اور ہم دوسری طرف اکیلے“ ہیں اور یہ واقعی یوم الفرقان ہے۔ حیرت کی بات ہے دیوبندی دنیا کی ہمسائیگی میں واقع بریلوی کالونی میں ایک دوسرا ہی سین چل رہا ہے یہاں اس دن کو یوم الفرقان کی بجائے ”یوم النفاق“ یا ”یوم المنافقین“ کی صورت میں منایا جارہا ہے۔ آیئے ہم آپکو کاٹھ کی اس ہنڈیا کی کہانی سناتے ہیں کہ بریلوی امت میں یہ جھگڑا کیسے پھوٹا؟ کیسے جماعت احمدیہ کو کافر دلوانے والے بریلوی ہیروز کو سواد اعظم کے مجرم گردانا جارہا ہے۔ نفاق کے اس سنہری گٹھ جوڑ کی ہنڈیا کیوں چوک میں پھٹ رہی ہے؟ کیوں آج بریلوی امت اپنی منافقت پر نادم و پشیمان کھڑی ہے۔ . .

طاہر القادری صاحب منافق ہے اور بریلویت کا مجرم ہے

مشہور بریلوی عالم دین ڈاکٹر طاہر القادری صاحب امام خمینی کی وفات پر ایرانی سفارت خانے چلے گئے اور خمینی صاحب کی ذات کے بارے میں چند تعریفی کلمات کہہ دیئے۔ اب دل تو پھٹے ہوئے ہیں وہی جو کل تک جماعت احمدیہ کے خلاف متحدہ پلیٹ فارم پر یحیٰ بختیار کو پرچیاں بنا بنا کر دے رہے تھے ایک دم سب خم ٹھونک کر باہر نکل آئے دیوبندی، وہابی، اہلحدیث، مقلد غیر مقلد حتیٰ کہ بریلوی بھی طاہر القادری صاحب کے خلاف صف آراء ہو گئے اور انہیں بریلوی امت سے اخراج کا پروانہ دے دیا۔ بس یہی وہ حماقت تھی جو اس سرکاری اتحاد سے ہوگئی۔ طاہر القادری صاحب بھی جبہ پہن کر برسر منبر آ گئے۔ اور یوں پھر اس کاٹھ کی ہنڈیا کے اجزائے ترکیبی کے بکھرنے کا آغاز ہو گیا۔ بریلوی اُمت کے مفتی اعظم جناب مفتی محمد اشرف القادری صاحب نے فتویٰ دیتے ہوئے جناب طاہر القادری صاحب کے بارے میں فرمایا” اجماع اُمت (یعنی دوسرا اجماع یعنی وہ قومی اسمبلی والا ہمارا منافقانہ اجماع تھا اور منافقت کے بغیر اجماع یہ ہے کہ شیعہ بھی کافر ہیں) کی مخالفت کرنا اور اس سے مقصود تھا جدت زدہ ماڈرن سیکولرزدہ لوگوں سے شاباش لینا تو اس نے اجماع اُمت کو پھاڑا۔ تو اجماع اُمت کو پھاڑنے والا جو ہے وہ فاسق ہے۔ کم از کم فاسق ہے۔ جب خمینی مر گیا۔ خمینی کون تھا اثنا عشریہ تھا۔ یہ اُس کے تعزیتی پروگرام کے لئے ایک امام واڑے کے اندر کالا جبہ پہن کر گیا۔ ماتمی لباس پہن کر گیا۔ اور اس نے جا کر بڑی تقریر کی اور دو باتیں انتہائی قابل گرفت ہیں۔ ایک تو یہ کہی کہ یہ تو ایک خمینی فوت ہوا ہے مگر فکر نہ کرو پاکستان کا بچہ بچہ خمینی ہوگا۔ نعوذ باللہ نعوذ باللہ۔ جو شخص پاکستان کے بچے بچے کو کافر بنانا چاہتا ہے تو وہ خود کیسے مسلمان ہو سکتا ہے؟؟ اور پھر یہ کہا کہ خمینی کا جینا علی کی طرح تھا اور مرنا حسین کی طرح ہے۔ نعوذ باللہ ناپاک اور کافر اور متفق علیہ کافر۔ جس کو ساری امت، سارے اجماع سے کافر قرار دیتی ہے تو اس شخص کی زندگی کو مولا علی سے تشبیہ دیتا ہے۔۔۔ پھر شیعہ کا ایک امام واڑہ ہے اسلام آباد میں۔۔ وہاں جا کر اس نے تقریر میں بکواس کی اور تقریر میں کہا کہ شیعہ اور سنی دونوں مذہبوں کو ملا کر اسلام مکمل ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ نعوذ باللہ۔۔۔ جو شخص شیعہ کے کفر کو شامل کئے بغیر اسلام کو مکمل نہیں سمجھتا وہ شخص خود کیسے مسلمان ؟؟ اہل سنت والجماعۃ میں سے ہر گز نہیں۔۔ دھوکہ دیا ہوا ہے سنیوں کو۔۔ اور یہ شخص بدترین گمراہ ہے۔ بدترین گمراہ ہے۔ دھوکہ دیا ہوا ہے سنیوں کو۔۔۔ اتنے کفریہ عقیدے جو طاہر القادری کے منہ سے نکلے اور اور اس کے بدترین بدمذہب ہونے کے ساتھ ساتھ جھوٹ بولتا ہے

اور آپ ﷺ پر بہتان باندھتا ہے۔ یہ واضح طور پر گمراہ آدمی ہے اور کئی مرتبہ کفریہ کلمات اپنے منہ سے نکال چکا ہے اور کم از کم یہ کہ سخت ترین گمراہ ہے''(مفتی اعظم کا بیان یوٹیوب پر ویڈیو کی شکل میں اس عنوان کے ساتھ بھی موجود ہے D r Tahir ul Qadri ki Asliyat by Mufti Azam Muhammad Ashraf Qadri) ایک گھر جو مرتد ہے اس کو اسمبلی سے کافر قرار دلوانے کے لئے دوسرے کافر و مرتد کی ماتحتی قبول۔ قربان جاؤں تمہاری منافقت پر۔۔

طاہرالقادری صاحب کا یوم النفاق پر جوابی ماتم



اب جناب طاہرالقادری صاحب کہاں چپ بیٹھنے والے تھے جب آپ کی منافقت کو ننگا کیا گیا تو آپ نے مولوی ستار احمد نیازی اور شاہ احمد نورانی صاحبان کی قومی منافقت اور سواد اعظم کے قومی مجرم ہونے کے راز کو سب کے سامنے طشت ازبام کر دیا۔ آپ نے 7 ستمبر 1974 کے یوم المنافقین کے بریلوی قومی مجرموں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا" دیوبندی مسلک کے عالم دین یوسف بنوری صاحب اس اتحاد کے صدر تھے۔ اور اس دیوبندی عالم دین کی صدارت کے نیچے یہ سارے اکابرین اور قائدین بریلویت تھے یا نہیں تھے؟ مجمع کا جواب تھا، تھے۔ مولانا شاہ احمد نورانی تھے کہ نہیں تھے؟ جواب تھا، تھے۔ مولانا عبدالستار نیازی صاحب تھے کہ نہیں تھے؟ مجمع کا جواب تھا، تھے۔ پیر کرم شاہ صاحب تھے کہ نہیں تھے؟ مجمع کا جواب تھا، تھے۔ پیر سیالوی صاحب تھے کہ نہیں تھے؟ مجمع کا جواب تھا، تھے۔ علامہ کاظمی صاحب تھے کہ نہیں؟ مجمع کا جواب تھا، تھے۔ تمام اکابر اہل سنت دیوبندی اہل حدیث، شیعہ سب تھے مگر اس تحریک کا صدر بنوری تھا۔ دیوبندی۔ تو اگر اس تحریک کے ایک ہی نکتہ کو لے لیں تو اس کا یہ مطلب ہو کہ ایک گھر جو مرتد ہے اُسے کافر قرار دلوانے کے لئے ایک دوسرے مرتد اور کافر کو صدر بنایا ہوا ہے۔ ایک کو کافر مرتد قرار دلوانے کے لئے اسمبلی سے ایک دوسرے کافر مرتد کو صدر بنایا ہوا ہے قربان جائیں ایسے تصور (منافقت) پر۔ آگے چلیں تحریک نظام مصطفےٰ چلی یا نہیں؟ گولی چلی یا نہیں؟ لاشیں آپ نے اٹھائی تھیں یا نہیں آپ نے؟ اُس میں اہل سنت جمیعت، سب اکابر شامل تھے کہ یا نہیں؟ تو پھر بتاؤ صدر کون تھے؟ مفتی محمود صاحب۔ بتاؤ کس مسلک کے تھے؟ دیوبندی مسلک کے مفتی صدر تھے کہ یا نہیں؟ اگر صرف ایک کی رائے لے لیں۔ دوسری کو نظر انداز کر دیں تو صدر ہے وہ شخص جو خود کافر اور مرتد ہے۔ اور تحریک کا نام ہے تحریک نظام مصطفےٰ۔ قربان جائیں آپ سب کی (منافقانہ) سوچ پر۔ تحریک ہے تحریک نظام مصطفےٰ اور صدر ہے اس کو وہ جو خود کافر اور مرتد ہے۔ میں قربان جاؤں آپ کی عقلوں اور حکمتوں پر اور تدبیروں پر۔ خدا کے لئے ہوش سے کام لو۔ ظالموں اصول ایک اپناؤ۔ اگر طاہرالقادری سنی نہیں ہے تو پھر تمہارے پاکستان کا کوئی مولوی بھی سنی نہیں بچتا۔"

اگر احمدیت کے خلاف ایک فتویٰ بنتا ہے تو ان دیوبندی دھرم والوں پر دس دفعہ فتویٰ بنتا ہے۔ انڈین بریلوی مولانا حشمت علی کا یوم النفاق پر سینہ کوبی کرتے ہوئے بیان ممتاز بریلوی عالم دین مولوی حشمت علی صاحب نے دیوبندی کتاب المہند کا جواب ''ردالمہند'' کے نام سے شائع کر دیا۔ جس میں آپ نے اپنا ایک آنکھوں دیکھا اور کانوں سنا مناظرہ کا حال بھی درج فرمایا جو کہ اُن کے بقول ایک ٹرین کے دو مسافروں کے درمیان ہو رہا تھا اور یہ موصوف مولانا پاس بیٹھے سن رہے تھے اور آخر کار اس مذاکرے میں شامل ہو گئے۔ یہ مکمل حوالہ جو کہ کتاب کے ص 104 تا 113 یعنی 9 صفحات پر مبنی ہے اس کا آخری حصہ درج کرتا ہوں۔

" اِن احمدی صاحب نے فرمایا کہ دیوبندی کافر ہیں میں کہتا ہوں کہ اِس بات میں یہ بھی سچے ہیں ضرور دیوبندی کافر ہیں۔ مرزا قادیانی کے جو۔ آپ نے بتائے ہیں وہ یقیناً سب کفر ہیں مگر آپ کے عاجز ہونے کا سبب یہ ہے کہ آپ اُن کفریات کے سبب مرزا صاحب کو تو کافر کہتے ہیں اور ویسے ہی بلکہ اُن سے بڑھ کر جب آپ کو اپنے پیشواؤں کے کفر دکھائے جاتے ہیں تو آپ اُنہیں کافر نہیں کہتے۔ اسی وجہ سے آپ کو قادیانی صاحب نے دبا لیا اور آپ جواب نہیں دے سکے۔ مگر میرے نزدیک تو دونوں کافر ہیں اور جس دلیل سے مرزا قادیانی کا کافر ہونا ثابت ہوتا ہے اُسی دلیل سے دیوبندیوں کا کافر و مرتد ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔ یہاں پر اس تقریر کے نقل کرنے سے صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ دیوبندی لوگ جو قادیانیوں کو کافر کہتے ہیں یہ محض اُن کا تقیہ اور فریب ہے۔ ورنہ مرزا کے کفریات سے بڑھ کر گندے کفریات خود دیوبندی دھرم میں داخل ہیں۔ اگر اسلام کی ہمدردی سے مرزا پر کفر کا فتویٰ دیا ہوتا تو مرزا پر ایک بار کفر کا فتویٰ دیا تھا تو دیوبندی دھرم اور اُن کے پیشواؤں پر 10 دس بار کفر کا فتویٰ دیتے مگر وہاں تو مقصود محض مسلمانوں کو دھوکہ دینا اور نئے نئے حلقہ تزویر بنا کر ان سے مسلمانوں کی مسلمانی اور بھولے سنیوں کی

سنت کو پھانسا ہے۔اِس واقعہ سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ ان بیٹھوی جی نے المھند کے 26ویں سوال کے جواب میں عیاری مکاری سے کام لیا۔مرزا قادیانی کو تو کافر کہہ دیا مگر خود دیوبندی گروہ کے کفریات جو کسی بھی طرح مرزا کے کفریات سے کم نہیں اُنہیں علمائے حرمین شریفین کے سامنے پیش نہیں کیا مسلمانو! اگر تم سے کبھی یوں پوچھ لے کوئی کہاں دجال ہے اور اُس کے کام کیسے ہوتے ہیں دکھا کر المھند اور ان بیٹھی کو یوں کہہ دو اسے کہتے ہیں دجالی اور دجال ایسے ہوتے ہیں

(ردالمھند مصنف حشمت علی تخریج محمد امجد علی عطاری ناشر میلاد پبلی کیشنز داتا دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ لاہور ص 104 تا 113)

''ختم نبوت کی ایک تفسیر پر احمدی کافر تو بانی دیوبند اُسی تفسیر پر حجۃ الاسلام کیسے یہ کیسی منافقت ہے؟۔۔بریلوی مولوی عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری کا یوم النفاق پر واویلہ

ممتاز بریلوی مولوی عبدالحکیم اختر شاہجہاں قومی اسمبلی میں مولانا ستار نیازی اور شاہ احمد نورانی صاحب کے دیوبندی صدر کی ماتحتی میں منافقانہ فعل سرزد کرنے پر ان کی گوشمالی کرتے ہوئے بڑبڑاتے ہوئے فرمار ہے ہیں

'' ☆ 1۔دیوبندی حضرات مرزا جی کی عقیدہ ختم نبوت پر تکفیر کرتے ہیں تو نانوتوی صاحب کی تکفیر کیوں نہیں کرتے جب کہ عقیدہ مشترک ہے۔

☆ ۲......اگر نانوتوی صاحب نے کفر نہیں کیا تو مرزا صاحب کو دیوبندی حضرات کافر کیوں کہتے ہیں؟؟

☆ ۳۔۔دیوبندی حضرات مرزا صاحب کی تکفیر کے بارے میں اتفاق کرتے ہیں اور نانوتوی کی تکفیر پر لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتے ہیں ۔یہ ایک عجیب معاملہ ہے کہ قادیان کا رہنے والا ختم نبوت کا انکار کرے تو دیوبندی حضرات بھی اس کی تکفیر پر متفق لیکن نانوتہ کا باشندہ عقیدہ ختم نبوت کا انکار کرے تو دیوبندی حضرات کے نزدیک وہ کافر ہونے کی بجائے حجۃ الاسلام قرار پاتا ہے یہ کیا دھرم ہے؟

(التنویر لدفع ظلام التحذیر یعنی مسئلہ تکفیر ص 41)

دیوبندی مجلس تحفظ ختم نبوت کیوں بنا کر بیٹھے ہیں؟ یہ برادران یوسف بلکہ قاتلین حسینؓ کی طرح ہیں۔۔وہابی مولوی عطاء اللہ ڈیروی کا بھی یوالنفاق پر اپنے اکابرین پر ماتم اب وہابی بھی جانتے تھے کہ جس دیوبندی چھتری کے تلے یہ 72 گروپ اکٹھے ہوئے ہیں یہ خالص منافقانہ اتحاد ہے اس لئے جب اب اس بل بوتے پر دیوبندی گروپ کی سینٹ اور قوم وصوبائی اسمبلی میں سیٹیں پکی ہوگئی ہیں تو یہ بھی سر کے بال نوچتے ہوئے اور اپنی منافقانہ خاموشی کا ماتم کرتے ہوئے اپنے آپ سے سوال پوچھ رہے ہیں'' قابل غور مقام ہے کہ بانی مدرسہ دیوبند مولانا قاسم صاحب نانوتوی کے بیان کے مطابق اگر آپ کے بعد بھی نبی آجائے تب بھی آپ خاتم الانبیاء ہوں گے۔تو ایسی صورت میں مرزا غلام احمد قادیانی ودیگر۔۔۔نبیوں کے دعویٰ نبوت کے خلاف سمجھنے میں آخر کیا جواز رہ جاتا ہے اور جماعت دیوبندیہ جب آپ ﷺ کے بعد ہر قسم کے نبی کے آنے کو ختم نبوت کے خلاف نہیں سمجھتی تو وہ مجلس تحفظ ختم نبوت کیوں بنا کر بیٹھی ہے۔اور کسی مدعی نبوت کیخلاف شور کس لئے مچاتی ہے؟'' کیا اس جماعت کی مثال یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے دینا غلط ہوگا جو عمداً یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال کر شام کے وقت باپ کے پاس روتے ہوئے آئے کہ یوسف کو بھیڑیئے نے کھا لیا ہے۔اس جماعت کی مثال اس قوم کی ہے جس نے حسین بن علی رضی اللہ کو شہید کیا اور اپنے اس جرم کو چھپانے کے لئے آج تک ماتم برپا کئے ہوئے ہیں''

(تبلیغی جماعت عقائد وافکار نظریات اور مقاصد کے آئینہ میں ص 115 و 116 افکار مولوی عطاء اللہ ڈیروی صاحب از قلم ابوالوفا محمد طارق خان مطبوعہ دار الکتب العلمیہ)

تاریخ کا یہ سوال ہر بریلوی۔ہر وہابی ہر نورانی اور ہر نیازی پر قرض ہے جو سدا ان کے گلے کا طوق بنا رہے گا کہ جب وہ سب جانتے ہیں کہ جماعت احمدیہ نے ختم نبوت پر کوئی انوکھا موقف نہیں اختیار کیا بلکہ یہ وہی تفسیر ہے جو 1500 سو سال سے امت محمدیہ میں رائج ہے تو اس علم کے باوجود یہ ظالمانہ الزام لگانا کہ جماعت احمدیہ ختم نبوت کی منکر ہے اپنے نامہ اعمال میں کذب ونفاق کی نجاست ٹھونسنے کے مترادف ہے کہ نہیں۔اس لئے جب جب پاکستان میں 7 ستمبر کی تاریخ گھوم کر آئے گی نفاق کا کالا بورڈ ان علمائے دہر کی پیشانیوں پر ٹھوک کر جائے گی۔لشکر فرعون آخر نیل پر بھی آئے گا دیکھنا اک دن دعاؤں میں اثر بھی آئے گا ہاتھ میں بچوں کے پتھر دینے والے سوچ لے ان کی زد میں ایک دن پھر تیرا سر بھی آئے گا





اوریا مقبول جان کی روائت اور دنیا کی تین مشکوک وصیتیں



تحریر اصغر علی بھٹی مغربی افریقہ

آج کل یوٹیوب کی دنیا میں جناب اوریا مقبول جان صاحب کا ایک ارشاد خوب زیر گردش ہے جس میں وہ کسی مولوی صاحب کو خواب میں آنحضور ﷺ کی زیارت اور پھر جنرل قمر باجوہ صاحب کے چیف آف آرمی سٹاف بننے کی بشارت دینے کا ذکر فرما رہے ہیں۔ یار دوست اس بیان کو اس لئے بھی مشکوک قرار دے رہے ہیں کہ یہ خواب انہوں نے اس وقت مارکیٹ میں متعارف کروایا جب جنرل باجوہ صاحب کے آرمی چیف ہوتے ہوئے ریٹائرمنٹ کے بعدان کی دوسری ٹرم کی بات زیر گردش تھی۔ اب چونکہ وہ دوسری ٹرم کے لئے بھی تین سال برکت حاصل کر چکے ہیں تو اس موقعہ پر مجھے تین اور ایسی ہی مشہور وصیتیں یاد آ گئی ہیں چلیئے ان کا حال سناتا ہوں وصیت عرف میں ہو یا اصطلاح میں نتیجہ اور مطلب تقریباً ایک سا ہی ہوتا ہے یعنی کسی شخص کی اپنی زندگی یا بعد میں منقولہ و غیر منقولہ جائیداد اور ہر قسم کی وراثت اور اس کی زندگی سے جڑے دیگر امور کے بارے میں کوئی فیصلہ۔ اس حوالے سے دنیا میں تین ایسی وصایا نظر آتی ہیں جو مرنے والے نے تو کہیں اشارہ کنایہ میں بھی ذکر نہیں کیں مگر ان کی وفات کے بعد تین ایسے لوگ کھڑے ہوئے کہ جنہوں نے انتہائی تحدی سے اپنے حق میں کی گئی وصایا پیش کر دیں اور نہ صرف پیش کر دیں بلکہ دنیا سے منوا بھی لیا اور پھر اس سے خوب قیمتی فائدہ بھی اُٹھایا۔ دنیا کے نقشے پر ایسی پہلی وصیت کے ساتھ جناب پولوس یعنی سینٹ پال دوسری کے ساتھ مولانا شبیر عثمانی صاحب اور تیسری کے ساتھ جناب زرداری صاحب نظر آتے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ تیسری وصیت کے حامل جناب زرداری صاحب نے تو بچوں کی کاپی والے صفحے پر ہاتھ سے لکھی مختصر سی تحریر بطور ثبوت پیش کر دی مگر پہلے دو حضرات یعنی سینٹ پال اور مولوی شبیر عثمانی صاحب نے تو اس کا بھی سہارا نہیں لیا۔ اور اپنی خواب کو ہی ثبوت بنا کر دنیا کے سامنے خم ٹھونک کر وراثت کا دعویٰ ٹھوک دیا۔ جناب پولوس جسے آج کی دنیا سینٹ پال یا پولوس رسول کے نام سے یاد کرتی ہے یہ شخص خاندانی لحاظ سے یہودی تھا اور کلکیہ کے شہر ترسیس میں پیدا ہوا۔ یہ وہی شخص ہے جس نے حضرت مسیح کو جب تک وہ اس ملک میں رہے بہت دکھ دیا مگر آپ کے فلسطین سے ہجرت کے بعد منادی شروع کر دی کہ حضرت عیسیٰ انکی خواب میں آئے تھے اور وہ اس سے بہت رنجیدہ تھے کہ اس نے ان کو بہت تکلیف پہنچائی تھی جس پر میں نے ان سے معذرت کی۔ اس پر خوش ہو کر انہوں نے تبلیغ کا مشن میرے ذمہ لگا دیا۔ چنانچہ خواب میں کی گئی اس وصیت کے مطابق انہوں نے عیسائیت کی درج ذیل تبلیغ شروع کر دی۔ 1۔ تمام انسان گناہگار ہیں تو حضرت عیسیٰ نے ابن اللہ بن کر پیدائش کے ذریعہ ظہور کیا۔ تمام دنیا کے گناہ اپنے سر لئے اور صلیب پر چڑھ کر فوت ہو کر پوری دنیا کے گناہوں کا کفارہ ہو گئے۔ اس پاداش میں تین دن دوزخ میں رہے اس کے بعد زندہ ہو کر آسمان پر اللہ کے پاس آسمان پر چلے گئے۔ اب تمام دنیا گناہوں سے آزاد ہو گئی ہے جو چاہے کریں۔ 2۔ شریعت لعنت ہے مسیح نے صلیب پر فوت ہو کر شریعت کی لعنت سے بھی آزاد کروا دیا۔ 3۔ مسیحؑ نے غیر قوموں کو تبلیغ سے منع کیا تھا پولوس نے کہا کہ نہیں خواب والی وصیت کے مطابق ساری دنیا کو تبلیغ کرو۔ ایک دشمن کو آنے والی خواب جس سے اچانک خواب ہی میں معذرت، خواب ہی میں نیک بن گئے، خوب ہی میں معتقد بن گئے، خواب ہی میں وصیت بھی لکھوا لی اور خواب ہی میں عیسائیت کے مبلغ بھی بن گئے ایسی خواب اور ایسی وصیت نے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب کے ساتھ کیا کیا مزید لکھنے کی ضرورت نہیں صرف توحید کی جگہ شرک کا پودا لگا دیا یہی کہہ دینا کافی ہے۔ پھر مولانا شبیر عثمانی صاحب کا دعویٰ کہ قائداعظم کی وصیت تھی کہ انکی وفات کے بعد وہ ان کا جنازہ پڑھائیں گے یہ وصیت بھی ابھی تک منصۂ شہود پر نہیں آئی۔ پھر خود حضرت قائداعظم نے کہیں کسی کاغذ کے ٹکڑے پر کوئی ثبوت چھوڑا ہو یا کسی وکیل کو کوئی تحریر کروائی ہو۔ کسی دوست سے سرگوشی کی ہو۔ یا اپنی ہمشیرہ محترمہ کو حکم دیا ہو۔ تاریخ میں ان سب سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔ البتہ جب بقول جناب وجاہت مسعود صاحب کسی گستاخ سائل نے ان سے خود یہ سوال کیا کہ" آپ نے قائداعظم کی نماز جنازہ کیوں پڑھائی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ قائداعظم کا جب انتقال ہوا تو میں نے رات رسول اکرم ﷺ کی زیارت کی۔ رسول قائداعظم کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہتے ہیں کہ یہ میرا مجاہد

ہے" اگر خواب کو سچا مان بھی لیا جائے تو بھی جنازہ پڑھانے کا حکم یا قائد اعظم کی وصیت کیسے ثابت ہو گئی۔ عجیب بات ہے کہ مولوی شبیر عثمانی صاحب جو ابتداءً پرُ جوش احراری تھے ۔ بعد میں جمعیت علمائے ہند سے اختلافات کی بناء پر 1944 میں مسلم لیگ جوائن کی۔ اور پھر 1945۔46 کی مہم میں مسلم لیگ کی حمایت کی۔ اسی دوران 26 اکتوبر 1946 کو انہوں نے اپنی الگ سے جماعت جمعیت علمائے اسلام بھی قائم کر لی۔۔ تاریخ آج تک اس سوال کا جواب بھی ڈھونڈنے سے قاصر ہے کہ جب انہوں نے مسلم لیگ جوائن کر لی تھی تو پھر الگ سے نئی جماعت کیوں بنائی۔ اور خاص طور پر اس وجہ سے کہ انہوں نے مسلم لیگ جوائن کرنے کے لئے بھی ایک خواب اور رسول اکرم ﷺ کا حکم ہی بیان کیا تھا۔ آپ کا یہ خواب سردار شوکت حیات صاحب کی زبانی کچھ اس طرح سے ہے" مولانا شبیر عثمانی نے ایک رات خواب میں اپنے استاد محترم کو دیکھا۔ جنہوں نے انہیں خواب ہی میں بتایا کہ انہوں نے بھی خواب دیکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو مدینہ میں اپنے گھر سے باہر آتے ہوئے دیکھا وہاں پر ہندوستان کے علماء صف بستہ کھڑے تھے۔ قطار کی دوسری طرف حضور نے ایک دبلے پتلے لمبے یورپی لباس پہنے عمر رسیدہ آدمی کو دیکھا جو ملاقات کا منتظر تھا ۔ لوگوں نے کہا کہ وہ مسٹر جناح ہے نبی اکرم ﷺ علماء کی جانب سے منہ پھیر کر سیدھے جناح کی طرف گئے اور انہیں سینے سے لگا لیا۔ دوران خواب عثمانی صاحب کے استاد نے انہیں حکم دیا کہ قائد اعظم کے پاس جاؤ اور فوراً اس کے سیاسی مرید بن جاؤ"

(pag 219 Nation That Lost its SoulA)

اور یوں خواب میں استاد نے اپنی خواب سنا دی اور پھر اس خواب در خواب کی وصیت کے مطابق آپ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے مگر ساتھ ہی اپنی جماعت بھی بنالی جس کے مزے آج کل مولوی فضل الرحمٰن صاحب لوٹ رہے ہیں۔ سوچ رہا ہوں ایسے ہی مودودی صاحب غلط بیانیاں کرتے رہے کہ 999 آدی فی ہزار اسلام سے دور ہیں جہاں تو روحانیت کا یہ عالم ہے کہ خواب ہی میں لوگ اپنی خوابیں سنا رہے ہیں ۔ اور نبی پاک ﷺ سے راہنمائیاں حاصل کر رہے ہیں۔ اور خوابوں میں ہی سیاسی پارٹیاں جوائن کرنے کے لئے خود نبی پاک ﷺ آکر راہنمائیاں فرما رہے ہیں۔ ایسے خواب سننا کتنا موجب راحت ہوتا اگر ہم اس سے پہلے طاہر القادری صاحب کے اس سے ملتے جلتے خواب اور بشارتیں اور ان کی عمر کے بارے میں ارشادات نہ سن چکے ہوتے۔ اور مولوی فضل الرحمٰن صاحب کے آدم علیہ السلام سے ٹیلیفونک بات چیت نہ سن چکے ہوتے اور مولوی الیاس صاحب سبز پگڑی والوں کی لیاری کے جنوں سے ٹیلی فونک گفتگو کا حال نہ سن چکے ہوتے۔ اور پھر ان سارے بشارتیں پانے والوں کے پیٹ، پجارو اور پہناوے نہ دیکھ چکے ہوتے ۔

ہمیں بس لوریاں دیجئے کہ ہم سونے کے عادی ہیں
کوئی بھی قصہ غم شامل روداد مت کیجئے
رہے قائم تمیز مستحق اور نا مستحق کچھ تو
اگر نااہل ہو مسند پہ زندہ باد مت کیجئے

غزل

رشید قیصرانی



مجھے کیا خبر کہ وہ ذکر تھا، وہ نماز تھی کہ سلام تھا
مِرا اَشک اَشک مُقتدی، ترا حرف حرف اِمام تھا

ترے رُخ کا تھا وہی طنطنہ، مری دید کا وہی بانکپن
کہ بَس ایک عالمِ کیف تھا، نہ سجود تھا نہ قیام تھا

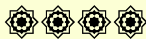
میں ورائے جسم تری تلاش میں تھا مگن، مجھے کیا خبر
کہ ہر ریزۂ تن میں بھی تری جلوتوں کا نظام تھا

مجھے رَت جگوں کی صلیب پر زرِ خواب جس نے عطا کیا
وہی سحر سحر مبین تھا، وہی حرف حرفِ دوام تھا

مجھے عرش و فرش کی کیا خبر، مجھے تُو ملا تھا جہاں جہاں
وہی آسماں تھی مری زمیں، وہی فرش عرشِ مقام تھا

مری دسترس میں جو آ گیا، ترے حسن کا کوئی زاویہ
وہی سلطنت مرے حرف کی، وہی تاجدارِ کلام تھا

ترے کُنجِ لب سے رواں دواں، وہ جو ایک سیلِ حروف تھا
اسے لہر لہر سمیٹنا اُسی کملیؑ والے کا کام تھا



7 ستمبر اور یوم الفرقان

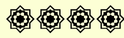
تحریر: بشیرزادہ مشرقی افریقہ





آج سات ستمبر ہے اور پاکستان کے کچھ خود ساختہ اسلام کے ٹھیکیدار اس دن کو یوم الفرقان کے طور پر منا رہے ہیں۔ 7 ستمبر 1974 کو جو کچھ بھی ہوا اس کو مخالفین احمدیت اپنی فتح قرار دیتے آ رہے ہیں۔ اور احمدی اسے اپنی فتح قرار دیتے ہیں۔ جب تاریخ اسلام پر سرسری سی نظر ڈالیں تو دو دن خصوصیت سے نظر آتے ہیں۔ قرآن کریم نے یوم بدر کو یوم الفرقان قرار دیا ہے۔ اور یوم صلح حدیبیہ کو یوم فتح مبین قرار دیا ہے۔ ان دونوں واقعات پر ذرا سا غور وفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بدر کے موقع پر دشمن یعنی کفار کی جمیعت کم ازکم مسلمانوں سے تین گنا زیادہ تھی۔ یعنی کفار کے لشکر کو اپنی اکثریت اور طاقت کا گھمنڈ تھا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رب پر بھروسہ تھا۔ اور آخر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا رب اعلیٰ اور ھبل سے جیت گیا کہ اس نے اپنے بندے سے وعدہ کیا تھا کہ "ان اللہ علی نصرھم لقدیر" اور اس نے دکھا دیا کہ یقینا اللہ تعالی مومنوں کی مدد پر قادر ہے۔ اور بعد کے حالات نے گواہی دی کہ اللہ تعالی کی یہ نصرت وقتی نہیں تھی بلکہ دائمی ہے۔ دوسرا واقعہ یوم صلح حدیبیہ ہے۔ جس کو اللہ تعالی نے فتح مبین قرار دیا ہے۔ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ وحی الٰہی کی اتباع میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ خانہ کعبہ کے طواف کی غرض سے نکلتے ہیں۔ اور مکہ سے ایک دن کی مسافت پر پڑاؤ ڈالتے ہیں۔ مکہ والوں سے طواف کی اجازت چاہتے ہیں۔ جو کہ نہیں دی جاتی۔ آخر صلح کا معاہدہ طے پاتا جس میں پہلی شرط یہ طے پاتی ہے کہ مسلمان اس سال طواف نہیں کریں گے۔ اور دیگر تمام شرائط بھی بظاہر مسلمانوں کے خلاف ہی تھیں۔ یہاں تک کہ بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ کیا اللہ تعالی نے آپ کو عمرہ کرنے کا نہیں کہا۔؟ فرمایا سب درست ہے۔ تو صحابہ نے عرض کیا کہ پھر ہم کیوں اس طرح کی شرائط پر صلح کر رہے ہیں۔ فرمایا جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ اور پھر اسی صلح کو اللہ تعالی نے فتح مبین قرار دیا۔ کہ جنگ وجدل سے سکون پا کر رسول اللہ ﷺ کو اپنے اصلی کام دعوت الی اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا موقع میسر آیا۔ بادشاہوں رؤسا اور ملوک کو تبلیغی خطوط لکھے۔ قبائل عرب کی طرف تبلیغی سرگرمیاں شروع ہوئیں۔ صحابہ کی تربیت اور تعلیم کے لئے سازگار ماحول پیدا ہوا۔ اور آخر کار یہی صلح حدیبیہ فتح مکہ پر منتج ہوئی جو بعد میں پورے عرب پر محیط ہوگئی۔ آئیں ذرا 7 ستمبر 1974 اور اسکے بعد کے حالات پر نظر ڈالیں کہ فتح کس کی ہوئی۔ اسمبلی میں ممبران اسمبلی کے ساتھ ساتھ تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام بھی بلائے گئے تھے جن کی تعداد سوڈیڑھ سو سے تو کم نہ ھوگی۔ اور اس طرف جماعت احمدیہ کے خلیفہ سمیت پانچ ممبران تھے۔ اور جواب دینے کی اجازت صرف خلیفۃ المسیح کو تھی۔ اب خود ہی فیصلہ کرلیں بدر والے یوم الفرقان کے دن اکثریت کس کی تھی اور فئہ قلیلہ کون؟ اور نتیجہ؟ فتح حنین کے بعد جب کثرت سے غنائم آئے تو حضور خاتم الانبیاء ﷺ نے تالیف قلب کے لئے نومسلموں میں غنائم تقسیم کر دیے اور پرانے انصار ومہاجرین کو نظر انداز کر دیا۔ جس پر کچھ نوجوانوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنوں میں مل گئے ہیں۔ خبر ہونے پر سب انصار کو ایک حویلی میں جمع کیا گیا حضرت خاتم الانبیاء ﷺ نے ایک لمبی تقریر کے بعد فرمایا کہ کیا تم پسند نہیں کرو گے کہ لوگ تو بھیڑ بکریوں کے ساتھ اپنے گھروں کو لوٹیں اور تم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ لوٹو۔ اور سب نے روتے بلبلاتے ہوئے عرض کیا بلی یا رسول اللہ ﷺ۔ یہی صورتحال 7 ستمبر 1974 کو اسمبلی سے لوٹتے ہوئے تھی۔ فیصلہ کیا گیا کہ امت مسلمہ کے بہتر (72) فرقے مل کر تہترویں کو دائرہ اسلام سے خارج کرتے ہیں۔ جبکہ خاتم الانبیاء ﷺ کا فیصلہ اس کے برعکس ہے کہ ایک تہتر واں دائرہ اسلام میں ہوگا اور 72 باہر ہوں گے۔ گویا 72 تو فتح کے جشن اور نقاروں کے ساتھ گھروں

کولوٹے اور ایک تہتر واں محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سودا گھاٹے کا نہیں ۔ایک اور پہلو سے دیکھیں تو ستمبر 1974 سے لیکر آج تک پچھلے 45 سالوں میں کس نے کیا کھویا اور کیا پایا خود ساختہ محافظین ختم نبوت کے ساتھ اللہ تعالی نے کیا سلوک کیا اور دوسری طرف خلافت احمدیہ کی غلامی میں جماعت احمدیہ کے ساتھ کیسا لطف و کرم کا سلوک رہا۔داعیان ختم نبوت کے گروہ کی کمان جناب وزیر اعظم بھٹو کے ہاتھ میں تھی۔اور اس کے معاونین میں اس دور کے علمائے اسلام کے ایک سے بڑھ کر ایک جناب مودودی صاحب، مفتی محمود صاحب نورانی صاحب۔انصاری۔وغیرہم۔آج کا قاری اگر نظر حق جوئی سے دیکھے تو اس پر حقیقت آشکار ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔جناب بھٹو اور اسکے ہمنواؤں کے بارے میں تو "مردمومن مردحق" نے وائٹ پیپر شائع کر کے ان کی حقیقت دنیا پر آشکار کردی۔مودودی صاحب اور ان کی جماعت کے بارے میں ان کے صاحبزادے کافی کچھ کہہ چکے ہیں۔رہے جناب مفتی محمود صاحب تو ان کے صاحب زادے کے بارے آئے روز نئے سے نئے شکم پرستی کے افسانے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کی زینت بنے ہوتے ہیں۔ادھر خلافت کے سائے اور راہنمائی میں خدام احمدیت ہر روز "ان اللہ علی نصرھم لقدیر " کے نظارے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے۔ہیں۔تم نے اپنے ساتھ ساتھ میرے ملک کو بھی بدنام و رسوا کردیا ہے۔اور خلافت احمدیہ کی غلامی اور راہنمائی میں خدام احمدیت ساری دنیا میں حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے امن و محبت و آشتی کے پیغام سے دنیا کے دلوں کو فتح کرنے میں دن رات مصروف عمل ہیں۔ان کا ٹارگٹ ہے کہ اللہ تعالی کے پاک کلام قرآن کریم کو ایک ایک ذی روح تک پہنچانے کے لیے اس کا زیادہ سے زیادہ زبانوں میں ترجمہ کیا جائے۔تم ان کا ایک جلسہ بند کر کے خوش ہو رہے ہو وہ دوسو زیادہ ممالک میں جلسے منعقد کر رہے ہیں۔تم نے ان کی تبلیغ پر پابندی لگائی وہ ایم ٹی اے کے ذریعے تمھارے گھروں بلکہ بیڈروموں میں داخل ہو چکے ہیں فتح و نصرت اور تائید الہی تو احمدیوں اور ان کے خلیفہ کے ساتھ ہی نظر آتی ہے۔تم 7 ستمبر کو یوم الفرقان کے طور پر مناؤ یا یوم فتح کے طور پر تمہیں کون روک سکتا ہے؟؟ تمہاری فتح میراثی کے نور کی مانند ہے۔کہتے ہیں کہ کسی میراثی کو کسی مولوی نے نماز کی فضیلت اور اہمیت کے بارے بہت تبلیغ کی یہاں تک کہ دادا جی نے نماز پڑھنے کا تہیہ کرلیا اور میراثن سے کہا کہ صبح مجھے جگا دینا نماز ضرور پڑھنی ہے۔صبح سویرے اٹھے سردیوں کا موسم تھا۔ٹھنڈا پانی اور میراثی کی ذات وضو کون کرے۔فیصلہ کیا کہ نماز بہرحال پڑھنی ہے چلو تیمم کر لیتے ہیں۔اندھیرے میں توا پڑا تھا اسی پر ہاتھ مار کر تیمم کرلیا۔نماز سے فارغ ہوتے ہوتے دن کی روشنی میں شکل بھی نمایاں ہونے لگی۔نماز سے فارغ ہوکر دادا جی نے دادی سے پوچھا ویکھا کر ماں والیے منہ تے کوئی نوروی آیا اے کہ نئیں۔دادی نے جواب دیا ''جے تے نورا ے کالے رنگ دا تے فیر تے گھٹاں بن کے چڑھیا اے۔''



غزل

عبدالکریم قدسی



آنکھیں سرخ تعصب کی ہیں اورمزاج بھی برہم ہے
قدم قدم پرگجرانوالہ قدم قدم پرجہلم ہے

ظلم وستم کی آگ کی حدّت دل میں سب محسوس کریں
لیکن اس پرکھل کے بولنے والاطبقہ کم کم ہے

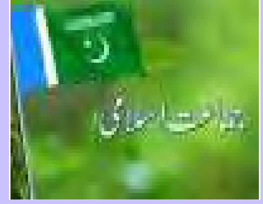
تم دیکھوگے اندھیروں کا سینہ چیر کے رکھ دیگا
معمولی سادیایہ جس کی لوبھی مدہم مدہم ہے

خوب کمائی کرتے ہیں یہ بلو ائیوں کے ڈیریدار
نفرت کے بینرہاتھوں میں بدامنی کاپرچم ہے

رنگ ونسل ،عقیدے اورقبیلے کی تفریق نہیں
اپنی نظروں میں دنیاکاہرانسان مکرم ہے

ایک حکم حاذق ایسابخشاہم کواللہ نے
جس کے پاس شفاکاشہدہے اوردعاکی مرہم ہے

زخم ہرے ہوتے رہتے ہیں ٹیسیں بڑھتی جاتی ہیں
آنکھیں خشک نہیں ہوتی ہیں قدسؔی کیساموسم ہے



ٹائی ٹینک اور جماعت اسلامی، عبرت کے دو عظیم نشان

تحریر:: ابن صدیق

وہ روتی آنکھوں، اُجڑی سانسوں اور ویران خوابوں کے ساتھ امریکی ساحل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُسے رہ رہ کر وہ پچھلے ایک ہفتے کے چکا چوند مناظر یاد آ رہے تھے، وہ مناظر جنہیں یاد کرکے کبھی اُس کا سینہ خوشی سے چوڑا ہوا جاتا تھا۔ ابھی سوہان روح بن کر اس کے دل کو پھاڑے چلے جا رہے تھے۔ وہ بے بسی میں بار بار سر پر ہاتھ مار رہا تھا۔ ماتم کرتا گریہ کناں یہ شخص "وائٹ سٹار لائٹ" کمپنی کا مالک جناب مسٹر ایمری تھا۔ جی وہی مسٹر ایمری جس کی کمپنی نے ٹائی ٹینک نامی جہاز بنایا تو انہوں نے بڑے غرور سے اس کی منازل کی مضبوطی کی تفاصیل بتاتے ہوئے دعویٰ کیا تھا کہ اسے تو خدا بھی غرق نہیں کر سکتا۔ وہ 10 اپریل 1912 کو جب برطانیہ کی بندرگاہ ساؤتھ ہمپشائر سے نیویارک کے لئے روانہ ہوا تو بندرگاہ کے تمام جہازوں نے وسل بجا کر اسے سلامی دی تھی مگر پھر اس جہاز کے مالک کا خدا بننے کا دعویٰ اسے لے ڈوبا اور 15 اپریل کی رات شمالی برفانی سمندروں سے بہہ کر آنے والے ایک مختصر آئس برگ نے اسے درمیان سے چیر کر رکھ دیا اور محض آدھے گھنٹے میں تکبر کا یہ پہاڑ اپنے تمام تر غرور کے ساتھ سمندر کی تہہ میں غرق ہو گیا۔ اور مسٹر ایمری لائف بوٹ کی مدد سے امریکہ کے ساحل پر جا اترے۔

آج امریکہ کے ہی ساحل پر اترنے والے جناب حسین فاروق مودودی صاحب کی زبانی جماعت اسلامی کے ڈوبتے ٹائی ٹینک کی تفاصیل سنیں تو مجھے مسٹر ایمری اور جناب مودودی صاحب یاد آ گئے۔ جناب حسین فاروق مودودی صاحب نے مودودی خاندان اور جماعت اسلامی کے تنازعات کو اپنی حالیہ کتاب آفتاب علم و عرفان مودودی میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس کتاب کو عفاف پرنٹرز ارلاہور ترجمان القرآن پبلی کیشنز نے شائع کیا ہے۔

جناب مودودی صاحب نے جماعت اسلامی کی بنیاد رکھی تو اسے خدائی فوجداروں کا نام دے دیا۔ پھر اسے خود ہی صالحین کے رینک سے نواز کر ان کی ڈیوٹی اسلامی انقلاب لانا مقرر کردی۔ پھر مزید آگے بڑھ کر اس فوج کی ذمہ داریوں میں اضافہ کرتے ہوئے اسے غیر صالح حکومتوں کے تختے اُلٹنے کا ٹاسک دے دیا۔ پھر فرمایا یہ نہیں کہ ایک دو ملک۔ جب اپنے ملک کا تختہ اُلٹ دو تو پھر ہمسائے ملک اور پھر اس کے ہمسائے اور پھر اس کے ہمسائے کا۔ یہاں تک تو بات ٹھیک تھی اس لئے لوگوں نے بھی ہضم کر لی کہ وہ اپنے کو صالح اور دوسروں کو غیر صالح قرار دے رہے تھے مگر پھر یہی کامیابی اُن کو مسٹر ایمری والی پوزیشن میں لے گئی اور یہاں اُنہوں نے ہدایت اور منبع ہدائت اور مرسلین ہدائت کی عصمت پر بھی ہاتھ ڈال دیا۔ اور اپنے آپ کو اتنا بڑا بلند کر لیا کہ جب میں موجود ہوں تو پھر کسی اور شخص کے آنے کی کیا ضرورت ہے؟ جب ضرورت ہی نہیں تو پھر اللہ نے اگر بھیج بھی دیا تو میں اُسکا انکار کردوں گا۔ یہی وہ مقام تھا جہاں مودودی صاحب مسٹر ایمری بن گئے تو جماعت اسلامی ٹائی ٹینک کے روپ میں ڈھل گئی۔ شائد اسی لئے مسٹر ایمر بھی ٹائی ٹینک کو ڈوبتا چھوڑ کر نکل بھاگے اور امریکہ جا پہنچے اور مودودی صاحب بھی جماعت اسلامی کو پاکستان میں چھوڑ کر امریکہ جا وارد ہوئے تھے۔ آپ نے دعویٰ کرتے ہوئے فرمایا ''اگر بفرض محال نبوت کا دروزہ واقعی کھلا بھی ہو اور کوئی نبی آ بھی جائے تو بھی ہم بے خوف وخطر اس کا انکار کر دیں گے''۔

(ختم نبوت، صفحہ 40 مطبع ڈے ٹائم پرنٹر لاہور ناشر ادارہ ترجمان القرآن غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور)

پھر آپ نے اس صفحے پر موٹا عنوان لگایا ہے کہ ''نئی نبوت اب امت کے لیے رحمت نہیں بلکہ لعنت ہے''۔ (ختم نبوت، صفحہ 43) اور آپ کے اس عقیدہ کی آپ کے دوست اور دست راست جناب ابوالحسن ندوی صاحب نے یوں تشریح کی ''عقیدہ ختم نبوت دراصل نوع انسانی کے لیے ایک شرف امتیاز ہے

وہ اس بات کا اعلان ہے کہ نوع انسانی سنّ بلوغ کو پہنچ گئی ہے……اب انسان کو کسی نئی وحی کسی نئے آسمانی پیغام کی ضرورت نہیں اب آسمان کی طرف دیکھنے کی بجائے……زمین کی طرف دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اگر ختم نبوت کا عقیدہ نہ ہوتا تو انسان ہمیشہ تذبذب اور غیر اعتمادی میں رہے گا۔ وہ ہمیشہ زمین کی طرف دیکھنے کی بجائے آسمان کی طرف دیکھے گا۔ وہ ہمیشہ اپنے مستقبل کی طرف سے غیر مطمئن ہوگا۔'' (قادیانیت صفحہ 182۔185)

ہم کوئی بچے ہیں جو آسمان کی طرف دیکھیں۔ بالغ ہو گئے ہیں۔ خود اپنا اچھا برا سمجھتے ہیں اور اللہ جی اگر آپ نے پھر بھی زور زبردستی کوئی ہمیں سمجھانے یا ہماری تربیت کے لئے بھیج دیا تو میں بتا رہا ہوں ہم انکار کر دیں گے۔ استغفر اللہ ربی لعنت ایسی بلوغت پر اور تف ایسے اطمینان پر جو آسمان کی طرف دیکھنے سے غائب ہو جاتا ہے۔ تو چلئے پھر دیکھتے ہیں خدائی فوج دار ایسے "بالغ" اور "زمینی لوگ" تقویٰ کی کیا کیا اعلیٰ مثالیں قائم کر رہے ہیں۔

امیر جماعت بننے کے لئے دوڑ دھوپ اور فراڈ انتخابات کہاں جماعت کے انتخاب میں کنویسنگ ممنوع تھی کہاں کھل کر یہ سارا کام شروع ہو گیا ہے۔ جب غلام اعظم صاحب، قاضی حسین احمد، منور حسن حتیٰ کہ سراج الحق یہ سب فراڈ انتخابات سے امیر بنے" جناب عبدالحفیظ صاحب ناظم انتخابات کو سراج الحق کی کامیابی کے اعلان کے لئے مجبور کیا گیا جنرل ضاءالحق سے مراعات جنرل ضیاء الحق صاحب سے اتنی مراعات لیں کہ جماعت ضیاء صاحب ی بی ٹیم مشہور ہو گئی۔ میاں طفیل صاحب نے کئی دفعہ اپنے لئے اور اپنے اعزہ کے لئے جناب ضاء الحق صاحب سے سفارشیں کیں۔ ایک ایسا موقعہ آیا کہ بالاخر جنرل صاحب نے ناگواری کا اظہار کر دیا ص 145



" پلاننگ کمیشن کے چیرمین اور منسٹری کا عہدہ جنرل ضیاء نے جماعت اسلامی کے کوٹے کے لئے پروفیسر خورشید احمد صاحب کو دیا تھا۔ اس عہدہ سے قبل بھی جنرل ضیاء نے خورشید صاحب پر نوازشات شروع کر دی تھیں۔ ان کو پی آئی اے کی انکوائری کروانے کی ذمہ داری دی گئی جو انہوں نے اپنے ادارے آئی پی ایس سے کروائی۔ اس انکوائری کے عوض ایک خطیر رقم موصوف کو ادا کی گئی۔ اس فائل پر ایک افسر نے لکھا کہ یہ بالکل فیک اور بچگانہ سی انکوائری ہے چنانچہ اس پر کوئی پے منٹ نہ کی جائے۔ جنرل ضیاء صاحب نے فوری ادائیگی کی اس کے علاوہ اسلام آباد کے بلیو ایریا میں ایک نہائیت قیمتی پلاٹ بھی ان کو مفت دیا" ص149

جمیعت اسلامی کی غنڈہ گردیاں" زبردستی اساتذہ کا ٹرانسفر اور طلبہ کا ایڈمشن، اور دوسری من مانیوں کو دیکھ کر بہت سے اساتذہ اور طلبہ نے امیر جماعت اسلامی اور نعیم صدیقی صاحب کو شکایات کرنا شروع کر دیں۔ بے شمار خطوط موصول ہونے لگے تو نعیم صدیقی صاحب نے اشارات میں لکھنا شروع کر دیا۔ اس وقت قاضی صاحب کی امارت کا دور شروع ہو چکا تھا۔ بقول نعیم صدیقی صاحب ایک دن صبح صبح قاضی صاحب ان کے فلیٹ پر جا پہنچے دعا سلام کے بعد انتہائی تحکمانہ لہجے میں فرمایا۔ جماعت کا فلیٹ خالی کر وا اور اگلے ماہ سے اشارات میں خود لکھا کروں گا اور سلام دعا کے بغیر ہی چلے گئے۔''

(صفحہ کتاب مذکورہ 182)

نواز شریف سے ریوں کے بریف کیس۔" ایک دفعہ کا ذکر مجھ سے محمد صلاح الدین صاحب (جسارت اور تکبیر کے ایڈیٹر) نے کیا جس کی تصدیق جناب الطاف حسن قریشی نے بھی کی۔ میاں محمد نواز شریف کی پہلی وزارت عظمیٰ

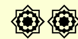


کے دوران ایک ملاقات کے سلسلے میں وزیر اعظم کے دفتر میں جناب صلاح الدین الطاف حسن قریشی اور غالباً مصطفیٰ صادق داخل ہو رہے تھے تو وزیر اعظم کے دفتر سے قاضی حسین احمد پروفیسر خورشید اور جماعت کے ایک اور معروف راہنما باہر نکل رہے تھے نکلنے والے تینوں حضرات کے ہاتھوں میں بڑے سائز کے بریف کیس تھے۔ صلاح الدین صاحب سے ملاقات میں نواز شریف نے بتایا کہ انہوں نے تینوں کو بہت بڑی رقم فراہم کی ہے۔"
(صفحہ کتاب مذکورہ 150)

یہ سب کچھ دیکھ کر مولانا مودودی صاحب نے جماعت اسلامی سے استعفیٰ دے دیا۔ اس پر مودودی صاحب کی ہی قائم کردہ "اسلامی ریسرچ اکیڈمی" سے وابستہ جناب مصباح الاسلام فاروقی صاحب نے ایک پمفلٹ لکھ کر شائع کیا اور استعفیٰ واپس لینے کی اپیل کی۔ اس اکیڈمی کے انتظامی سربراہ جناب منور حسن صاحب انہوں نے فی الفور فاروقی صاحب کی تنخواہ اور مراعات منقطع کر دیں اور ان کو مخاطب کر کے فرمایا اب تم اگر گھٹنوں کے بل چل کر بھی آئے تو کچھ نہیں ملے گا" ص 140

جناب مودودی صاحب آپ نے کیا فرمایا تھا کہ اللہ میاں ہم بالغ ہو گئے ہیں۔ اب اپنے مجدد مہدی امتی نبی سب اپنے پاس رکھ۔ ہم جوان ہیں اپنا اچھا برا جانتے ہیں اگر بھیجے تو ہم نے کوئی نہیں ماننا۔ لو سرکار نہ مانو اب یہ "بالغ" "خدائی فوج دار" اپنے جوہر دکھاتے ہوئے غنڈہ گردی بھی کرتے ہیں۔ بریف کیس بھر بھر کر پیسے بھی بٹورتے ہیں۔ جھوٹی انکوائریاں ڈال کر مال بھی بناتے ہیں۔ پلاٹ بھی حاصل کرتے ہیں۔ اور تو اور خود آپ کو نکال باہر کرنے کی کھلم کھلا باتیں بھی کرتے ہیں۔ آپ پر بے دیدگی سے تنقید کرتے ہیں۔ آپ دلبرداشتہ ہو کر استعفیٰ نہیں دیتے بلکہ آپ کو اتنا زچ کرتے ہیں کہ آپ ان سے دور چلے جانے میں عافیت ڈھونڈتے ہیں۔ یہ آپ کی جماعت اسلامی نہیں رہی۔ یہ آپ کے خدائی فوج دار نہیں رہے یہ منور حسن اور قاضی حسین احمد اور حافظ محمد ادریس کی ٹیم رہ گئی ہے۔ تو مولانا آپ کا ٹائی ٹینک بھی ڈوب گیا۔ کیونکہ آپ نے خدا کو ہی جواب دے دیا تھا۔ اگر ایسا نہیں ہے تو آپ بھی مسٹر ایمری کی طرح اپنا ٹائی ٹینک چھوڑ کر امریکی ساحل کی طرف ناکام و نامراد کیوں بھاگے؟





بادشاہ میرا

قیصر شیراز



وہ ایسا ہے امیرِ من وہ ایسا بادشاہ میرا
خلافت محورِ اولیٰ، خلافت حصنِ ثانی بھی
میسر ہیج سے شوکت، مکانی بھی زمانی بھی
خلافت ہے بھری ممتا، خلافت سائبانی بھی
فِدا اس پر ہیجاں اپنی، رَوا ہے رائگانی بھی
دلوں پرراج ہے اسکا، اسی کا ہے جو ہے میرا *
*وہ ایسا ہے امیرِ من، وہ ایسا بادشاہ میرا *

کبھی شادم وہ رکتا ہے، کبھی تاباں وہ چلتا ہے
مرا ہادی مرا مسرور، دیکھو اب وہ آتا ہے
پروں میں بھینچ لیتا ہے، جماعت کو محبت سے
ہے سینہ تان کر رکھتا، کہ جب طوفان آتا ہے
*دعاؤں سے بدل ڈالے، وہ رہبر زائچہ میرا *
*وہ ایسا ہیامیرِ من، وہ ایسابادشاہ میرا *

کسی لب کافسانہ ہے کسی سُرکا ترانہ ہے
اَچانک سے جوآجائے اُسی غم کا ٹھکانہ ہے
ہمارے آہ بھرنے پرہی وہ بے چین ہوجائے
مسیحا ہے ہمارا یا کسی تہ کا خزانہ ہے
*مرے مولیٰ پناہوں میں تری ہے دل شاداں میرا *
وہ ایسا ہے امیرِ من، وہ ایسا بادشاہ میرا *

چمن تم سے عبارت ہے، بہاریں وعظ کرتی ہیں
نوائے احمدیت پر، فضائیں ساز دھرتی ہیں
ہمیں نکلے ہتھیلی پر سجا کر غم زمانے کے
لوائے احمدیت پرصبائیں ناز کرتی ہیں
*بساطِ زندگی ہے وہ، متاعِ عمر بھر میرا *
وہ ایساہے امیرِ من، وہ ایسا بادشاہ میرا *





جاوید احمد غامدی اور جماعت احمدیہ مسلمہ

تحریر عدیم احمد

جاوید احمد غامدی صاحب میرے استاذ ہیں جن سے میں نے دین کے بہت سے علوم و حقائق سمجھے ہیں۔ بیعت سے پہلے کچھ سال ان کی فکر سے منسلک رہا ہوں۔ اس دوران بہت کچھ سیکھا مثلاً نظم کی رعایت سے قرآن مجید کی تفہیم کے قواعد، مبادی تدبر سنت و حدیث، اخلاقیات کے باب کی دین میں اہمیت وغیرہ۔ ان کی کتب میزان، برہان، البیان (خصوصاً سورۃ بقرۃ کی تفسیر)، مقامات خاصی حد تک پڑھی ہیں۔ ان کے بے شمار ٹی وی پروگرام دیکھے ہیں اور بہت سے آرٹیکل بھی پڑھے ہیں۔ اور ان کی فکر سے منسلک بہت سے اہل علم کی کچھ کتابیں بھی نظر سے گزری ہیں۔ لیکن سب سے اہم چیز جو اس فکر سے سیکھی وہ وسعت نظری ہے۔ غرض انہی دنوں "ختم نبوت" پر ان کی ویڈیو سیریز سنی تھی اور بہت متاثر ہوا تھا کیونکہ انھوں نے روایتی مولویانہ انداز سے ہٹ کر بہت عمدہ اسلوب میں علمی نقد کی تھی۔ لیکن اب جب اس طرف دیکھتا ہوں تو بڑی حیرت ہوتی ہے کہ غامدی صاحب جیسے صاحب علم اور شریف النفس انسان کو بھی جماعت احمدیہ کے متعلق کس قدر غلطی لگی ہے۔ میں اکثر اس ویڈیو سیریز کے مختلف نکات پر غور کرتا ہوں جس سے ایک قسم کا تجزیہ ذہن میں گردش کرتا رہتا ہے۔ سوچا کہ اپنے خیالات کو مختصراً قلم بند کردوں تا کہ دوسرے بھی انھیں پرکھ سکیں۔ واضح رہے کہ میں نہ مربی ہوں نہ کوئی عالم، بیعت کو کچھ ہی عرصہ ہوا ہے اور مذہبی معلومات جو کچھ ہے ذاتی کوشش کا نتیجہ ہے باقاعدہ اس کی تعلیم حاصل نہیں کی۔ آرٹیکل پڑھتے ہوئے یہ ذہن نشین رکھیں۔ سب سے پہلے میں غامدی صاحب کا موقف اپنے الفاظ میں مختصراً بیان کئے دیتا ہوں۔ غامدی صاحب آیت خاتم النبیین کی تشریح سیاقِ کلام کے تناظر میں اس طرح کرتے ہیں۔ چونکہ اعتراض تھا کہ بیٹے کی مطلقہ بیوی سے ہی شادی کر لی۔ اس لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ بیٹا ہونے کا تو سوال ہی کیا ہے محمد ﷺ تو تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ ہیں ہی نہیں، وہ تو اللہ کے رسول ہیں۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ منہ بولے بیٹے کے متعلق قرآن نے شریعت ختم کردی لیکن کیا اس پر عمل کر کے دکھانا بھی ضروری تھا تو بیان کر دیا کہ چونکہ آخری نبی ہیں اس لئے اس معاملے کو بھی نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ الفاظ "خاتم النبیین" کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نبیوں کی مہر ہیں یعنی سلسلہ نبوت کو مہر بند کرنے والے ہیں۔ یہاں خاتم سے مراد seal ہے stamp نہیں، قرآن میں اس کے نظائر موجود ہیں لیکن اگر کوئی stamp پر ہی اصرار کرے تو پھر اس کا مطلب ہوگا کہ آپ ﷺ نبیوں کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے گزشتہ انبیاء کی تصدیق کر دی اس لئے ہم سب کو مانتے ہیں، بعد میں آنے والے کسی نبی کی تصدیق نہیں کی اس لئے نہیں مانتے۔ قادیانی ختم نبوت کو مجازی معنوں میں لیتے ہیں، "خاتم" کا ترجمہ آخری کر دیتے ہیں اور پھر اس طرح کی تقریر شروع کر دیتے ہیں "آخری شاعر جہان آباد کا خاموش ہے" کہ اقبال نے جو داغ کو آخری شاعر کہا ہے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ اب کوئی شاعر پیدا نہیں ہوگا بلکہ مدعا یہ ہے کہ ان جیسا بڑا شاعر اب پیدا نہیں ہوگا، شاعری گویا ان پر ختم ہوگئی۔ اب سمجھ لیجیے کہ قرآن مجید میں "آخری" کا لفظ ہے ہی نہیں، "خاتم" نہیں ہے بلکہ "خاتَم" کا لفظ آیا ہے جس کا مطلب ہے مہر۔ لہٰذا "آخری شاعر" والی تشریح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ احادیث مبارکہ سے بھی قرآن کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ بخاری میں ہے: نبوت میں سے کچھ باقی نہیں بچا سوائے مبشرات کے۔ پوچھا گیا کہ مبشرات کیا ہیں؟ فرمایا کہ کسی نیک آدمی کو کوئی اچھا خواب آ جائے۔ اس حدیث سے نہ صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبوت ختم ہوگئی بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس کے کمالات یعنی الہام و کشف پر بھی مہر لگ گئی کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ پھر حضرت مسیح موعود کے ایک مکتوب بنام حکیم نور الدین، کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے مثیل مسیح ہونے کا دعوٰی باقاعدہ مشاورت کے بعد کیا۔ یہ مکتوب 24 جنوری 1891 کا ہے اور مثیل مسیح کا دعوٰی بھی اسی سال کا ہے جو ان کی کتاب "فتح اسلام" میں درج ہے۔ یوں لگتا ہے کہ مرزا صاحب نے اس مکتوب کے ایک آدھ ماہ بعد ہی یہ دعوٰی کر دیا تھا۔ فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب تصوف کے پس منظر سے تعلق رکھتے تھے جو کتاب "سیرت المہدی" سے واضح ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہاں بھی وہی صوفیانہ اوراد، وظائف اور چلّے موجود ہیں۔ اسی سیریز میں غامدی صاحب نے ثابت کیا ہے کہ تصوف

سے جڑے بہت سے جلیل القدر علماء نہ صرف نبوت کے کمالات یعنی کشف و الہام جاری ہونے کے قائل ہیں بلکہ غیر تشریعی نبوت جاری ہونے کے بھی قائل ہیں۔صوفیاء اس بات کے بھی قائل ہیں کہ" حقیقت محمدیہ" کا اظہار انسان کامل میں ہوتا رہتا ہے اور وہ اس طرح کی باتیں کرتے رہتے ہیں کہ مثلاً فلاں شخص میرے" شیخ" فلاں بن فلاں تو ہیں لیکن وہ" محمد ﷺ" بھی ہیں یعنی ان میں حقیقت محمدیہ کا ظہور ہوا ہے۔مرزا صاحب کا تعلق بھی چونکہ تصوف سے تھا اس لئے انھوں نے بھی بالکل وہی صوفیانہ باتیں کی ہیں کہ مثلاً میں ظلی نبی ہوں، مجھ میں حقیقت محمدیہ کا ظہور ہوا ہے، میں محمد ﷺ ہوں وغیرہ۔فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے صوفیاء لوگوں کو مجبور نہیں کرتے تھے کہ وہ ان کے دعاوی کو قبول کریں لیکن مرزا صاحب نے لوگوں کو دعوت دے ڈالی کہ وہ انھیں قبول کریں اور نہ ماننے والوں کی تکفیر بھی کردی اور پھر ان کے بعد ان کے بیٹے نے انھیں مستقل نبی بھی قرار دے دیا جس کی وجہ سے معاملہ خراب ہو گیا ورنہ صوفیاء کی طرح ان کی باتیں بھی قابل تاویل تھیں اور بات وہیں تک رہ جاتی کہ صوفیاء اس طرح کی باتیں کرتے ہی رہتے ہیں کوئی نئی بات نہیں کی گئی۔یہ تو ہوا غامدی صاحب کا موقف۔

اب آیئے اس کا تجزیہ کرتے ہیں۔سب سے پہلے آیت خاتم النبیین کی سیاق و سباق کے لحاظ سے تشریح دیکھتے ہیں۔غامدی صاحب کی تشریح سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ گویا ضمناً نبی ﷺ کا" آخری نبی" ہونا قرآن مجید میں آیا ہے یعنی اگر حضرت زید رضی اللہ عنہ کا معاملہ پیش نہ آیا ہوتا تو ممکن تھا کہ اتنا اہم معاملہ خدا تعالیٰ بیان ہی نہ فرماتا۔تصور کیجئے کہ ایسی معرکتہ الآراء تبدیلی آ گئی، انبیاء کا آنا منسوخ ہو گیا لیکن اس قدر اہم معاملہ بجائے اس کے کہ شرح وبسط سے بیان ہوتا، بالکل سرسری اور ضمنی طور پر ذکر ہوا۔دوسری اہم بات یہ ہے کہ آیت مبارکہ میں حرفِ استدراک"لکن " آیا ہے، یہ لفظ اور اس کے ہم معنی الفاظ دنیا کی ہر زبان میں کسی شبہ کے رفع کرنے کے لئے آتے ہیں۔نیز دو متضاد باتیں اس لفظ سے متصل کی جاتی ہیں۔کیا کسی مرد کا باپ نہ ہونا نبوت ورسالت کے منافی ہے؟ یعنی اگر کسی نبی کی نرینہ اولاد نہ ہو تو وہ نبی نہیں رہے گا؟ پھر کیا وجہ ہے کہ جہاں ایک طرف نبی ﷺ کی نرینہ اولاد کی نفی کی گئی ہے وہیں لکن کا لفظ لا کر دوسری طرف آپ ﷺ کی رسالت ونبوت کی تصدیق کی گئی ہے؟ اس پر جماعت احمدیہ کی تشریح درج ذیل ہے:" جب حضرت زید رضی اللہ کا واقعہ پیش آیا اور لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا ہوئے کہ زید کی مطلقہ سے جو آپ کا متبنی تھا آپ نے شادی کرلی ہے اور یہ اسلامی تعلیم کے خلاف ہے کیونکہ بہو سے شادی جائز نہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم جو سمجھتے ہو کہ زید (رضی اللہ عنہ) محمد رسول اللہ ﷺ کے بیٹے ہیں یہ غلط ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ تو کسی بالغ جوان مرد کے باپ ہیں ہی نہیں اور" ما کانَ" کے الفاظ عربی زبان میں صرف یہی معنی نہیں دیتے کہ صرف اِس وقت باپ نہیں بلکہ یہ معنی بھی دیتے ہیں کہ آئندہ بھی باپ نہیں ہوں گے جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے "كَانَ اللّٰهُ عَزِيزاً حَكِيماً" (سورۃ نساء) یعنی اللہ تعالیٰ عزیز وحکیم تھا، ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔اس اعلان پر قدرتاً لوگوں کے دلوں پر ایک اور شبہ پیدا ہونا تھا کہ مکہ میں تو سورۃ کوثر کے ذریعے یہ اعلان کیا گیا تھا کہ محمد رسول اللہ (ﷺ) کے دشمن تو اولاد نرینہ سے محروم رہیں گے مگر آنحضرت (ﷺ) محروم نہیں رہیں گے لیکن اب سالہا سال کے بعد مدینہ میں یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ محمد رسول اللہ (ﷺ) نہ تو کسی بالغ مرد کے باپ ہیں نہ آئندہ ہوں گے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ سورۃ کوثر والی پیشگوئی (نعوذ باللہ) جھوٹی نکلی اور محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت مشکوک ہے۔اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلٰكِن رَّسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ یعنی ہمارے اس اعلان سے لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ پیدا ہوا ہے یہ اعلان تو (نعوذ باللہ) محمد رسول اللہ (ﷺ) کے جھوٹا ہونے پر دلالت کرتا ہے لیکن اس اعلان سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے۔ باوجود اس اعلان کے کہ محمد رسول اللہ (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں بلکہ خاتم النبیین ہیں یعنی نبیوں کی مہر ہیں۔پچھلے نبیوں کیلئے بطور زینت کے ہیں اور آئندہ کوئی شخص نبوت کے مقام پر فائز نہیں ہوسکتا جب تک کہ محمد رسول اللہ (ﷺ) کی مہر اس پر نہ لگی ہو۔ایسا شخص آپ کا روحانی بیٹا ہوگا اور ایک طرف سے ایسے روحانی بیٹوں کے محمد رسول اللہ (ﷺ) کی امت میں پیدا ہونے سے اور دوسری طرف اکابر مکہ کی اولاد کے مسلمان ہو جانے سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ سورۃ کوثر میں جو بتایا گیا تھا وہ ٹھیک تھا۔ابوجہل، عاص اور ولید کی اولاد ختم کی جائے گی اور وہ اولاد اپنے آپ کو محمد رسول اللہ (ﷺ) سے منسوب کر دے گی اور آپ کی روحانی اولاد ہمیشہ جاری رہے گی اور قیامت تک ان میں ایسے مقام پر لوگ فائز ہوتے رہیں گے جس مقام پر کوئی عورت کبھی فائز نہیں ہو سکتی یعنی نبوت کا مقام۔جو صرف مردوں کے لئے مخصوص ہے۔۔۔پس اگر خاتم النبیین کے یہ معنی کیے جائیں کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تم میں سے کسی بالغ مرد کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور آئندہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔تو یہ آیت بالکل بے معنی ہو جاتی ہے اور سیاق وسباق سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہتا اور کفار کا وہ اعتراض جس کا سورۃ کوثر میں ذکر کیا گیا ہے پختہ ہو

جاتا ہے۔

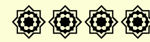
"http://www.askahmadiyyat.org/questions/explaination-of-khatm-e-nubuwwat-verse/exaplanation-of-khatam-e-nubuwwat-verse

اب آتے ہیں دوسرے نکتے کی طرف کہ" خاتم النبیین" کے الفاظ کی درست تفہیم کیا ہے۔ اس میں پہلی بات تو یہ سمجھ لیجیے کہ احمدی ہرگز" خاتم" کا ترجمہ " آخری"نہیں کرتے بلکہ" مہر" کرتے ہیں جو جماعت کے تمام قرآنی تراجم سے دیکھا جا سکتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ غامدی صاحب جو ہمیشہ قرآنی الفاظ کی تفہیم کیلئے کلام عرب میں رائج معانی اور عرب محاورے جیسے قابلِ قدر اصولوں کی پیروی کرتے ہیں، لفظ" خاتم النبیین" کی تفہیم میں گویا ان اصولوں کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مثلاً دیکھئے وفات مسیح کی آیات میں غامدی صاحب کا موقف یہ ہے کہ لفظ" توفی" کے کلام عرب میں رائج معانی ہی دیکھے جائیں گے نہ کہ لفظ کے مادے کی تحقیق کر کے، اسے رائج معنوں سے پھیر کر بالکل نئے معانی پہنا دیے جائیں۔ چنانچہ وہ اپنے لیکچر" غلام احمد پرویز کی فکر" میں فرماتے ہیں:" کسی کلام کا متکلم جب اپنا مدعا بیان کرتا ہے تو اس میں یہ چیز کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ جو لفظ اس نے استعمال کیا اس لفظ کی تعریف کیا ہے۔ اس میں یہ چیز اہمیت رکھتی ہے کہ اس نے یہ لفظ جب استعمال کیا اُس وقت یہ کس معنی میں بولا جاتا تھا۔ جو محاورہ استعمال کیا اُس زمانے میں اس کا کیا مفہوم تھا۔" اگرچہ" خاتَم" کا لفظی ترجمہ" مہر" ہی ہے لیکن جیسا کہ ہم نے آیت کے سیاق وسباق سے واضح کیا ہے یہاں خَتَم کے معنی طَبَعَ کے ہیں یعنی نقش پیدا کرنا۔ آنحضور ﷺ کے لیے لفظ خاتَم میں ان کی اتباع میں فیوض اور برکات کے انتشار کی طرف اشارہ ہے جس پر سورہ النساء کی آیت 69 دلیل ہے۔ مزید لفظ خاتَم میں افضل اور اعلیٰ کا مضمون بھی ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ کلام عرب میں" خاتَم" کے مضاف کے ساتھ استعمال ہونے والے الفاظ کسی کا اعلیٰ ترین درجہ ظاہر کرنے کیلئے آتے ہیں۔ عرب خاتَم النبیین کے ہی محاورے پر مختلف لوگوں کو خاتَم الشعراء، خاتَم الحکماء، خاتَم الاَ ولیاء، خاتَم المحدثین، خاتم الحفاظ وغیرہ قرار دیتے آئے ہیں۔ جب وہ کسی کو یہ خطاب دیتے تو ان کا مدعا ہرگز یہ نہ ہوتا کہ یہ زمانے کے لحاظ سے آخری شاعر ہے اور اس کے بعد کوئی شاعر پیدا نہیں ہوگا بلکہ یہ مطلب ہوتا تھا کہ شاعری گویا اس پر ختم ہوگئی یعنی ایک شخص شاعری میں جو بلند ترین درجہ حاصل کر سکتا ہے وہ اس خاتم الشعراء نے حاصل کر لیا اور کوئی اس سے بڑھ نہیں سکتا۔ مثلاً آپ ﷺ نے فرمایا ہے:" میں خاتَم الانبیاء ہوں اور اے علی! تم خاتَم الاَ ولیاء ہو۔" لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد کوئی ولی نہیں آئے گا بلکہ یہ مطلب ہے کہ انھوں نے ولایت کا آخری درجہ پالیا۔ اسی طرح حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا ہے:" اے میرے چچا! بیشک آپ خاتَم المہاجرین ہیں جیسے میں خاتَم النبیین ہوں۔" اب ظاہر ہے حضرت عباس رضی اللہ عنہ دنیا کے آخری مہاجر تو نہیں ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا ہے:" بیشک میں آخِرِ الأنبیاء ہوں اور میری مسجد آخر المساجد ہے۔" اب ظاہر ہے اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ مسجد نبوی کے بعد کوئی مسجد تعمیر نہیں ہوگی کیونکہ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد سفرِ طائف میں بھی ایک مسجد تعمیر فرمائی اور آج تک مساجد تعمیر ہو رہی ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسجد نبوی اعلیٰ ترین مسجد ہے اور جیسے اس کے اتباع میں تمام مساجد تعمیر کی جائیں گی اسی طرح نبی ﷺ سب سے بلند درجہ نبی ہیں اور اب آپ ﷺ کے کامل متبعین میں سے ہی نبی آ سکتے ہیں۔ لہٰذا آیت مبارکہ کے الفاظ" خاتَم النبیین" کا درست مفہوم بھی یہی ہے اور لازم ہے کہ اس کی تفہیم میں عرب محاورے کو مدنظر رکھا جائے۔ پھر سیاق کلام بھی کوئی اور معنی قبول نہیں کرتا۔ یعنی آپ ﷺ آخری نبی ہیں لیکن درجے کے لحاظ سے نہ زمانے کے لحاظ سے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ جو دین آپ ﷺ لائے ہیں وہ اکمل ترین ہے لہٰذا کبھی منسوخ نہیں ہو سکتا اس طرح آپ آخری تشریعی نبی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ابن خلدون، ملا علی قاری، قاسم نانوتوی سمیت بہت سے اہل علم خاتم النبیین کے یہی معنی کرتے آئے ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ قرآن میں نظائر موجود ہیں کہ" خاتَم" کا مطلب seal ہی ہے stamp نہیں۔ واضح ہو کہ ہمارے تراجم میں اس کا ترجمہ seal ہی کیا جاتا ہے۔ غامدی صاحب کے مطابق اور نظائر واضح کرتے ہیں کہ" خاتم النبیین" کا مطلب ہے نبوت مہر بند ہو گئی ہے۔ جیسے" ختم علی قلوب" ہے جس کا مطلب ہے کہ دلوں پر مہر ہوگئی یعنی مہر بند ہو گئے۔ لیکن یہ استدلال اس لئے درست نہیں کیونکہ ایک تو سیاق وسباق اسے قبول نہیں کرتا دوسرا، ہم جانتے ہیں کہ ایک ہی لفظ مختلف مرکبات میں مختلف معانی اختیار کر لیتا ہے۔ مثلاً ہماری زبان میں ایک لفظ" انتقال" ہے جس کا مطلب ہے" منتقل ہونا"۔ جب" انتقالِ خون" بولتے ہیں تو یہی مطلب ہوتا ہے کہ" خون کی منتقلی" لیکن جب کہتے ہیں کہ فلاں شخص انتقال کر گیا ہے تو ہر شخص جانتا ہے کہ اس کا مطلب ہوتا ہے فلاں شخص مر گیا ہے۔ اس لئے جیسا کہ غامدی صاحب بھی مانتے ہیں کہ یہ بات اہمیت نہیں رکھتی کہ لفظ کی تعریف کیا ہے بلکہ یہ چیز اہمیت رکھتی ہے کہ اُس وقت لفظ کس معنی میں بولا جاتا تھا۔ لہٰذا ہم جانتے ہیں کہ" خاتم

النبیین" کلام عرب میں کس معنی میں بولا جاتا تھا۔غامدی صاحب فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے سے پہلے انبیاء پر تو مہر تصدیق stamp لگائی ہے لیکن اپنے بعد کسی نبی کی تصدیق نہیں کی۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلم میں جس مسیح کے نزول کی خبر دی ہے اسے چار مرتبہ "نبی اللہ" کہہ کر پکارا ہے۔اب آیئے احادیث مبارکہ کی طرف۔ غامدی صاحب "مبادی تدبر حدیث" میں تفہیم حدیث کا ایک اصول" قرآن کی روشنی میں" سمجھنا بھی بیان کرتے ہیں۔اب جبکہ قرآن تشریعی نبی کا آنا جائز نہیں رکھتا تو لامحالہ "لا نبی بعدی" کا بھی یہی مطلب ہوگا کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نئی شریعت والا نبی نہیں آسکتا لیکن غیر تشریعی نبی آسکتا ہے۔ابن قتیبہ، امام شعرانی، ابن عربی، ملاعلی قاری، امام طاہر گجراتی اور شاہ ولی اللہ سمیت بہت سے جلیل القدر علماء نے اس حدیث کے یہی معنی کئے ہیں۔اب آتے ہیں بخاری کی حدیث کی طرف جس میں بیان ہوا ہے نبوت میں سے کچھ باقی نہیں بچا سوائے رؤیا صالحہ کے۔اس سے غامدی صاحب نتیجہ نکالتے ہیں کہ وحی و الہام سب ختم ہو گیا۔ حالانکہ "مبادی تدبر حدیث" میں غامدی صاحب نے "موقع و محل" اور "احادیث باب پر نظر" کے اصول بھی لکھے ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ تنہا کسی حدیث سے کوئی حتمی نتیجہ برآمد نہیں ہوسکتا کیونکہ اکثر اوقات حدیث کا سیاق و سباق اور موقع ومحل سامنے نہیں ہوتا جس کی وجہ سے غلطی کا اندیشہ رہتا ہے۔اس لئے اس باب کی تمام احادیث کو سامنے رکھ کر کوئی نتیجہ برآمد کیا جائے گا۔لیکن ختم نبوت کے باب میں ایسا لگتا ہے کہ غامدی صاحب اپنے ان اصولوں کو بھی جو درحقیقت زریں اصول ہیں، نظرانداز کر دیتے ہیں اور ایک ہی حدیث سے اتنا بڑا نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں۔اس باب کی کسی حدیث سے ان کے موقف کی تائید نہیں ہوتی لہٰذا ضروری ہے کہ یہ حدیث قرآن اور دیگر احادیث کی روشنی میں سمجھی جائے۔ چنانچہ "الا المبشرات" سے واضح ہے کہ رؤیا صالحہ بھی دراصل نبوت ہی ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں اسے نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا گیا ہے۔اس سے بھی واضح ہوا کہ نبوت مکمل طور پر منقطع نہیں ہوئی بلکہ مبشرات پر مشتمل نبوت جاری ہے جس کی ایک مثال کے طور پر رؤیا صالحہ کو بیان فرمایا گیا ہے۔اب اس بات کو دیکھتے ہیں کہ کیا حضرت مسیح موعود نے مشاورت سے دعویٰ مثیل مسیح کیا؟ غامدی صاحب نے جس خط کا حوالہ دے کر یہ نتیجہ نکالا ہے وہ 24 جنوری 1891 کا ہے جو" مکتوبات جلد پانچ" میں 61 نمبر خط ہے جبکہ حضرت صاحب کی کتاب فتح اسلام جس میں مثیل مسیح کا دعویٰ کیا گیا ہے اس خط سے کم از کم دو ہفتے پہلے ہی چھپ چکی تھی دیکھئے اس کتاب کے بارِاول کا ٹائٹل۔اس کے علاوہ دیکھئے خط نمبر 60 جو 20 دسمبر 1890 کا ہے جس کے مطابق 20 دسمبر سے بھی پہلے ''فتح اسلام'' تالیف کے تمام مراحل سے گزر کر پرنٹنگ پریس میں بھی پہنچ چکی تھی۔ اب دیکھئے غامدی صاحب جو ایک شریف النفس اور سراسر علمی شخصیت ہیں معاندین احمدیت کے بے بنیاد اعتراضات کو معتبر جان کر کس قدر فاش غلطی کر گئے ہیں۔اب آیئے غامدی صاحب کے اس اعتراض کی طرف کہ مرزا صاحب بھی ایک صوفی ہی تھے اور گزشتہ صوفیاء ہی کی طرح اوراد، وظائف اور چلّے کرتے رہے اور صوفیاء ہی کی طرح الہام وکشف، نبوت، حقیقت محمدیہ وغیرہ جیسے دعوے کرتے رہے لہٰذا انھوں نے کوئی نئی بات نہیں کی۔ یہ اعتراض تو ایسا بے بنیاد ہے کہ اس کے رد کیلئے بہت صاحب علم ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔تصوف کے مختلف سلسلے بھی سب کے سامنے ہیں اور سلسلہ احمدیہ بھی۔ایک عامی بھی بتا سکتا ہے کہ دونوں میں کوئی مماثلت نہیں۔مثلاً تصوف کے تمام سلسلے انہی یوگا نما ریاضتوں کی تاکید اپنے سلسلے میں شامل ہونے والوں کو کرتے ہیں اور اسی قسم کی ذکر کی محفلیں یہ لوگ لگاتے ہیں۔دوسری طرف سلسلہ عالیہ احمدیہ ہے۔ہماری تمام ریاضتیں اور چلّے نماز وروزہ سے شروع ہوتے ہیں اور انہی پر ختم ہوجاتے ہیں۔نوافل میں زیادہ زور تہجد پر رہتا ہے۔یہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وظائف اور چلے تھے اور اسی کی تاکید انھوں نے اپنی جماعت کو کی ہے۔حضور علیہ السلام نے تصوف کی غلط باتوں پر تنقید بھی کی ہے مثلاً وحدت الوجود، بدعتی اورادو وظائف اور چلّے، طبلہ سارنگی سے مزین متصوفانہ ''ذکر'' کی محافل وغیرہ۔لیکن جو بہت سی درست باتیں تصوف میں موجود ہیں ان کی پذیرائی بھی فرمائی ہے۔ جہاں تک" حقیقت محمدیہ" کا تعلق ہے تو رسول اللہ ﷺ کا کامل متبع جو فنافی الرسول کے درجے پر پہنچ جائے، اس کی ذات میں ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد مصطفٰی ﷺ کی ذات کا عکس ظاہر ہوتا ہے، اسی کو صوفیاء نے ''حقیقت محمدیہ'' کا نام دیا ہے اور اسی کے حصول کی تعلیم قرآن دیتا ہے۔جیسا کہ آیت کا مفہوم ہے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری (رسول اللہ ﷺ کی) پیروی کرو خدا بھی تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا۔ دیکھئے اسی اتباع رسول ﷺ میں فنا ہوجانا ہی تو حقیقت محمدیہ ہے۔ہاں البتہ یہ درست ہے کہ تصوف کی بعض اصطلاحیں مثلاً ''ریاضت، چلاّ، قطب، ابدال'' وغیرہ استعمال کی گئی ہیں لیکن اس سے یہ دھوکا نہیں کھانا چاہیئے کہ یہ بعینہ وہی چیزیں ہیں جو بہت سے صوفیاء مختلف بدعتوں کی صورت میں مانتے آئے ہیں۔ بلکہ حضور علیہ السلام

نے تمام بدعتی رسوم وعقائد پر شدید نقد کی ہے۔شاید انہی اصطلاحات کے استعمال کی وجہ سے غامدی صاحب کو بھی دھوکہ لگا ہے۔صوفیاء کے دعووں کی نوعیت مرزا صاحب کے دعووں سے بہت مختلف ہے۔ان کے دعوے الہام وعرفان کے تو رہے ہیں لیکن کسی ایک نے بھی مسیح ومہدی اور نبی اللہ ہونے کا دعوٰی نہیں کیا۔اور یہ بھی نری خام خیالی ہے کہ مرزا صاحب نے تو نبوت کا دعوٰی نہیں کیا تھا لیکن خلیفہ ثانی نے بات بڑھادی۔حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد ایک بڑی تعداد صحابہ کی موجود تھی جن کی اکثریت خلیفہ ثانی کے ساتھ کھڑی تھی۔تکفیر امت کے متعلق بھی آپ کو غلط فہمی ہے، ہم کسی کلمہ گو کی تکفیر نہیں کرتے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: توبہ، استغفار وصول الی اللہ کا ذریعہ ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا پوری کوشش سے اُس کی راہ میں لگے رہو منزلِ مقصود تک پہنچ جاؤ گے۔اللہ تعالیٰ کو کسی سے بُخل نہیں۔آخر انہیں مسلمانوں میں سے وہ تھے جو قطب اور اَبدال اور غوث ہوئے۔اب بھی اُس کی رحمت کا دروازہ بند نہیں۔قلبِ سلیم پیدا کرو، نماز سنوار کر پڑھو، دُعائیں کرتے رہو، ہماری تعلیم پر چلو، ہم بھی دُعا کریں گے۔یاد رکھو! ہمارا طریق بعینہٖ وہی ہے جو آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ کا تھا۔آج کل فقراء نے کئی بدعتیں نکال لی ہیں۔یہ چلّے اور وِرد وظائف جو انہوں نے رائج کر لئے ہیں۔ہمیں ناپسند ہیں۔اصل طریقِ اسلام قرآنِ مجید کو تدبّر سے پڑھنا اور جو کچھ اس میں ہے اُس پر عمل کرنا اور نماز توجّہ کے ساتھ پڑھنا اور دُعائیں توجّہ اور انابت الی اللہ سے کرتے رہنا۔بس نماز ہی ایسی چیز ہے جو معراج کے مراتب تک پہنچا دیتی ہے۔یہ ہے تو سب کچھ ہے!

(ملفوظات جلد پنجم:432،431)







صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام جاننے کے آسان طریقے (عاصی صحرائی)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی بعض کتب میں اپنے مسیح و مہدی ہونے کا اعلان کرتے ہوئے حق کی تلاش کرنے والے علماء وصلحاء اور عوام الناس کو اس طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ بلا وجہ تکفیر کے فتوے لگانے یا عوام الناس کو بغیر سوچے سمجھے علماء کے پیچھے چلنے کے بجائے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنی چاہئے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ خالی الذہن ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کریں تو یقیناً اللہ تعالیٰ رہنمائی فرمائے گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی ایک کتاب ''نشانِ آسمانی'' میں یہ طریق بھی بتایا ہے کہ توبۃ النصوح کر کے رات کو دو رکعت نماز پڑھو۔ پہلی رکعت میں سورۃ یٰسین پڑھے، دوسری رکعت میں اکیس مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھے، پھر بعد اس کے تین سو مرتبہ درود شریف اور تین سو مرتبہ استغفار پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مدد چاہے کہ تُو پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے، اس شخص کے بارے میں مجھ پر حق کھول دے۔

پھر اس میں آپ نے دوبارہ یہ تاکید فرمائی ہے کہ اپنے نفس سے خالی ہو کر یہ استخارہ کرنا شرط ہے۔لیکن اوّل تو توبۃ النصوح ہی بہت بڑی کڑی شرط ہے۔اس پر عمل ہی کوئی نہیں کرتا اور خاص طور پر علماء تو بالکل ہی نہیں کر سکتے۔

آپ نے فرمایا کہ اگر دل بُغض سے بھرا ہوا اور بدظنی غالب ہو تو پھر شیطانی خیالات ہی آئیں گے۔بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہم بہت دعا کرتے ہیں ہمیں تو کوئی سچائی نظر نہیں آئی۔تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر دل میں ہی کینہ بھرا ہوا ہے، بُغض بھرا ہوا ہے تو پھر شیطان نے رہنمائی کرنی ہے۔پھر خدا تعالیٰ رہنمائی نہیں کرتا۔

(ماخوذ از نشان آسمانی روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 401,400)

اسی طرح علماء اور صلحاء کو خاص طور پر اپنی کتاب ''کتاب البریہ'' میں مخاطب ہو کر اللہ تعالیٰ سے مدد چاہنے کی تجویز دی۔

(ماخوذ از کتاب البریہ روحانی خزائن جلد نمبر 13 صفحہ 364)

(بحوالہ خطبہ جمعہ 29 اپریل 2011ء)

مولوی الیاس گھمن کا قضیہ، کیا حقیقت کیا فسانہ

سید عبدالوہاب شیرازی عالم دین





یہ معاملہ انتہائی سنگین اور گھمبیر صورتحال کی طرف جارہا ہے۔ اگر ایک طرف معروف ومشہور شخصیت ہے تو دوسری طرف پورا خاندان ہی پوری دنیا کا مشہور ومعروف حسنی سید خاندان ہے۔مفتی زین العابدین رحمہ اللہ جن کا نام بانی تبلیغی جماعت مولانا الیاس رحمہ اللہ کے بعد پاکستان سے بیرون پوری دنیا میں تبلیغ کی محنت کو زندہ کرنے والے بانی کے طور پر مشہور ہے۔جنہوں نے اپنی زندگی میں باون (52) حج کیے۔ یہ بات لکھنا اور منہ سے کہنا آسان ہے ورنہ جو ایک بار حج کرلے ساری زندگی حاجی صاب کہلاتا ہے۔مفتی صاحب کے یہ سارے حج کے سفر دراصل تبلیغی محنت کو زندہ کرنے اور پوری دنیا سے آئے ہوئے حاجیوں کے مکہ میں تبلیغی جوڑ کے سلسلے میں ہوتے تھے چنانچہ اس طرح انہوں نے پوری دنیا میں پچاس ساٹھ سال محنت کرکے تبلیغ کی محنت کو زندہ کیا۔ پھر جس خاتون کا معاملہ ہے وہ ان کی واقعتا چہیتی اور لائق بیٹی ہیں، بلکہ فیصل آباد میں تبلیغ کی محنت سے جڑی خواتین کی امیر بھی ہیں۔ہندوستان کے تبلیغی بزرگان سمیت حاجی عبدالوہاب صاحب جب بھی فیصل آباد آتے اپنی اس بچی کے گھر بھی ضروری آتے تھے۔

یہ معاملہ تقریبا تین سال پرانا ہے،اس معاملے کا مجھے ایک ہفتہ قبل ایک پوسٹ سے پتا چلا، جس میں مولانا الیاس گھمن صاحب کو برا بھلا کہا گیا تھا۔چنانچہ غیرت ایمانی کا تقاضا سمجھتے ہوئے میں نے پوسٹ لکھنے والے سے میسج میں بحث شروع کردی۔چونکہ اس شخص کا تعلق میری معلومات کے مطابق جماعت اسلامی سے تھا تو جماعت اسلامی کے ذمہ داران کو بھی شکایت کی کہ آپ کی جماعت کا بندہ علماء کے خلاف اس طرح پروپیگنڈہ کررہا ہے اسے منع کریں۔ چنانچہ ان صاحب نے مجھے میسج میں کچھ خطوط،استفتاء اور اس کے جواب میں مفتی زرولی خان صاحب کا فتوی۔ ہندوستان کے مشہور عالم مولانا ابوبکر غازی پوری کا خط اور مولانا سلیم اللہ خان صاحب کا جواب۔اور وفاق کے میگزین کا اشتہار بھیج دیا۔ان صاحب کو جواب دینے کے لئے اب میرے پاس کچھ نہیں تھا۔چنانچہ اب اس معاملے کی تحقیق کے لئے فریقین سے رابطہ کرنے کا ارادہ کیا۔

سب سے پہلے میں نے الیاس گھمن صاحب کے سیکرٹری سے رابطہ کیا تو انہوں نے جواب دیتے ہوئے کہا یہ بات مجھ سے پوچھنے کی نہیں۔میں نے کہا اس کا مطلب ہے میں اسے سچ سمجھوں تو تب انہوں نے کہا کہ بھیا یہ پروپیگنڈا ہے۔

اس کے بعد میں نے دوسرے فریق سے رابطہ کرنے کا فیصلہ کیا، چونکہ مفتی صاحب کی بیٹی سے میری وائف کا پرانا تعلق تھا (ہمارا اور ان کا خاندان ایک ہی یعنی سید ہے)البتہ کافی عرصہ سے کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا، آخری بار رابطہ الیاس گھمن صاحب کی شادی کی مبارک باد دینے کے لئے ہوا تھا۔اس لئے تین چار گھنٹے کی سرتوڑ کوشش کے بعد وائف کا بذریعہ فون رابطہ ہوگیا۔ چنانچہ سب سے پہلے فیس بک پر گردش کرتے خط کے بارے پوچھا تو مفتی صاحب رحمہ اللہ کی بیٹی نے اس خط کی تصدیق کی کہ وہ میرا ہی خط ہے اور میں نے ہی یہ خط مفتی زرولی خان صاحب کو فتویٰ پوچھنے کے لئے بھیجا تھا۔اور اسی طرح کے خطوط کراچی، لاہور ملتان، فیصل آباد، راولپنڈی، اسلام آباد، اکوڑ خٹک بھی بھیجے گئے تھے۔اب مجھے نہیں معلوم یہ زرولی صاحب والا فتویٰ اتنے عرصے بعد کس نے فیس بک پر دے دیا، میں اگر چاہتی تو دو سال پہلے ہی میڈیا کو بلا کر رسوا کردیتی لیکن میں نے تو اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کیا ہوا ہے، اللہ خود انتقام لے گا۔خواتین کی اس تفصیلی گفتگو کو میں نے خود سنا۔اس گفتگو میں انہوں نے ایک اور بات بھی بتائی کہ میرے یتیم بچوں کا مکان بھی بیچ کر مدرسے کی تعمیر میں لگوادیا تھا اب میں کرائے کے مکان میں رہتی ہوں۔

بہرحال اس کے دو دن بعد یعنی کل مفتی ریحان کا ایک مضمون سوشل میڈیا پر گردش کرنے لگا۔ چونکہ کئی باتیں مجھے خود اس خاتون کے ذریعے معلوم ہوچکی تھیں اس لئے جب اس مضمون کو پڑھا تو آدھے سے زیادہ باتیں وہی تھیں جو خاتون

نے بتائی تھیں البتہ کچھ باتیں نئی تھیں، مثلاً دولڑکوں والا معاملہ۔اسی طرح گھریلو ملازمہ والا معاملہ۔

چنانچہ آج پھر دوبارہ مفتی ریحان کے بارے تحقیق شروع کی تو خاتون کا کہنا تھا میں اسے نہیں جانتی کون ہے۔اور نہ ہی لڑکوں والے معاملے کی تصدیق یا تردیدکی۔

مضمون میں مردان کی جس خاتون کا ذکر کیا گیا ہے مفتی صاحب کی بیٹی نے اس کی بھی تصدیق کی اور بتایا کہ پٹھانوں نے قتل کی دھمکی دی تھی اور کہا تھا ہم بولی نہیں گولی کی زبان سمجھتے ہیں۔، البتہ معافی والی بات صرف مضمون میں ہی لکھی ہوئی ہے۔

چونکہ یہ معاملہ دوسال پرانا ہے اس لئے اس دوران علماء کے اندر ہی اندر کئی حالات وواقعات پیش آئے، بے شمار ایسے علماء جو مولانا الیاس گھمن کی جماعت کے تھے انہیں چھوڑ گئے۔ وہ جید اور ممتاز علماء کرام جو الیاس گھمن صاحب کی جماعت کے سرکردہ رکن تھے اور اب دوتین سال کے دوران ایک ایک کر کے گھمن صاحب کو خداحافظ کہہ چکے ہیں یہ ہیں:

(1)مولانا منیر احمد منور۔(2)مولانا انور اوکاڑوی۔(3)علامہ عبدالغفار ذھبی۔(4)مولانا محمود عالم صفدر(5)مولانا عبدالشکور حقانی۔(6)مولانا عبداللہ عابد۔(7)مولانا شفیق الرحمان(8)مولانا محمد رضوان عزیز۔(9)مولانا مقصود احمد(10)مولانا محمد عرفان بھیروی۔(11)مولانا محمد بلال جھنگوی۔(12)مولانا عبداللہ معتصم۔(13)مولانا عبدالغنی طارق۔(14)مولانا امداد اللہ انور۔(15)قاری محمد رفیق صاحب جدہ۔(16)قاری محمد اسامہ رفیق جدہ۔(17)ڈاکٹر محمد الیاس فیصل مدینہ منورہ۔(18)مولانا محمد ابوبکر اوکاڑوی۔(19)مولانا شاھد طوفانی۔(20)مولانا انصر باجوہ(21)مولانا محمد بلال منڈی بہاؤالدین۔(22)شیخ سجاد الحسن الحجانی مردان

یہ تمام حضرات ان کے جماعت کے تھے اور معاون بھی تھے ان سب حضرات نے گھمن صاحب سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور ان کے ہر قسم کے قول و فعل سے اعلان برأت کر چکے ہیں۔اس لسٹ میں چند نہایت ہی نامور شخصیات ہیں جنہیں ہر آدمی جانتا بھی نہیں۔

اس کے علاوہ مولانا سلیم اللہ خان اور وفاق المدارس کا اعلان برات تو وفاق کے میگزین میں آپ نے دیکھ لیا ہوگا۔

اب جہاں تک اس معاملے کی حقیقت کا ذکر ہے تو خاتون کی طرف سے تو مکمل خاموشی ہے جیسا کہ انہوں نے فون پر کہا بھی کہ میں نے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کیا ہوا ہے اللہ خود انتقام لے گا میں تو دوسال سے خاموش ہوں،بس اپنے رب سے اس معاملے میں رابطہ ہے۔جبکہ دوسری طرف احناف میڈیا سروس کے لوگ پوری طرح گالم گلوچ کی تیروں اور برچھوں سمیت مختلف پوسٹوں پر کمنٹ کر رہے ہیں۔کبھی کہتے ہیں یہ عورت کئی مردوں سے دوستی رکھتی تھی اور کبھی کہتے ہیں اس نے چالیس لاکھ روپے مانگے تھے جس سے اختلاف پیدا ہوا۔اور کبھی کہتے ہیں اس واقعہ کی کوئی حقیقت نہیں ایسا کچھ نہیں ہوا یہ مماتیوں کا پروپیگنڈا ہے۔

ہمارے لئے اس میں یہ ہے کہ سنی سنائی باتوں پر کان نہ دھریں۔ یہ وہ حقیقت ہے جو ایک متاثرہ فریق سے براہ راست خود معلوم کی گئی ہے۔اب آگے کا معاملہ وفاق المدارس اور اکابرین کے حل کرنے کا ہے۔بعض لوگ کہہ رہے ہیں کہ علماء کی بدنامی ہو رہی ہے اسے دبا دینا چاہیے۔ بھائی دبانے سے بدنامی ختم نہیں ہوتی۔آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے سپیکر کی حرمت پر جو فتویٰ دیا گیا تھا وہ آج تک سیکولر اور لبرل لوگ علماء کو طعنے دے رہے ہیں کہ تم تو وہ ہو جنہوں نے سپیکر کو حرام قرار دیا تھا۔حالانکہ ایک صدی سے بھی پرانا واقعہ ہے،اسی طرح یہ واقعہ بھی اگر اسی طرح چھوڑ دیا گیا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے الزام دینے کے لئے باقی رہے گا۔اکابرین دونوں فریقوں کا موقف سننے کے بعد مجرم کا تعین کریں۔وہ کوڑے تو نہیں لگا سکتے لیکن تعین کر کے بتا تو سکتے ہیں کہ فلاں مجرم ہے اس کا علماء سے کوئی تعلق نہیں۔جرائم معاشرے کا حصہ ہوتے ہیں ہوتے رہتے ہیں لیکن اگر جرم کی سزا مل جائے تو دھبے دھل جاتے ہیں ورنہ ہمیشہ یاد باقی رہتی ہے۔

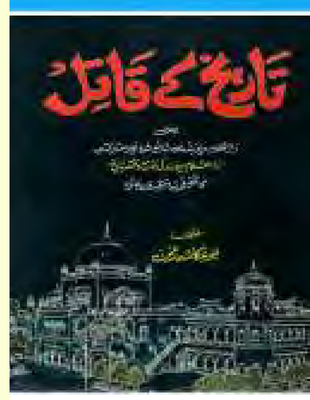
اللہ تعالیٰ ہم سب کی شیطان کے شر سے حفاظت فرمائے۔





”دارالعلوم دیوبند مر رہا ہے“

مضمون نگار شاہین چوہدری



یقین کیجئے یہ الفاظ نہ ہی میرے ہیں اور نہ کسی دیوبند کے مخالف مسلک والے کے ہیں۔ بلکہ یہ الفاظ خود اہالیان دیوبند اور والیان دیوبند کے ہیں۔گزشتہ سال دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور شوریٰ کے ممبران کی تصدیقکے ساتھ ” دارالعلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ“ کے عنوان سے تاریخِ دیوبند شائع کی گئی تھی۔ دیوبندی حضرات اور ان کی تبلیغی جماعت کے جھگڑے ایک امیر پر بھی متفق نہ ہو سکنا، ایک دوسرے کے اجتماع پر ڈنڈوں سوٹوں سے حملے کرنا اور قتل تک کی نوبت پہنچ جانا۔ایسے واقعات تو آئے روز اخبارات کی زینت بنتے ہی رہتے تھے اس لئے بارہا نظروں سے گزرے لیکن ان کے اندر آپس میں اس قدر گہری نفرت ہو گی، اتنی خوفناک گروپبازی ہوگی، اور اتنی زیادہ دنیاداری اور سیاست راہ پا چکی ہوگی یہ تو میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ دیوبند اور آل دیوبند اس وقت کتنے خانوادوں اور گروپوں میں تقسیم ہیں، دیوبند کے ذریعہ قومی اسمبلیوں تک پہنچنے کے لئے کیسی کیسی سازشوں کے تانے بانے بنے جاتے ہیں یہ مجھے اس کتاب کا جواب پڑھ کر اندازہ ہوا۔

یونہی دیوبند کے مہتمم صاحب اور شوریٰ کی طرف سے تاریخ شائع کی گئی مخالف گروپ فوری میدان میں آ گیا انہوں نے دیوبند کو مقبوضہ دیوبند اور مہتمم صاحب کو قابض گروپ قرار دے کر فوری اس کے جواب میں 864 صفحات پر مبنی دیوبند کی تاریخ بعنوان ” تاریخ کے قاتل“ کے نام سے شائع کر دی۔ یہ کوئی کتاب نہیں بلکہ پہلی کتاب پر محاکمہ ہے۔اس لئے کتاب کا عنوان یوں ہے ۔” تاریخ کے قاتل یعنی دارالعلوم دیوبند سے شائع شدہ غیر معتبر کتاب دارالعلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ“

جنوری 2019 میں شائع ہونے والی اس تاریخ کے مصنف دیوبند کے ہی فارغ التحصیل ایک مفتی جناب ابوعکاشہ رحمٰن صاحب ہیں۔

آغاز ہی میں ص 9 پر عنوان” تاریخ کے قاتل“ کے نیچے لکھا ہے” دارالعلوم دیوبند کی جامع ومختصر تاریخ “ کے نام سے جو کتاب دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور شوریٰ کے ممبران کی تصدیق کے بعد شائع ہوئی ہے اسمیں کتاب کے مرتب نے تاریخ کے ساتھ جو وحشیانہ سلوک کیا ہے کہ اسے” تاریخ سے کھلواڑ“ کا عنوان دینا بات کو ہلکا کرنے کا مترادف ہوگا۔ فاضل مرتب نے تاریخ کو نہ صرف مسخ کیا ہے بلکہ کہا جائے تو تو تاریخ کو قتل کر دیا ہے۔ بلاشبہ کتاب کے مرتب کے ساتھ ساتھ اس کو شائع کرنے کی اجازت دینے والے تاریخ کے قاتل ہیں۔

پھر ص 26 سے کتاب شروع ہوتی ہے اور عنوان لگا ہے کہ” دارالعلوم مر رہا ہے“ آگے وضاحت میں لکھا ہے” ہمارا عنوان نہ صرف صحیح ، برمحل، اور مبنی برصداقت ہے۔ بلکہ وہ دارالعلوم کی جانکنی اور نزع کی کیفیات کو پورے زور اور وزن کے ساتھ ظاہر کرنے کے لئے بہت ہی ہلکا ہے۔“

ص 36 پر دیوبند کی لاش کا نوحہ لکھتے ہوئے کہا گیا ہے” بلاؤ غسالوں اور کفن دوزوں کو، بچی کچھی عظمت، غیرت، حمیت، خودداری، وقار، شرم ولحاظ اور زندہ ضمیری کا لاشہ انتظار میں ہے۔کہو فاتحہ خوانوں سے سج بن کر آ جائیں، پکارو محرم کا بین کرنے والوں کو جنازہ تیار ہے۔اب اس خاک سے کوئی قاسم کوئی محمود نہیں اُٹھے گا اب یہاں فقر نہیں فقیری ہے عجز نہیں بزدلی ہے۔ ابوالوقتی نہیں ابن الوقتی ہے۔

ص 37 پر مولانا حسین احمد مدنی کے بیٹے اسد مدنی صاحب جنھوں نے اسلحہ بردار جتھے کے ساتھ حملہ کیا اور مولانا قاسم نانوتوی کے خاندان کو باہر نکال کر دیوبند پر قبضہ کر لیا تھا ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے” 1980 کے بعد مولوی اسعد مدنی کی ریشہ دوانیوں اور دارالعلوم پر ان کے قبضے کی پوری تاریخ بیان کی جائے۔ کیونکہ مورخ کا قلم چاپلوسی کی سیاہی سے نہیں بلکہ حق بیانی کی روشنائی سے چلتا ہے لیکن آج کے اس مفاد پرست دور میں حق گو ہیں ہی کتنے ۔ اور جو ہیں وہ اس پوزیشن میں نہیں کہ مدنی گروپ کے انتقام کی فکر سے آزاد ہو کر حق بیانی سے کام لے سکیں۔سبھی کے ذہنوں پر ٹانڈوی دہشت کے سائے ہیں“

ص 49 پر عثمانی خاندان کی مدد سے قاسم نانوتوی کے پوتے قاری طیب کو دیوبند کا مہتمم بنانے کا جھگڑے کا حال درج ہے ہوا جس پر انور شاہ کشمیری، مفتی عزیز الرحمٰن، علامہ شبیر عثمانی، مولوی بدر عالم میرٹھی، مولوی حفظ الرحمٰن سیو ہاروی، مفتی عتیق الرحمٰن وغیرہ دیوبند چھوڑ کر چلے گئے اور ان لوگوں نے ڈابھیل گجرات جا کر اپنا الگ سے مدرسہ کھول لیا۔ یہ گویا دیوبند میں گروپ بازی کا آغاز تھا قاری طیب صاحب لمبا عرصہ تک دیوبند کے مہتمم رہے یہاں تک کہ 23 مارچ 1982 میں مولانا حسین احمد مدنی کے بیٹوں نے ایک طرف خود دیوبند کے طلباء میں بغاوت کرادی اور دوسری طرف ایک بڑے مسلح جتھے کے ساتھ دیوبند پر حملہ کر دیا۔ قاری طیب صاحب نے مولوی انور شاہ کشمیری کے بیٹے مولوی انظر شاہ کشمیری سمیت بھاگ کر جان بچائی۔

ص 59 پر دیوبند کے مورخ جناب حافظ محمد صاحب کے کردار پر تبصرۃ لکھا ہے" ایک جھوٹے، کاذب، اور خائن کو دارالعلوم دیوبند کے موجودہ مہتمم کس دیدہ دلیری کے ساتھ تاریخ مرتب کرنے کا کام دے چکے ہیں"

ص 147 پر مولوی حسین مدنی اور ان کے خاندان کے بارے میں لکھا ہے اعتکاف کا مینا بازار لگانے والے حرص و ہوا کے ان بندوں نے دیوبند کی عزت کو پامال کیا" مولانا مدنی کا سیاسی مزاج فقط آپ تک محدود نہ رہا بلکہ نسلاً بعد نسل آج تک اس مدنی خاندان میں منتقل ہوتا آ رہا ہے۔ مولوی اسعد مدنی کی سیاسی سرگرمیوں سے کون واقف نہیں کہ دارالعلوم کی عزت کو بٹہ لگانے والے اور اس کی علمی قدروں کو پامال کرنے والے یہی سیاسی دماغ کے مالک حضرت تھے۔ اس کے علاوہ مولوی ارشد مدنی ہوں یا محمود مدنی جتنی دلچسپی ان حضرات کو سیاست اور اعتکاف کے مینا بازار لگانے میں ہے اتنی علم دین کے فروغ کی نہیں"

ص 148 پر مدنی خاندان غنڈہ خاندان ہے اور ان کی غنڈہ گردی کی تفصیل درج کی گئی ہے۔ لکھا ہے کہ" 1980 میں مولوی اسعد مدنی صاحب کی ریشہ دوانیوں نے زور پکڑا تو دیوبند کے حالات بد سے بدتر ہونے شروع ہو گئے۔ یہاں تک کہ دارالعلوم کی تاریخ میں وہ تاریک دن آیا جب 23 مارچ 1982 کو مولوی اسعد مدنی صاحب اور ان کے گروپ کے لوگوں نے بالکل غنڈوں کی طرح زور آوری سے دارالعلوم پر قبضہ کر لیا۔ وہ دن اور آج کا دن دارالعلوم دیوبند اپنی قدیم عظمت سے دن بدن دور ہوتا چلا گیا۔ علم اور تربیت اسدرجہ انحطاط پذیر ہیں کہ آج دارالعلوم دیوبند کے فارغ اپنے نام کے ساتھ قاسمی تو لگاتے ہیں لیکن ان کے معاملات ان کا انداز اور ان کا علم کس درجہ پستی میں اترا ہوا ہے یہ ان سے گفتگو کر کے فوراً معلوم ہو جاتا ہے۔

ص 149 اب دیوبند میں کوئی خاندانی استاد نہیں بلکہ گرے پڑے لوگ رہ گئے ہیں۔ تفصیل اس طرح سے دی گئی ہے کہ" دھیرے دھیرے اچھے اور خاندانی اساتذہ رخصت ہوتے چلے گئے۔ اور چاپلوس قسم کے غیر اشرف وغیر انسب ایسے استاد رکھے جانے لگے جو خوف خدا میں نہیں خوف اسعد میں ملازمت کرتے ہیں۔ گزشتہ 35 سالوں میں کوئی ایک بھی تو ایسا عالم دین دنیا کو نہیں دیا جس سے دنیا مستفیض ہو سکے۔۔ ہاں اگر دارالعلوم نے دنیا کو اس 35 سال کے عرصہ میں دیا ہے تو یہ غیر معتبر تاریخ مرتب کرنے والے نا اہل مرتب اور کاروباری نیت سے شروحات لکھ کر خود چھاپ کر پیسہ کمانے والے تاجر اساتذہ۔۔ جب کھیتوں میں ہل چلانے والے اور کپڑا بننے والے لوگ اساتذہ کی مسند پر آ جائیں اور اسی طرح غیر انسب وغیر اشرف گھرانوں کے لڑکے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے لگ جائیں تو زوال یقینی ہو جاتا ہے۔ یہی ہو رہا ہے یہاں بھی۔"

ص 158 پر تاریخ کی تفاصیل کے بعد تبصرہ کیا گیا ہے کہ دیوبند اب زوال کی لامتناہی پستیوں میں گر گیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ "اس وقت ہماری تحریر پڑھ کر نہ جانے کتنے ہونگے جو ہمیں گالیاں دے کر ہمارے نامہ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ کر رہے ہونگے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دارالعلوم کی تاریخ میں انحطاط وزوال کی لامتناہی پستیوں کا ایسا سلسلہ شروع ہوا ہے کہ آج دیوبند کسی بھی کام کا نہیں رہا۔"

ص 162 پر طلبہ دیوبند کے پان بیڑی کھانے اور لہو لعب کی داستان لکھنے کے بعد انتہائی دکھی الفاظ میں لکھا گیا ہے کہ" بیڑی پیتے، ہوئے، پان مسالہ منہ میں دبائے ہوئے اسلامی تاریخ کے سب سے برے دور کا بدترین نمونہ حیف صد حیف۔ عزیز طلبہ یہ فلمیں، یہ میچ، یہ جھوٹی خبروں کی بے سود بحثیں،، یہ واٹس ایپ اور یہ یوٹیوب سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔"

ص 249 دیوبندی تاریخ پر لمبی سیر حاصل بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھا ہے کہ جو دیوبند کی قسمت میں روسیاہی لکھ دی گئی ہے اب اسے کوئی نہیں مٹا سکتا۔ لکھا ہے" جو روسیاہی مقدر ہو چکی تھی اسے نہ مفتی صاحب کی کوئی تدبیر روک سکی، نہ علمائے کرام کی وقعت ووقار کا پہاڑ ریت کا ٹیلہ بننے سے بچا سکا۔ دین کے تقویٰ کے نمائندوں نے اپنے ہی بزرگوں کی رسوائی اور اپنے اسلاف کی روسیاہی کا جو ثبوت اور سرمایہ فراہم کیا اس پر کون یہ کہنے سے باز رہ سکتا ہے تفو برتو اے چرخ گرداں تفو

ص 254 پر مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کی اپنی وفات سے قبل دیوبند اور آل

دیو بند کے جھگڑوں ،گروپ بازیوں اور پگڑیاں اچھالنے کی بدرسوم پر گلوگیر تبصرہ درج ہے لکھا ہے" رات کے جلسہ میں لوگوں نے تقریر کے لئے اصرار کیا تو بڑی مشکل سے کرسی پر آئے اور گلوگیر آواز میں فرمایا آج جب کہ دارلعلوم دیو بند نرغہ داروگیر میں پھنسا ہوا ہے۔ آخر ہم آپ کے سامنے کیا عرض کریں؟ جب ہم جیسے جبہ ودستار رکھنے والے علماء خود انانیت کے لئے دیو بند کی عظمت کو تج کر رکھے ہیں ان حالات میں ہم کس منہ سے نصیحت کریں۔"

ص 338 سے لے کر 424 تک انتہائی دل آزار سازشوں کی تفاصیل درج ہیں۔ مفتی عتیق الرحمٰن صاحب دیو بند سے روٹھ گئے اور اپنی سیاسی پارٹی بنالی مجلس مشاورت۔ اور پھر سوئے قسمت سے جناب عامر عثمانی صاحب ایڈیٹر تجلی کے کہنے پر دیو بند میں جلسہ رکھ لیا۔ آگے کی تفاصیل بہت وحشت ناک ہیں قرآن کی تلاوت کے دوران کتے کی آوازیں ہوٹنگ اور ڈانس اور اس کے بعد بلوہ۔ مولوی منظور نعمانی صاحب کی طلبہ نے جوتوں سے پٹائی، مفتی عتیق الرحمٰن صاحب سمیت سب مقررین نے بھاگ کر جان بچائی۔ دیو بند کے طلبہ نے اپنے ہی اساتذہ کو جس طرح بے عزت کیا وہ تاریخ کا سیاہ باب ہے۔ اس پر عامر عثمانی صاحب نے اپنے رسالہ تجلی میں بھی سینکڑوں صفحات لکھے۔

ص430 پر ہندوستان کے تمام مولوی وغیر مولوی قومی اسمبلیوں کے ممبران کی بے غیرتی کی مثال دے کر لکھا گیا ہے کہ" 1992 مولوی اسعد راجیہ سبھا کے ممبر تھے اور پورے ہندوستان میں اس وقت پارلیمنٹ کے اندر واحد ایک سنیل دت ایسا انسان تھا جو بابری مسجد کی شہادت پر استعفیٰ دے کر باہر چلا آیا جس کی بعد میں اسے بہت بھاری قیمت چکانی پڑی۔ اس کے بیٹے کو جیل ہوئی اس کا کیرئر تباہ ہو گیا۔ کمال تو یہ ہے کہ مسجد کی شہادت جیسے الم ناک حادثے پر ایک کافر دل تو دل برداشتہ ہو کر ملکی سیاست سے علیحدہ ہو گیا لیکن امت کا غم رکھنے والے مولوی حسین احمد مدنی کے بیٹے مولوی اسعد مدنی نے احتجاجاً بھی کوئی استعفیٰ نہیں دیا" وغیرہ وغیرہ

چند دن پہلے سوشل میڈیا پر ہمارے خیر خواہان کوئی آٹھ دس رنگ کی نیلی پیلی سبز احمدیت دکھا رہے تھے کہ تقسیم ہو گئے۔ گروپ بن گئے۔ پھٹ گئے۔ ختم ہو گئے وغیرہ وغیرہ۔ میرے بھائی آپ کی اپنی تحریر سے صرف آئینہ دکھانا تھا اور صرف یہ کہنا تھا کہ جب گروپ بنتے ہیں تو پھر اس طرح 23 مارچ کو حملہ ہوتا ہے کہ 70 سالہ بوڑھے کو بھاگ کر جان بچانا پڑتی ہے۔ پہلے اس 70 سالہ استاد پر زنا کا الزام لگایا جاتا ہے اور پھر بندوقوں سے مسلح ہو کر رات کو بلوہ کر دیا جاتا ہے۔ جب دل پھٹتے ہیں تو قرآن کی تلاوت پر بھی ہوٹنگ نہیں رکتی۔ جب انحطاط ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے دیو بند ذلت وپستی کی اتھاہ گہرائیوں میں گر گیا ہے۔ ختم ہونا یہ ہے کہ طالب علم اپنے ہی مفتی کو زمین پر بٹھا کر جوتیوں سے مار رہے ہوں۔ اللہ ایسے برے دن کسی دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ اور تقسیم ہونا اسے کہتے ہیں کہ جب زوال آتا ہے تو زندہ تو کیا مردوں سے بھی انتقام لیا جاتا ہے۔ وہ عثمانی خاندان جس نے دیو بند بنایا مگر آج یہ خاندان اپنے ہی بھائیوں کے ہاتھوں سرحد کے دونوں پار سے ایوان سیاست اور سرداری سے باہر نکال دیا گیا ہے۔ سرحد کے اس پار مولوی فضل الرحمٰن اور مولوی سمیع الحق صاحب نے سب سمیٹ لیا۔ جو بچا کچھا تھا وہ منظور چنیوٹی صاحب لے بھاگے تو بارڈر کے اس پار مولوی حسین احمد مدنی صاحب کی اولاد نے جھاڑ وپھیر دیا۔ راجیہ سبھا اور دارلعلوم دیو بند تک ہی بات رہ جاتی تو کافی تھی انہوں نے تو انکے والد مولوی فضل الرحمن صاحب جو بانیان دیو بند میں سے تھے کی قبر تک کو نہیں چھوڑا۔ آج قاسمی قبرستان سے ان کی قبر کا کتبہ بھی اکھاڑ پھینک دیا گیا۔ عثمانی صاحب کی آواز بند ہوتے ہی بخاری، شورش، جالندھری، ہزاروی جیسے نام گونجنے لگے۔ مگر صوبیدار عبد الخلیل صدیق صاحب (ملکہ برطانیہ کے ملٹری کراس ایوارڈ ہولڈر) کے ہونہار بیٹے جناب مفتی محمود صاحب چپکے سے آگے بڑھے جناب صدر ایوب صاحب سے" شاہی سلام دعا " کی اور سیدھے وزارت علیاء پر جا براجمان ہوئے۔ اور پھر کسی کی دال گلی نہ گلنے دی۔ غلام غوث ہزاروی صاحب ہوں یا شورش کاشمیری۔ مولوی محمد حیات ہوں یا مولوی تاج محمود۔ کوئی کنڈیاں میں آستانہ بنا کر عید شب رات جلدی آنے کی دعائیں مانگ رہا ہے تو کوئی ربوہ دریا کنارے بیٹھ کر آتی جاتی لینڈ کروزروں کی گنتی کرتا رہتا ہے کہ شائد کسی "رانا ثناءاللہ" "عمران خان" سے کوئی غلط بیان دیا جائے تو پھر دو چار دن کی دال روٹی چلے۔ اسے کہتے ہیں زوال" دھیرے دھیرے اچھے اور خاندانی اساتذہ رخصت ہوتے چلے گئے۔ اور چاپلوس قسم کے غیر اشرف وغیر النسب ایسے استاد رکھے جانے لگے جو خوف خدا میں نہیں خوف اسعد میں ملازمت کرتے ہیں۔ جب کھیتوں میں ہل چلانے والے اور کپڑا بننے والے لوگ اساتذہ کی مسند پر آجائیں اور اسی طرح غیر النسب وغیر اشرف گھرانوں کے لڑکے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے لگ جائیں تو زوال یقینی ہو جاتا ہے۔ یہی ہو رہا ہے یہاں بھی" تو میرے بھائی خوش نہ ہو یہ صرف دیو بند کا زوال نہیں پوری آل دیو بند کا زوال ہے



اذکرو محاسن موتٰکم

مکرم ماسٹر محمد عیسیٰ ظفر صاحب (مرحوم)

تحریر: محمد سلطان ظفر۔ کینیڈا

خاکسار کے والد مکرم ومحترم ماسٹر محمد عیسیٰ ظفر صاحب 10 اکتوبر 1936 کو غوث گڑھ (انڈیا) میں، مکرم ومحترم چودھری محمد یوسف صاحب اور مکرمہ ومحترمہ رقیہ بی بی صاحبہ کے ہاں پیدا ہوئے۔

ہمارے والد صاحب ایک ہمدرد، خوددار اور انتہائی بہادر شخص تھے۔ پیشہ کے لحاظ سے استاد تھے لیکن جماعتِ احمدیہ کے ایسے مجاہد تھے جن کے کا نصب العین صرف اور صرف تبلیغ دینِ اور دفاعِ احمدیت تھا۔

آپ نے 1970ء کی پُرآشوب دہائی میں احمدیت کے دفاع کے لئے قومی اخبارات کو بہت خطوط لکھے، جن میں اکثر ''ایک قادیانی کا خط'' کے عنوان سے ''روزنامہ مشرق'' اور ''روزنامہ امروز'' میں شائع بھی ہوئے۔

1974ء میں جب احمدیوں کے خلافت فسادات عروج پر تھے، آپ چنیوٹ جاکر مخالفین کے جلسوں میں داخل ہوکر، اہم نکات نوٹ کرتے اور اس کی رپورٹ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کو پہنچا کرآتے۔ اُن کا نکات نوٹ کرنے طریقہ بہت دلچسپ تھا۔ آپ کو اُلٹی تحریر، بڑی تیزی سے لکھنے میں بڑھے مہارت تھی۔ آپ کا لکھا ہوا اُسی طرح نظر آتا تھا جس طرح عام لکھا ہوئے آئینہ میں نظر آتا ہے۔

میری یادداشت میں ابھی تک وہ نظارہ محفوظ ہے جب آپ نے ہمارے گھر کے صحن میں، ایک میز پر آئینہ کے سامنے اپنے نوٹس رکھ کر، رپورٹ بنا رہے تھے۔ اُن کاغذات پر تحریر اُلٹی لکھی ہوئی تھی جبکہ آئینہ میں وہ تحریر سیدھی نظر آرہی تھی۔

1974 آپ چنیوٹ ہی میں تھے جب متعدد احمدیوں گھروں اور دکانوں کو لوٹا جانے لگا۔ اور کئی احمدی خاندانوں کو ہجرت کرکے جان بچانا پڑی۔ ایسے ہی ایک دن مخالفین کا ایک گروہ ایک احمدی گھر کو لوٹنے جارہا تھا کہ آپ بھی بڑی حکمت کے ساتھ ان میں شامل ہوگئے۔ گھر کے لوگ تو جان بچا کر نکلنے میں کامیاب ہوگئے لیکن لوگوں نے اشیاء کو لوٹنا شروع کردیا۔ والد صاحب نے گھر کا جائزہ لے کر ایک ایسی الماری تک دوسروں سے پہلے پہنچنے میں کامیاب ہوگئے جس میں سونے کے زیورات اور نقدی رکھی ہوئی تھی۔ آپ نے وہ زیورات اور نقدی اپنے قبضہ میں کرکے وہاں سے نکل آئے۔ اور رات گئے اس مقام تک پہنچے جہاں چنیوٹ کے ستم رسیدہ افرادِ جماعت پناہ لیے ہوئے تھے۔ اور مذکورہ گھرانے کے افراد کو ڈھونڈ کر تمام زیوارت اور نقدی ان کے حوالے کرکے گھر لوٹے۔

1974ء میں، احمدیوں کے خلاف پورے پاکستان میں ہونے والے فسادات میں، ربوہ میں آنے جانے والے لوگوں کے لئے بھی زمین تنگ ہونے لگی۔ ربوہ جانے والے مسافروں کو بسوں سے اتار دیا جاتا، یا مارا پیٹا جاتا۔ ایسے میں احمد نگر کا بسوں کا اڈا، ربوہ کے مسافروں کے لئے نشانِ منزل بن گیا تھا۔ ربوہ جانے والے مسافر احمد نگر اُتر جاتے اور یہاں سے پیدل ربوہ جاتے۔ مکرم ومحترم والد صاحب نے احمد نگر کے خدام کی ڈیوٹی احمد نگر کے اڈہ پر لگائی اور جو بس بھی سرگودھا کی طرف سے آتی، اُس کو رکوا کر اُس میں سے ربوہ کے مسافر اتروا لیتے اور پھر خدام اپنی سائیکلوں پر، اُنھیں ربوہ چھوڑ کرآتے۔

فسادات کی آگ بڑھتی جارہی تھی۔ نہتے معصوم احمدیوں کی حفاظت کے لئے نہ تو حکومت کی کوئی کوشش تھی نہ نیت۔ ایسے میں والد صاحب نے خود حفاظتی نقطۂ نظر سے خدام کو بعض ''خودساختہ ہتھیاروں'' سے لیس کرنا شروع کردیا۔

ان ''خودساختہ ہتھیاروں'' میں سرخ مرچوں کو پیس کو سفوف بنانا تاکہ اگر دشمن حملہ آور ہو تو اُس کی آنکھوں میں ڈالا جاسکے، غلیلیں اور اُن کے لئے مٹی کی گولیاں بنانا شامل تھا۔

اُنہی دِنوں کی بات ہے کہ محترم والد صاحب، اپنے زیرِ تعمیر گھر کے لئے کچھ سامان لینے کے لئے ٹرک لے کر سرگودھا گئے ہوئے تھے۔ خریداری کے دوران آپ کو علم ہوا کہ کچھ فسادیوں نے کسی احمدی کے گھر کا گھیراؤ کیا ہوا ہے اور آگ لگانے لگے ہیں۔ آپ نے ٹرک ڈرائیور کو ہدایت کی وہ خود ہی سامان لوڈ کرواکر احمد نگر چلا جائے اور آپ خود اس محلہ میں چلے گئے جہاں ایک احمدی کے گھر کو فسادیوں نے گھیر کے آگ لگادی ہوئی تھی۔ محترم والد صاحب کو معلوم ہوا کہ

گھر میں کوئی مرد نہیں اور صرف خواتین ہیں جو چوبارہ پر موجود ہیں۔۔محترم والد صاحب نے پچھلی گلی میں جا کر کسی اور کے گھر کی چھت سے اوپر چڑھ کر چوبارہ پر چلے گئے اور وہاں جا کر خواتین کو تسلی دی اور پھر اپنی چادر پچھلی کھڑکی سے لٹکا کر خواتین کو پچھلے گھر کی چھت پر پہنچا دیا اور پھر وہاں سے ایک محفوظ جگہ پر پہنچا دیا جہاں پر اور بھی احمدی پناہ لئے ہوئے تھے۔فسادیوں کو علم بھی نہ ہو سکا اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ آگ کے ساتھ گھر کی خواتین بھی جل گئی ہیں۔

مکرم ومحترم والد صاحب نے جماعتی ذمہ داریوں کو ہمیشہ اوّلین ترجیح دی۔ میری یادداشت میں اُن کی جو چند یادیں محفوظ ہیں اُن میں سے یہ بات بھی مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپ اسکول سے آ کر کھانا کھاتے اور ربوہ چلے جاتے اور پھر رات گئے واپس آتے۔اُن کے جانے کا تو مجھے پتہ ہوتا تھا جبکہ اُن کے واپسی کے وقت تک میں سو چکا ہوتا تھا۔صرف ایک دفعہ میں سوتے سے اُٹھ گیا تھا دیکھا کہ آپ رات کا کھانا کھا رہے ہیں۔

ربوہ میں اُن کے خدمات کی نوعیت کیا ہوتی تھی اس کا مجھے تفصیلی پتہ تو نہیں لیکن ایک دفعہ ہم اپنی والدہ حلیمہ بی بی صاحبہ کے ہمراہ کسی عزیز کے گھر گئے تو واپسی پر حسبِ پروگرام خلافت لائبریری آئے تھے۔لائبریری بند ہو چکی تھی اور محترم والد صاحب کسی شخص کے ساتھ بیٹھے لکھنے کا کام کر رہے تھے۔

1974ء میں جب احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا اُس کے کچھ عرصہ بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ احباب کی میٹنگ تھی جس میں محترم والد صاحب بھی شامل تھے۔اس میٹنگ میں والد صاحب کو بتایا گیا کہ اُن کو ایک اہم ذمہ داری تفویض کی جائے گی جس کی نوعیت اور وقت کے بارہ میں بوقتِ ضرورت بتایا جائے گا۔

اس میٹنگ کے چند دِنوں بعد حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو، والد صاحب کو بلانے کے لئے بھیجا۔ والد صاحب اُس وقت اسکول پڑھانے گئے ہوئے تھے۔جب وہ واپس آئے، اور آ کر کھانا شروع کیا تو والدہ صاحبہ نے بتایا کہ حضور نے پیغام بھیجا ہے کہ آپ اُن کو جا کر ملیں۔والد صاحب کھانا وہیں چھوڑ دیا اور جانے کے لئے تیار ہو گئے۔والدہ صاحبہ نے اصرار کیا کہ کھانا تو کھا کر جائیں۔والد صاحب نے کہا کہ نہیں! حضور نے بلایا ہے لہذا میں رُک نہیں سکتا۔ حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر آپ ربوہ سے ہی ایک امانت لے کر دور دراز کے علاقہ میں چلے گئے اور جانے سے پہلے گھر پیغام بجھوا دیا کہ میں حضور کی ہدایت کے مطابق کسی کام پر جا رہا ہوں اور معلوم نہیں کب واپس آ ؤں گا۔

والد صاحب کا یہ سفر اس لحاظ سے انتہائی دشوار گزار تھا کہ منزلِ مقصود جو کہ ایک سرحدی گاؤں تھا تک جانے کا کوئی با قاعدہ راستہ نہیں تھا۔اور سرحد پر دونوں جانب پاکستان اور بھارت کے فوجی ہائی الرٹ تھے اور کسی بھی مشکوک شخص کو بلاتوقف گولی مار دیتے تھے۔یہ بھی خطرہ تھا کہ کہیں غلطی سے سرحد ہی پار نہ کر جائیں لہذا آخری ریلوے اسٹیشن کے بعد ایک گاؤں میں ایک شخص کو مقرر کیا گیا تھا کہ وہ والد صاحب کی راہنمائی کریں۔

اس شخص کے پاس پہنچ کر والد صاحب نے رات تک کا انتظار کیا اور پھر پیدل سفر کے لئے روانہ ہو گئے۔دوسرے شخص کے پاس ایک بندوق بھی تھی۔

والد صاحب نے مذکورہ امانت متعلقہ شخص تک پہنچا کر بقیہ رات اور اگلا دن وہیں گزارا اور رات کو واپسی کا سفر شروع کیا۔اپنے ساتھی کے ساتھ جب واپس اُس کے گاؤں پہنچے تو یہ پتہ کروایا کہ اگلی ٹرین کب جاتی ہے تو معلوم ہوا کہ اُس دن کی ٹرین جا چکی ہے اور اب اگلے دن جائے گی۔اس کا والد صاحب کو سخت افسوس ہوا کیونکہ مرکز میں اُن کے منتظر لوگ اس ٹرین سے واپسی کو توقع رکھے ہوئے تھے۔وہاں پر نہ تو کوئی فون کی سہولت تھی اور نہ تار کی۔لہذا ناچار انتہائی بے چینی سے وہ دن اور رات گزاری۔اور اگلے دن، رات گئے بذریعہ ٹرین براستہ لاہور، ربوہ پہنچے۔اپنے رپورٹ حضور کی خدمت میں بجھوائی اور علی الصبح واپس احمدنگر پہنچ گئے۔اُن کو گھر سے نکلے ہوئے ساتواں دن ہو چکا تھا۔

والد صاحب کی غیر موجودگی میں والدہ صاحبہ نے ایک دو دن انتظار کیا پھر ربوہ سے پتہ کروایا کہ ماسٹر صاحب کہاں گئے ہیں لیکن وہاں کسی بھی علم نہ تھا۔ بلکہ اکثر کو تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اُن کو کہیں بجھوایا گیا ہے۔اس کیفیت میں والدہ صاحبہ سخت بیمار ہو گئیں اور جوں جوں وقت گزرتا گیا اُن کی طبیعت مزید خراب ہوتی گئی۔کبھی چارپائی سے اُٹھتیں اور دروازہ کی درز سے باہر گلی میں نظر دوڑاتیں کہ شاید واپس آتے نظر آ جائیں۔

ساتویں دن صبح صبح والد صاحب کی واپسی ہوئی اور گھر آ کر انہوں نے کئی دن تک ہماری والدہ کی تیمارداری کی۔

ایک دفعہ بہاولنگر کے کسی دور دراز کے علاقہ میں بعض احمدی احباب کی خبر گیری کے لئے جماعت کی طرف سے ہمارے والدِ محترم کو بجھوایا گیا۔بہاولنگر سے ایک اور دوست بھی ہمراہ ہوئے۔آدھی رات کو ایک قبرستان کے درمیان سے گزر رہے تھے تو آپ نے ایک نیم برہنہ عورت کو ایک لاش (جس کے بارہ

میں بعد میں پتہ چلا ہے کہ ایک بچہ کی تھی جس کی تدفین اسی دن ہوئی تھی) پر بیٹھ کر نہاتے دیکھا۔آپ نے اس عورت سے پوچھا کہ وہ کیا کر رہی ہے تو اس نے پہلے تو ڈرانے کی کوشش کی۔ جب ناکام ہوگئی تو اُس نے بتایا کہ اُس کا گاؤں تھوڑی دور ہے اور اُس کی اولاد نہیں ہے۔ایک پیر نے اُسے ہدایت کی ہے کہ اگر وہ کسی نئے دفن شدہ مردہ کی قبر پر نہانے کے فوراً بعد اُس پیر سے دَم کروائے گی تو اُس کے ہاں ضرور اولاد پیدا ہوگی۔ والد صاحب نے اُسے کہا کہ وہ فوراً گھر واپس جائے۔اُس عورت نے پہلے تو انکار کیا لیکن جب والد صاحب نے سختی سے کہا تو جانے پر رضامند ہوگئی ۔لیکن ساتھ ہی اُسے ڈر لگنا شروع ہوگیا۔جس پر اِن دونوں اشخاص اُس کو اُس کے گاؤں کے باہر تک چھوڑ آئے۔اُدھر وہ پیر صاحب ''دَم'' کرنے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔جب اُن کو پتا چلا کہ کس طرح دو اشخاص نے رنگ میں بھنگ ڈال دی ہے تو وہ کچھ مریدوں کے ساتھ آپ لوگوں کے تعاقب میں آئے۔لیکن والد صاحب اُن کے ساتھی اُن کو چکمہ دے کر بچ نکلے۔ لیکن اس تگ ودو میں اُن کو کافی دیر ہوگئی اور اُن کو بقیہ سفر اگلی رات کرنا پڑا۔

ہمارے قصبہ احمد نگر میں ایک بڑے زمیندار اور چیئرمین کونسل یونین مہر محمد عیسیٰ صاحب بھی تھے۔جن کے اثر ورسوخ کی وجہ سے احمد نگر کی اکثریت ان کی بات کو بلاچوں چرا مان لیا کرتی تھی۔ایک موقع پر ایک اہم مسئلہ پر احمد نگر کے بیشتر افراد اکٹھے ہوئے جس میں مہر محمد عیسیٰ صاحب تھے۔اُنہوں نے اس مسئلہ کا جو حل بتایا وہ منصفانہ نہیں تھا اس پر صرف میرے والد صاحب کو یہ جراٗت ہوئی کہ سب کے سامنے کہا کہ ''مہر صاحب! یہ مت سمجھیں کہ یہاں صرف ایک ہی محمد عیسیٰ ہے۔ یہ مسئلہ ایسے نہیں، ایسے حل ہوگا۔'' اس پر مہر صاحب نے کہا کہ ٹھیک ہے ماسٹر صاحب! جیسا آپ کہتے ہیں ویسے ہی کر لیتے ہیں۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ والد صاحب بطور استاد سرکاری ملازمت کرتے تھے۔اُن کی تعیناتی جہاں بھی ہوئی وہیں اپنے گرویدہ پیدا کر لئے۔اور آج بھی ان کے شاگرد بلکہ اُن کے والدین بھی ہماری عزت ایسے کرتے ہیں کہ جیسے ہم خود اُن کے استاد یا ان کے بچوں کے استاد ہیں۔

مکرم ومحترم والد صاحب نے زیادہ عرصہ موضع جکو گے نزد لالیاں میں پڑھایا۔پورا گاؤں اُن کی بہت عزت کرتا تھا۔ایک لالی صاحب جو قومی اسمبلی کے ممبر بھی بنے، والد صاحب کی بہت عزت کرتے تھے اور اپنے خاندان میں ہونے والے شادیوں اور دیگر تقریبات میں خصوصی طور پر بُلاتے۔ ایک دفعہ اُنھوں نے ہم سب اہلِ خانہ کو بھی ایک شادی میں بُلایا تھا۔اُن کی یہ عزت اُس روایتی عزت اور احترام سے بالا تھی جو عموماً دیہاتوں میں اساتذہ کی، کی جاتی تھی۔ اسکول کے ہیڈ ماسٹر اور دوسرے اساتذہ کو لالی صاحب نے شاذ ہی کبھی دعوت دی ہو۔

اُنہی دِنوں کا ایک واقعہ ہے کہ والد صاحب نے امتحانات کے بعد نتائج کا اعلان کرنا تھا۔نتیجہ والے دِن اسکول میں تمام اساتذہ چھٹی پر تھے اور صرف والد صاحب نے ہی نتیجہ سُنانا تھا۔ اس موقع پر والد صاحب ہم سب اہلِ خانہ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ والد صاحب نے جب اپنی کلاس کا نتیجہ سُنایا تو پوری کلاس میں سوائے ایک لڑکے کے سب پاس تھے۔ فیل ہونے والے لڑکے نے رونا شروع کر دیا۔ جب ہماری والدہ صاحبہ نے یہ دیکھا تو والد صاحب کو کہنے لگیں آپ اس لڑکے کو بھی پاس کر دیں۔ والد صاحب نے کہا کہ یہ فیل ہے لہذا اس فیل کرنا تھا۔اس پر والدہ صاحبہ نے کہا کہ مجھ سے اس کا رونا نہیں دیکھا جا رہا۔ آپ اس کو پاس کر دیں۔اس پر والد صاحب نے اُس بچہ کو بھی پاس کر دیا۔وہ بچہ خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔والدہ صاحبہ بھی اُس کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی رہیں۔

والد صاحب بہت منظم تھے اور ہر چیز کا ریکارڈ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ خاندان اور برادری کے تمام لوگوں کی پیدائش اور وفات کا دن اور وقت تک نوٹ کرنے کے لئے ایک الگ رجسٹر بنایا ہوا تھا جس سے تمام احباب نے سالہا سال فائدہ اُٹھایا۔ یاد رہے کہ اُن دِنوں تو بچوں کی پیدائش کا اندراج کروانے کا کوئی رواج نہ تھا اور بعد میں جب بچے اسکول جاتے تھے تو اکثر داخلے کے وقت اسکول کے اساتذہ خود ہی کوئی تاریخ پیدائش لکھ دیتے تھے جو ان بچوں کی سرکاری تاریخ پیدائش سمجھی جاتی تھی۔

والد صاحب ،شادی کے بعد والدہ صاحبہ کے تمام رشتہ داروں کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اکثر اپنے سسرال ،گھنوکے ججہ ضلع سیالکوٹ جاتے۔آپ نے تمام گاؤں کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔خصوصاً والدہ صاحبہ کی سہیلیوں کا بہت خیال رکھتے۔

ایک عرصہ گزر جانے کے بعد بھی مجھے اپنے ننھال گھنوکے ججہ جانے کا موقع ملتا یا وہاں کا کوئی شخص کہیں اور ملتا ہے تو میرے والد محترم کا ذکر ہمیشہ بہت محبت کے ساتھ کرتا ہے۔

انیس فروری 1978 کو فضل عمر ہسپتال ربوہ میں دل کے عارضہ کے وجہ سے والد صاحب اس دارِفانی سے بیالیس سال کی عمر میں کوچ کر گئے۔ اس

موقع پر مکرم ومحترم صاحبزادہ مرزا فرید احمد صاحب تعزیت کے لئے تشریف لانے سے قبل بغرضِ اطلاع واجازت حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو پیارے آقا نے انہیں ہدایت فرمائی کہ ان کی طرف سے بھی اہلِ خانہ سے تعزیت کرکے آئیں۔ محترم صاحبزادہ صاحب کے ہمراہ مکرم ناصر ظفر بلوچ صاحب، مکرم عبدالکریم نمبردار صاحب اور مکرم مہر ولی محمد صاحب بھی تشریف لائے۔

صدر جماعت محترم ناصر ظفر بلوچ صاحب نے ایک دفعہ مجھے بتایا کہ ماسٹر صاحب کے کاموں کی وجہ سے مجھے ان سے اتنی محبت تھی کہ جب ان کی وفات ہوئی تو میں نے اُن کو لحد میں اپنے ہاتھوں سے اتارا۔ حالانکہ بوجوہ، ان سے پہلے یا بعد میں، میں نے کبھی کسی کو لحد میں نہیں اتارا۔

مکرم ومحترم والد صاحب کے بارہ میں ہمارے خالو مکرم ومحترم فضل الرحمن نعیم صاحب نے ایک مضمون تحریر فرمایا تھا جو مندرجہ ذیل ہے۔

''چودھری محمد یوسف صاحب قیامِ پاکستان کے بعد ہجرت کرکے احمد نگر آئے اور کچھ زمین اُن کے حصہ میں آئی۔ میں نے 1952ء میں چنیوٹ سے تعلیم الاسلام ہائی سکول سے میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد کے مطابق جامعہ احمدیہ میں لیا، جو اُن دِنوں احمد نگر میں تھا۔ حضرت مولانا ابو العطاء جالندھری ہمارے پرنسپل تھے۔ دیگر اساتذہ میں قاضی محمد نذیر صاحب فاضل لائل پوری، مولوی ظہور حسین صاحب، مولوی ظفر محمد صاحب ظفر فاضل، قریشی محمد نذیر صحب، صاحبزادہ ابوالحسن قدسی صاحب (ابن حضرت صاحبزادہ عبدالطیف صاحب شہید خوست افغانستان) اور ماسٹر غلام حیدر صاحب (سیالکوٹ) شامل تھے۔ برادم محمد عیسیٰ ظفر بھی جامعہ میں پڑھتے تھے۔ یہیں سے اُن سے واقفیت کا آغاز ہوا۔ ان کا گھر جامعہ کی عمارت سے بہت قریب تھا، اس لئے کبھی کبھی اُن کے گھر بھی جانے کا اتفاق ہوجاتا تھا۔ ان کے گھر کا ایک کمرہ 3015 X کے لگ بھگ تھا، گرمیوں یہ کمرہ بہت ٹھنڈا ہوتا تھا۔ صحن میں لسوڑے کا ایک درخت تھا جس پر کافی لسوڑے لگتے تھے۔

میری زیادہ واقفیت محمد قدیر صاحب سے اس وقت ہوئی جب 1956ء میں ، حضرت مصلح موعودؓ کے حکم تحت خاکسار حضور کے ذاتی دفتر ایم این سنڈیکیٹ کی طرف سے نخلہ (ضلع خوشاب) حاضر ہو جہاں حضورؓ کے گھر میں ضرورت کی اشیاء کی فراہمی اور مہمانوں کی دیکھ بھال میری ذمہ داری تھی۔ نخلہ کا باغ بھی خاکسار نے لگایا یا لگوایا۔ محمد قدیر صاحب وہاں پہرے داروں کے عملہ میں شامل تھے۔ عبدالغفور خاں اور عبدالولی خاں ، پہرے داروں کے افسر اور انچارج تھے۔ نخلہ میں چونکہ کوئی بازار یا مارکیٹ نہیں تھے لہذا پہرے داروں کو یہاں کھانے پکانے میں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ محمد قدیر احمد نگر تھے اس لئے قدرتی طور پر ان سے ہمدردی تھی۔ حضورؓ کے گھر میں کافی کھانا موجود ہوتا تھا میں اس سلسلہ میں محمد قدیر صاحب کو آسانی بہم پہنچانے لگا۔

دریں اثناء میرے ابا جان محترم ماسٹر عبدالرحمن صاحب اتالیق مرحوم کو 1948ء میں حضور نے کسی سرکاری اسکول میں کام کرنے کی اجازت دے دی تھی، چونکہ حضور کے چھوٹے بچوں صاحبزادہ مرزا رفیق احمد اور صاحبزادی امتہ الحمید نے بھی میٹرک پاس کرلیا تھا اور اب حضور کے بچوں میں سے کوئی ایسا نہ تھا جسے ابا جان پڑھاتے لہذا وہ جا کے چیمہ تحصیل ڈسکہ کے ڈی بی ہائی اسکول میں ملازم ہوگئے تھ۔ میں ساتویں اور آٹھویں (مڈل ورنیکلر فائنل وظیفے کا امتحان) اُسی اسکول سے 1958ء میں پاس کیا تھا اور یہاں سے چنیوٹ چلا گیا تھا۔ حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد کے مطابق میرے ابا جان بھی 1953ء میں وہ ملازمت چھوڑ کر جامعہ احمدیہ احمد نگر میں بطورا کاؤنٹنٹ خدمات سرانجام دینے لگے تھے۔ ہماری رہائش ان دنوں دارالصدر غربی ربوہ میں تھی لیکن کچھ ہی عرصہکے بعد ہم نے احمد نگر میں جامعہ کے ہوسٹل سے ملحقہ قطعہ اراضی میں اپنا مکان تعمیر کرلیا۔ (جب جامعہ احمدیہ ربوہ منتقل ہوگیا۔) نخلہ میں 1956ء سے 1962ء تک حضور گاہے بگاہے قیام کرتے رہے۔ تفسیر صغیر کا زیادہ کام حضور نے نخلہ میں ہی کیا۔ جہاں خاکسار جب بھی ضرورت ہوتی، حضور کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ جب ہم احمد نگر آتے تو برادرم محمد قدیر مجھے بڑی چاہت کے ساتھ اپنے گھر لے جاتے۔ اس طرح برادرم محمد عیسیٰ ظفر سے بھی دوستی میں اضافہ ہوگیا۔

اسی دوران میں صاحبزادہ مرزا حفیظ احمد کی ''احمد ٹرانسپورٹ'' میں (حضورؓ کی ہدایت اور اجازت سے) بطورا کاؤنٹنٹ کام کرتا رہا۔ یہاں پر برادرم محمد عیسیٰ ظفر صاحب کے بڑے بھائی مکرم محمد صدیق صاحب چیکروں کے سپروائزر تھے، جس کی وجہ سے ان کے خاندان سے تعلقات مزید قریبی ہوگئے۔ 28 دسمبر 1957ء کو حضور نے مجھے وقفِ جدید کا کلرک مقرر فرمایا۔ یہ سب کام ایک ساتھ بھی چلتے رہے۔

ایک روز میں محمد قدیر کے ساتھ ان کے گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ اُن کی والدہ نے جن کی شکل وصورت میری دادی امی سے بہت ملتی تھی۔ اُن کا لب ولہجہ ذرا

مختلف تھا یعنی غوث گڑھیوں کا تھا ، بہت شفیق خاتون تھیں۔ میری دادی اماں کا 14 اگست 1955 کو انتقال ہوا تھا اور وہ مجھے بہت عزیز تھیں۔ محمد قدیر کی والدہ نے انتہائی پریشانی کے عالم میں مجھے کہا کہ عیسیٰ کے رشتہ کے سلسلہ میں بہت پریشانی ہو رہی ہے۔

ایک رشتہ دیکھنے کے لئے میں برادرم محمد صدیق کے ساتھ احمد نگر میں ایک گھر بھی گیا مگر وہاں بات نہ بنی۔

گھنوکے ججہ (سیالکوٹ) میں میری والدہ میری والدہ کے حقیقی ماموں حضرت حکیم محمد رشید صاحبؓ صحابی مسیح موعود علیہ السلام رہتے تھے۔ میں وہاں پہلی دفعہ 1950ء میں گیا تھا۔ اُن کی بیٹی، ہمشیرہ حلیمہ ان دنوں 17 سال کی تھی۔ اس کی ایک سہیلی جس کا نام زہرہ تھا اس نے مجھے کہا کہ نہ میری شادی ہوئی ہے نہ حلیمہ کی۔ میں اس وقت 14 سال کا تھا لیکن ہر بات کو سمجھتا تھا۔ دوسری بار میں 1957ء میں اپنے ماموں کلیم عطاء الرحمٰن صاحب مرحوم کے ساتھ گھنوکہ ججہ گیا وہاں سے واپسی پر میرے ماموں جان نے مجھے بتایا کہ ماموں جان (یعنی حضرت حکیم محمد رشیدؓ صاحب) حلیمہ اور نعیمہ دونوں بچیوں کے رشتہ کے سلسلہ میں فکرمند ہیں۔ نعیمہ کے لئے تو میں نے تمہارا (خاکسار فضل الرحمٰن) کا نام تجویز کر دیا ہے مگر حلیمہ کا کوئی رشتہ ذہن میں نہیں آیا۔ اس پر میں برادرم محمد عیسیٰ ظفر کا نام تجویز کیا۔ اس پر ماموں جان میرے ساتھ اُن کے گھر گئے اور رشتہ کے سلسلہ میں بعض ابتدائی بات چیت ہوگئی۔ انھوں نے اپنے ماموں جان کو میری اس تجویز کے بارے میں خط لکھا اور یہ بھی لکھا کہ مجھے اس رشتہ پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ چنانچہ طے ہوا کہ چند ماہ بعد یعنی 1960ء میں نکاح اور رخصتانہ عمل میں لایا جائے گا۔ سُوئے اتفاق سے میرا چھوٹا بھائی حبیب الرحمٰن جس نے ایف اے کا امتحان دیا تھا اور گرمیوں کی چھٹیوں میں ڈنڈ پور کھرولیاں چلا گیا تھا جہاں میرے نانا، نانی اور ماموں کلیم عطاء الرحمٰن کی رہائش تھی وہ وہاں اچانک بیمار ہوا، ہم سب گھر والے احمد نگر سے ڈنڈ پور گئے مگر وہ جانبر نہ ہوسکا۔ اُس کا نتیجہ اس کی وفات کے بعد آیا۔ اس کی وجہ سے شادی کا پروگرام ملتوی کر دیا گیا۔

اکتوبر 1960ء میں احمد نگر کی مسجد میں حضرت مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری نے برادرم محمد عیسیٰ ظفر کا نکاح حلیمہ سے اور میرا نکاح نعیمہ سے پڑھایا اور خطبہ نکاح میں میرے سُسر حضرت حکیم محمد رشیدؓ کے خاندان کی، سلسلہ کی خدمات، خاص طور پر ان کے بھتیجے نامور مبلغ سلسلہ مولانا محمد سلیم صاحب فاضل (بعد ازاں مبلغ سلسلہ کلکتہ بھارت و بلادِ عربیہ) کی علمی قابلیت کا تذکرہ کیا۔

دونوں نکاحوں میں برادرم محمد نسیم صاحب نے ولی کے فرائض سرانجام دیئے۔

شادی کی تاریخ 18 مارچ 1962ء بروز اتوار مقرر ہوئی۔ دونوں باراتیں، احمد نگر سے، صاحبزادہ مرزا حفیظ احمد صاحب کی احمد ٹرانسپورٹ کمپنی کی بس نمبر 7036 پر صبح 9 بجے روانہ ہوئیں۔ حافظ آباد، گوجرانوالہ، ڈسکہ، سیالکوٹ، پسرور اور سوکن ونڈ سے ہوتے ہوئے چار پانچ بجے شام کو گھنوکہ ججہ پہنچے۔ رات کو خوب خاطر تواضع کی گئی۔ اگلے روز 19 مارچ 1962ء کو اسی طویل اور لمبے راستہ سے ہماری واپسی ہوئی۔ 20 مارچ 1962ء بروز منگل ہم دونوں کی طرف سے دعوتِ ولیمہ کا اہتمام کیا گیا۔

برادرم محمد عیسیٰ ظفر میٹرک پاس تھے۔ بہت ذہین اور دماغ کے بہت تیز طرار تھے۔ اُن کے بہنوئی ماسٹر محمد یوسف صاحب، گورنمنٹ فارمل اسکول (ٹیچر ٹریننگ اسکول) کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ اُن کی تحریک پر برادرم محمد عیسیٰ ظفر نے اُن کے اسکول میں داخلہ لے کر JV جے وی کا امتحان پاس کر لیا۔

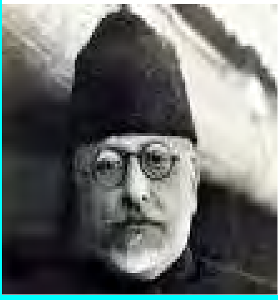
برادرم محمد عیسیٰ ظفر صاحب جماعتی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ خاص طور پر شعبہ عمومی کے کاموں میں اُنھیں دسترس اور مہارت حاصل تھی۔ مخالفین کے جلسوں کی رپورٹنگ نہایت خوبی سے کرتے تھے۔ بہت بہادر اور زندہ دل انسان تھے۔

اگر کوئی اُن کو تنگ کرتا تو ایک دوبار بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ صرفِ نظر کر دیتے لیکن اگر دوسرا باز نہ آتا تو ایسا اقدام اُٹھاتے کہ اُس کے ہوش وحواس کی ایسی تیسی ہو جاتی۔

احمد نگر سے شاید دو تین میل دور نہر ہے جہاں ہم پکنک منانے جایا کرتے تھے۔ اُس کے پاس ہی ایک گاؤں تھا جہاں کے اسکول میں برادرم محمد عیسیٰ پڑھاتے تھے۔ اسکول کا کمرہ بہت تنگ تھا اور کئی درجن بچے وہاں پڑھتے تھے۔ گو گرمیوں میں یہ کمرہ ٹھنڈا ہوتا تھا مگر یوں لگتا تھا جیسے قید کر دیئے گئے ہیں۔ وہاں پر پڑھانا بڑے دل گردے کا کام تھا۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ جامعہ میں بھی اور بعد ازاں 18 سالہ رشتہ داری کے طویل عرصہ میں، میری ان سے ایک بار بھی کوئی ناراضگی نہ ہوئی۔ میں ہمیشہ ان کا خیال رکھا اور انھوں نے بھی کبھی میرے بارے میں کسی قسم کی شکایت نہیں کی۔''





مولانا ابوالکلام آزاد کا شذرہ، اخبار وکیل اور جماعت احمدیہ

تحریر راشد احمد

بانی جماعت احمدیہ کے دعاوی سے اختلافات کے باوجود برصغیر کے علمائے کرام اور اہل دانش کی ایک بڑی تعداد ان کی علم ومعرفت اور آریہ سماج وعیسائی پادریوں سے کامیاب مناظروں اور اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کی معترف رہی۔ 1908 میں جب مرزا صاحب کی وفات ہوئی تو مسلم پریس کی طرف سے انہیں شان دار خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ایسی ہی ایک تحریر مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے اخبار ''وکیل'' میں تحریر کی جس میں وہ لکھتے ہیں:

''وہ شخص بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو۔ وہ شخص جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار الجھے ہوئے تھے اور جس کی دو مٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں۔ وہ شخص جو مذہبی دنیا کے لئے تیس برس تک زلزلہ اور طوفان رہا۔ جو شور قیامت ہوکر خفتگان خواب ہستی کو بیدار کرتا رہا خالی ہاتھ دنیا سے اٹھ گیا۔۔۔مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی رحلت اس قابل نہیں کہ اس سے سبق حاصل نہ کیا جاوے۔ایسے شخص جن سے مذہبی یا عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہو ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے۔ یہ نازش فرزندان تاریخ بہت کم منظر عالم پر آتے ہیں اور جب آتے ہیں تو دنیا میں ایک انقلاب پیدا کرکے دکھا جاتے ہیں۔مرزا صاحب کی اس رفعت نے ان کے بعض دعاوی اور بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کے ہاں تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرادیا ہے کہ ان کا ایک بڑا شخص ان سے جدا ہوگیا ہے اور اس کے ساتھ مخالفین اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار مدافعت کا جو اس کی ذات کے ساتھ وابستہ تھی خاتمہ ہوگیا۔ان کی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جرنیل کا فرض پورا کرتے رہے ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جائے۔تاکہ وہ مہتم بالشان تحریک جس نے ہمارے دشمنوں کو عرصہ تک پست و پائمال بنائے رکھا، آئندہ بھی جاری رہے۔

(اخبار وکیل 30 مئی 1908)

یہ تحریر عرصہ سے وجہ نزاع بنی ہوئی ہے۔مخالفین احمدیت کی طرف سے یہ پراپگینڈہ کیا جاتا ہے کہ یہ تحریر آزاد کی نہیں ہے بلکہ کسی اور نے لکھی ہے۔بعض اسے 'کپورتھلہ' کے کسی صاحب کی طرف منسوب کرتے ہیں اور بعض احباب کے نزدیک یہ تحریر مولانا عبداللہ العمادی کی ہے۔آزاد کی تحریر سے واقفیت رکھنے والے احباب کے نزدیک یہ تحریر آزاد ہی کی ہے۔اس کے لئے ان کے دلائل کا جائزہ پیش خدمت ہے۔

یہ بات تو طے ہے کہ جب یہ تحریر شائع ہوئی اس وقت اخبار ''وکیل'' کے مدیر مولانا آزاد ہی تھے۔جو آزاد کی تحریر سے واقف ہیں، جنہوں نے آزاد کو پڑھا ہے اور ان کے اسلوب کو جانتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ایسا زوردار شذرہ آزاد ہی لکھ سکتے ہیں۔تحریر چیخ چیخ کر اعلان کررہی ہے کہ یہ آزاد کی تحریر ہے۔جماعت احمدیہ کے مخالفین کی طرف سے اس شذرہ کو مولانا عبداللہ العمادی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ مولانا عبداللہ العمادی ان دنوں لکھنو میں رسالہ ''البیان'' کی ادارت کررہے تھے اور انہوں نے انہی دنوں میں الگ سے حضرت مرزا صاحب کی وفات پہ اداریہ سپرد قلم کیا تھا۔

مولانا عبدالمجید سالک نے ''یاران کہن'' کے نام سے ایک کتاب لکھی اور اس میں مشاہیر کا تذکرہ کیا۔جن احباب کا تذکرہ ہوا، ان میں آزاد کا ذکر خیر بھی شامل تھا۔سالک صاحب نے آزاد کے تذکرہ میں لکھا کہ جن دنوں مرزا صاحب اسلام کے دفاع میں عیسائیوں اور آریوں سے مناظرے کرتے تھے، انہی ایام میں آزاد کو مرزا صاحب سے واقفیت ہوئی اور وہ ان کے مداح تھے۔سالک صاحب کے بقول مرزا صاحب کی وفات پہ آزاد لاہور سے جنازہ کے ساتھ بٹالہ تک گئے اور بعد میں اپنے اخبار میں شذرہ بھی لکھا (ریل اس وقت بٹالہ تک جاتی تھی، آگے پیدل سفر ہوتا تھا) سالک صاحب کی کتاب یعنی ''یاران کہن'' احمدیت کے شدید معاند آغا شورش کاشمیری نے شائع کی تھی۔اگر یہ بات خلاف واقعہ ہوتی تو وہ کسی موقع پہ اس کا رد کرتے، لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا۔

یاران کہن کی اشاعت پہ مولانا آزاد خود تو کچھ نہ بولے، لیکن ان کے سیکرٹری نے سالک صاحب کو لکھا اس کی تردید شائع کرو۔ اس پہ انہوں نے گول مول سا بیان شائع کروا دیا۔ سالک صاحب کے اس بیان پہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی جو احمدی تھے اور ایک رسالہ کے مدیر بھی تھے، سالک صاحب کی کوٹھی واقع مسلم ٹاون میں ان سے ملنے گئے اور پوچھا کہ اس وقت میرے اور آپ کے بیچ تیسرا کوئی نہیں، سچ سچ بتایئے شذرہ کس کا لکھا ہوا ہے؟ اس پہ سالک صاحب نے کہا میاں! مجھ سے کیا پوچھتے ہو تم خود ادیب ہو دیکھ لو وہ کس کا لکھا ہو سکتا ہے۔ کیا ایسی تحریر آزاد کے علاوہ کسی کی ہو سکتی ہے؟ پانی پتی صاحب نے پوچھا اگر یہ بات تھی تو آپ نے تردید کیوں شائع کی؟ انہوں نے کہا میری مجبوری تھی، آزاد سے تعلقات رکھنے تھے، سو میں نے میاں اجمل کو ناراض نہ کرنے کا فیصلہ کیا، لیکن جو آزاد کو جانتا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ تحریر انہی کی ہے۔ (پانی پتی صاحب کا یہ مضمون جماعت احمدیہ کے روزنامہ ''الفضل'' میں شائع ہو گیا تھا)

یہ کہنا کہ شذرہ آزاد کا نہیں بلکہ ان کے نائب مدیر کا لکھا ہوا ہے، یہ بھی صریح غلط ہے کیونکہ مولانا آزاد نے خود اقرار کیا ہے کہ ''وکیل'' کا سارا کام وہ خود کرتے تھے۔ اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں:

''میں نے اخبار وکیل کی ایڈیٹری کی پوری ذمہ داری قبول کر لی۔ اس زمانے میں وکیل ہفتہ میں تین بار نکلتا تھا اور دفتر میں بجز ایک مترجم اخبار کے اور کوئی مددگار نہ تھا۔ اس مترجم کا بھی یہ حال تھا کہ بلا نگرانی اور اصلاح کے اس مترجم کی لکھی ہوئی ایک سطر بھی اخبار میں درج نہیں کی جا سکتی تھی (کجا یہ کہ وہ ایسا معرکۃ الآرا شذرہ لکھ مارے) اخبار کے لیڈنگ آرٹیکل سے لے کر جزوی مواد تک سب گویا تن تنہا ہی مرتب کرنا پڑتا تھا۔''

(ابوالکلام کی کہانی، خود ان کی زبانی، مرتبہ عبدالرزاق ملیح آبادی مطبوعہ چٹان پریس، 15 مارچ 1960ء ص:309)

مولانا آزاد کی اس گواہی کے بعد شاید کسی اور گواہی کی ضرورت نہیں رہتی کہ یہ تحریر ان کی اپنی لکھی ہوئی تھی۔ یہ بھی دلچسپ امر ہے کہ اس تحریر کے بعد مولانا لمبے عرصہ تک حیات رہے، لیکن کبھی بھی انہوں نے براہ راست اس کی تردید نہیں کی حالانکہ بارہا یہ معاملہ ان کے سامنے آیا۔ مولانا آزاد کی زندگی میں ہی جماعت احمدیہ کلکتہ نے یہ شذرہ بطور خاص شائع کروایا اور اسے آزاد کی خدمت میں بھی پہنچایا، اس کے باوجود ان کی طرف سے کوئی تردید سامنے نہیں آئی۔

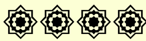
قبولیت احمدیت کا ایمان افروز واقعہ

مولانا عبدالسلام طاہر صاحب

مجلس انصاراللہ جرمنی کے سوینئر 2000ء میں مکرم مولانا عبدالسلام طاہر صاحب کے قلم سے قبول احمدیت کی سعادت حاصل کرنے والوں کے بعض ایمان افروز واقعات شامل اشاعت ہیں۔

مکرم چودھری عبدالغنی صاحب سابق امیر جماعت احمدیہ کویت نے قبول احمدیت کی توفیق اس طرح پائی کہ انہیں غلام احمد پرویز کی تفسیر پڑھتے ہوئے ایک پورا باب قادیانیت کے زیر عنوان ملا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ قادیانیت کیا ہے اور قادیانی کون ہیں لیکن پرویز صاحب نے جو خوفناک نقشہ کھینچا تھا، وہ پڑھ کر میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا کہ ایسے ذلیل لوگ بھی دنیا میں پائے جاتے ہیں جو ایسے گمراہ کن خیالات رکھتے ہیں۔ پھر معاً میرے اندر خیال اٹھا کہ یوں یکطرفہ مخالفانہ تحریرات سے مجھے کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہئے اور مجھے خود مرزا صاحب کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ پرویز صاحب نے جہاں مرزا صاحب کی کتابوں کے حوالے دیئے ہوئے تھے وہاں سے مَیں نے ''کشتی نوح'' کو مطالعہ کے لئے منتخب کیا۔ جب مَیں کراچی آیا تو کسی لائبریری سے یہ کتاب نہ ملی۔ تب مَیں نے جماعت اسلامی کی لائبریری میں جا کر اس کتاب کا پتہ کیا تو لائبریرین مجھ سے لڑ پڑا۔ تاہم وہاں کھڑے ہوئے ایک آدمی نے مجھے بتایا کہ یہ کتاب کوئی قادیانی ہی آپ کو دے سکتا ہے۔ پھر اُس نے سڑک پر جاتے ہوئے ایک شخص کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ وہ قادیانی ہے۔ مَیں نے تیز تیز چل کر اُس قادیانی کو جا لیا اور اپنا مدعا بیان کیا۔ وہ مجھے احمدیہ ہال لے گیا اور کشتی نوح لاکر دیدی۔

کویت پہنچ کر مَیں نے فراغت پا کر کشتی نوح کا مطالعہ شروع کیا تو چوتھے صفحہ تک پہنچتے پہنچتے مَیں احمدی ہو چکا تھا۔ ساری کتاب پڑھ کر بیعت کا شرف حاصل کیا اور تیسرے حصہ کی وصیت کی۔ مجھے اپنے پچھلے چالیس سال کے ضائع ہونے کا پچھتاوا ہے، چاہتا ہوں کہ احمدیت کی زیادہ سے زیادہ خدمت کروں تا اُن سالوں کا مداوا ہو سکے۔





فکر انگیز تحریروں کا گلدستہ

مکرم احسن وہرا صاحب تحریر کرتے ہیں کہ::

7 ستمبر 1974 یوم فرقان کے حوالے سے میرے دوست ریاض احمد رحمٰن کی تحریر فَاعْتَبِرُوا یَا اُولِی الاَبْصَار اس سب کے باوجود غور کر وہ کیا وجوہات ہیں کہ شدید دشمنی اور مخالفت کے باوجود علماء، پیشہ ور ملاؤں اور گدی نشین مشائخ کی تمام تر کوششوں کے باوجود حکومتوں، فوجی آمروں کی ساری طاقت استعمال کرنے کے باوجود، پولیس انتظامیہ اور پارلیمنٹوں کے ذریعے احمدیہ جماعت کو ختم کرنے کی کوششوں کے باوجود۔ 1934، 1953 اور 1974،1984 کی اور بعد ازاں کی احمدیہ مخالفت عوامی فسادات برپا کرنے کے باوجود ناجائز اور ظالمانہ قوانین لانے کے باوجود احمدیہ لٹریچر، اجتماعات، پریس رسالوں اخبارات اور کتابوں پر پابندی کے باوجود...تحریر وتقریر پر پابندیاں لگانے کے باوجود، جیلوں اور طویل مقدمات میں احمدیہ جماعت کے افراد کو الجھانے کے باوجود سینکڑوں معصوم احمدیوں کو شہید کرنے اور گھروں دکانوں اور مساجد جلانے اور ڈھانے کے باوجود الغرض ہر پہلو سے زبان بندی اور تحریر تقریر پر پابندیوں کے باوجود جماعت احمدیہ اسلامیہ کی آواز کو ہر ممکنہ ذریعے سے پوری شدت اور قوت سے دبانے کے باوجود ایک "جھوٹے مدعی" کی آواز، پہلے ایک دور افتادہ چھوٹے سے گاؤں سے باہر نکلی، پھر اپنے شہر اور صوبے سے، پھر اپنے ملک میں اور اب دنیا کے دور دراز 213 ملکوں میں پھیلتی جارہی ہے۔کیا خدا کی دشمنی میں ایک جھوٹا مدعی، اس کے نام سے، پھل پھول سکتا ہے؟ کیا قرآن نہیں کہتا کہ مجرم اور مفتری خدا کے نام سے جھوٹا دعویٰ کرنے والا ناکام اور خائب و خاسر ہوگا تباہ و برباد ہو گا؟ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ (٢ الحشر)

پیغام مؤثر طریقے سے دینے کی ضرورت ہے

چودھری صاحب نے میراثی کو بلانے اپنا نوکر بھیجا۔ میراثی شاید مصروف تھا۔ اس نے جواب دیا۔ آرہا ہوں۔ دس منٹ گذر گئے۔ بندہ پھر بھیجا۔ میراثی نے کہا بس ابھی آ گیا۔ پھر بیس منٹ گذر گئے۔ چودھری صاحب کو غصہ آ گیا۔ موقع پر پہنچے۔ چند گالیاں دیں دو چار جوتے لگائے۔ فوراً ان کے ساتھ چل پڑا۔ چودھری صاحب نے دریافت کیا۔ کہ کیا میرے نوکر نے تمھیں پیغام نہیں دیا تھا؟ میراثی نے عرض کیا۔ بھاگ لگے رہن پیغام دیا تھا لیکن آپ والے موثر طریقے سے نہیں دیا تھا۔ جو باتیں اہل درد قوم کو شروع سے سمجھا رہے تھے کہ امت کچھ نہیں ہوتی۔ مفاد ہوتا ہے۔ اور جہاد کے نام پر فساد نہ پھیلاؤ۔ کبھی کسی پر ذرہ برابر اثر نہیں ہوا۔ لیکن وہی پیغام جب بش اور ٹرمپ نے بذریعہ پراپر چینل بھیجا تو یار لوگوں کو فوراً سمجھ آ گئی۔ کیسے کیسے بے لگام اور بے پناہ مجاہلین تھے۔ اب چوں بھی نہیں کرتے۔ تو پیغام موثر طریقے سے دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہ ہے مولویت کا اصل چہرہ

کشمیر میں ہم جا کر کیا کر لیں گے؟ کشمیر خود لڑیں ہمیں کیوں مروانا ہے۔ جو وہاں ہیں وہ کیا کر رہے ہیں؟ یہ ہے مولویت کا اصل چہرہ۔ اہل سنت والجماعت کا یہ مولوی ہے جہاد جہاد جہاد کا راگ الاپتے رہتے ہیں لیکن جب جہاد کی باری آئی تو منجی تھلے وڑ گئے۔ کہتے ہیں کہ ہم نے تمہیں تیار کیا ہے جہاد پر جاؤ کرو جہاد۔ اللہ تعالیٰ فرمان اب بھول گئے یہ مولوی کہ کتب علیکم القتال۔ بس اب جان کے لالے پڑ گئے۔ خدارا اب تو مولویت کے چنگل سے نکلو۔ اللہ تعالیٰ آپکو سمجھ عطا کرے آمین۔

یہودی ریاست اور ہمارے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں

پاکستان میں پیدا ہونے والا ہر بچہ جب شعور کی منازل طے کر لیتا ھے تو اس کے ذہن میں حرام اور حلال کا تصور اتنا واضح نہیں ہوتا جتنا واضح انڈیا اور اسرائیل سے دشمنی کا تصور ہوتا ہے اگر آپ اسرائیل کی آبادی دیکھیں تو وہ 8 ملین کے قریب ہے، یعنی پنجاب کے شہر فیصل آباد جتنی آبادی۔ اگر آپ دائیں بازو سے تعلق رکھنے والوں سے ایک سادہ سوال ہو چھیں کہ 80 لاکھ کی آبادی والا ملک اسرائیل، ڈیڑھ ارب آبادی کے مسلمانوں کو اپنے جوتے کی نوک پر کیوں رکھے ہوئے ہے، تو یہ سب لوگ یا تو تپلی گلی سے نکل جائیں گے، یا پھر آپ کو بھی یہودی

ایجنٹ کا لقب دے کر بھاگ جائیں گے۔ یہ رائٹسٹ آپ کو کبھی نہیں بتائیں گے کہ گوجرانوالہ سے بھی چھوٹے سائز کا ملک ہونے کے باوجود اسرائیل دنیا کا طاقتور ترین ملک کیسے بن گیا۔ اس کی وجہ آج کے اخبارات میں شائع ہونے والی ایک چھوٹی سی خبر میں پوشیدہ ھے۔ خبر کے مطابق اسرائیل کے موجودہ وزیر اعظم نتن یاھو کے خلاف آج سے 9 ماہ پہلے اسرائیل کی خفیہ ایجنسی کو کرپشن کی شکایات موصول ہوئیں۔ خفیہ ایجنسی اتنی بااختیار ھے کہ اس نے فوری نوٹس لے کر نتن یاھو کے خلاف تحقیقات شروع کر دیں۔ یہ معاملہ آج سے کئی سال قبل کا تھا جب نتن یاھو وزیر خزانہ ہوا کرتا تھا اور اس وقت اسرائیل نے فرانس سے آبدوز خریدی تھیں۔ الزامات کے مطابق نتین یاھو نے اس سودے میں ایک ملین یورو رشوت لے کر مہنگے داموں سودا کیا تھا۔ پچھلے ہفتے جب اس کے خلاف ابتدائی تحقیقات مکمل ہوگئیں اور رپورٹ اسرائیل کے اٹارنی جنرل کو ارسال ہوئی تو اس نے معاملے کا جائزہ لینے کے بعد آج پولیس کو حکم دیا کے وہ موجودہ وزیر اعظم کے خلاف کرپشن کا مقدمہ درج کر کے اگلے چند روز کے اندر اندر اسے تحقیقات کیلئے تھانے بلائے۔ اٹارنی جنزل کا یہ اقدام اسرائیل میں بالکل نارمل انداز میں لیا گیا، کسی نے یہ نہیں کہا کہ وہ جمہوریت کو نقصان پہنچانا چاہتا ھے، نتین یاھو نے اسمبلی میں کھڑے ہوکر یہ نہیں کہا کہ یہ رقم تو اس نے فلاں فیکٹری بیچ کر اکٹھی کی تھی، وہاں کوئی فضل الرحمان نہیں تھا جس نے یہ بیان دیا ہو کہ آبدوز کا معاملہ مسلمانوں کی سازش ھے، وہاں کوئی زرداری نہیں تھا جو اس معاملے کی آڑ لے کر اپنے کام سیدھے کروانے آ گیا، وہاں کوئی سراج الحق نہیں تھا جس نے اٹارنی جنرل کو یہ کہا ہو کہ نتن یاھو کے خلاف تحقیقات کرنے سے پہلے 1947 سے لے کر اب تک سب کا احتساب کیا جائے، وہاں کی سپریم کورٹ نے یہ نہیں کہا کہ فرانس سے رشوت لینے کی خبر جس اخبار میں چھپی تھی، اس میں تو پکوڑے بکتے ہیں میرے دوستو، بھائیو، بزرگو، یہ فرق ھے ایک یہودی ریاست اور ہمارے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں۔ اسرائیل اس سے پہلے بھی اپنے سابق وزرائے اعظم کو کرپشن پر جیل بھجوا چکا ھے اور یہ اس کے لئے نئی بات نہیں۔ دوسری طرف پاکستان میں آج تک کسی حکمران کو بھی کرپشن پر سزا نہیں ہوئی، حالانکہ ایک دوسرے پر کرپشن کے الزامات سب نے لگائے۔ آج کے مسلمان اور یہودی میں اوپر بیان کیا گیا فرق یہ بتانے کیلئے ب کافی ھے کہ ہمیں جوتیاں کیوں پڑ رہی ہیں اور یہودی دنیا کے حکمران کیسے بن بیٹھے ہیں۔ یہ فرق آپ کو پاکستان کا کوئی دائیں بازو کا دانشور یا صحافی کبھی نہی بتائے گا۔

کس کا مذہب سچا

ایک بار ایک ہندو اور ایک عربی میں ٹھن گئ کہ کس کا مذہب سچا ہے۔ جب کافی بحث کے بعد بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا تو یہ طے پایا کہ دونوں باری باری پہاڑ کی چوٹی سے چھلانگ لگائیں گے جو بچ گیا اس کا مذہب سچا ہوگا۔ پہلے ہندو کی باری آئ اسنے چوٹی پر پہنچ کر اپنی بغل سے کالی ماتا کی مورتی نکال کر اس کے سامنے ماتھا ٹیکا اور کچھ پڑھ کر پہاڑ سے کود گیا اور بحفاظت زمین پر پہنچ گیا اس کو یوں محفوظ دیکھ کر مسلمان کے تواوسان خطا ہو گئے۔ اتنے میں وہ ہندو اسے نیچے سے للکارنے لگا کہ اب وہ جمپ مارے۔ چارونا چار عربی (مسلمان) لرزتی ٹانگوں کے ساتھ چوٹی کے کنارے تک آیا اور پھنسی پھنسی آواز میں نعرہِ حیدری لگایا اور ساتھ ہی پیچھے مُڑ کر مورتی کے سامنے ہاتھ جوڑ کے بولا ذرا تُسی وی دھیان رکھنا جی۔

اصل چیز بچے میں اعتماد کا پیدا کرنا محنت کا عادی بنانا ہے

جب میری بیٹی پانچ سال کی ہوئی اور سکولوں میں گرمیوں کی چھٹیوں کے بعد ستمبر کے مہینہ میں گھر سے نزدیک ایک اچھی شہرت کے حامل سکول میں داخلے کے لئے رابطہ کیا گیا۔ سکول پرنسپل نے بیٹی کو پری سکول (پلے گروپ اور نرسری وغیرہ) میں داخل نہ کروانے کی وجہ دریافت کی۔ میں نے عرض کیا کہ میرے خیال کے مطابق بچے کو پانچ سال کی عمر تک سکول میں داخل نہیں کروانا چاہیے تاکہ وہ اپنی زندگی کے ابتدائی دن اپنے ماں باپ کی براہ راست تربیت کے عمل سے مستفید ہو نہ کہ سکول کے دوسرے بچوں اور اساتذہ کی سوچ اور عمل اس کی ذہنی ناپختگی کو متاثر کر سکیں۔ پرنسپل نے کہا کہ یہ سوچ پرانے وقتوں کی ہے۔ جواباً عرض کیا کہ یہ پرانی نہیں بلکہ جدید تحقیق کے نتیجے میں سامنے آنے والے حقائق کی بنیاد پر قائم کردہ سوچ ہے اور علمی اور سائنسی ترقی کی معراج پر پہنچے امریکہ جیسے معاشرے میں بھی کئی ملین بچے اپنی تعلیم کے پہلے پانچ سے چھ سال ہوم سکولنگ کرتے ہیں اور پھر زندگی کی دوڑ میں وہ کسی طرح بھی دوسرے بچوں سے پیچھے نہیں رہتے بلکہ کئی لحاظ سے تعلیمی میدان کے ساتھ ساتھ کردار کی پختگی کے حوالے سے بہتر انسان ثابت ہوتے ہیں۔ پرنسپل نے متعلقہ استاد کو بیٹی کا ٹیسٹ لینے کو کہا اور ٹیسٹ کے مکمل ہونے پر بتایا کہ پر اعتماد اور ذہین لگتی ہے مگر نصاب سے متعلق بہت سی چیزیں نہیں آتیں۔ بہر حال مشروط داخلہ دے دیا گیا۔ اس کے ہم جماعت بچے گزشتہ دواڑھائی سال سے اسی سکول میں پڑھ رہے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد کوئی ٹیسٹ ہوا اور میری بیٹی کو صفر نمبرز ملے اور استاد نے کاپی پر بڑا سا 0 مارک کر دیا جب دوسرے بچوں نے دیکھا تو میری بیٹی کو کہنے لگے آہا جی تم کو انڈا

ملا۔ آہا جی تم کو انڈا ملا۔ جس پر وہ رونے لگی تو بچوں نے اسے کہا کہ انڈا تو اچھی بات ہے اور یہ اسے ملتا ہے جو سب سے اچھا ٹیسٹ کرتا ہے جس پر وہ خوش ہوگئی اور گھر آنے پر اپنی ماں کو خوشی خوشی بتایا کہ آج اسے انڈا ملا ہے۔ ماں نے اسے سمجھایا کہ یہ انڈا نہیں بلکہ صفر ہوتا ہے مگر کوئی بات نہیں آپ محنت جاری رکھو۔ پہلی جماعت ہی کے سالانہ امتحان میں بیٹی نے 25 بچوں کی جماعت میں پہلی پوزیشن حاصل کی اور آئندہ پانچ سال بھی اپنی اس پوزیشن کو برقرار رکھا اور دیگر غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی خوب حصہ لیا اور سکول کے نمایاں بچوں میں سرفہرست رہنے کا اعزاز حاصل کیا۔ اصل چیز بچے میں اعتماد کا پیدا کرنا محنت کا عادی بنانا مقابلے کی حس کا بیدار کرنا اور پھر جو بھی نتیجہ آئے اس کو تسلیم کرنے کا حوصلہ سکھانا سب سے اہم ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بچے کی حقیقی صلاحیتوں کو جانچنا بھی ماں باپ اور اساتذہ کی ذمہ داری ہے یہ لازمی نہیں کہ ہر بچہ بہترین نمبروں سے کامیابی حاصل کرے اور ڈاکٹر یا انجینئر ہی بنے۔ اصل چیز محنتی اور اچھا انسان بننے کی لگن کا پیدا کرنا ہے۔

شخصیت پرستی اور بت پرستی کے اصنام کو توڑے

مکرم اصغر علی بھٹی صاحب لکھتے ہیں کہ

امارات کی سات ریاستیں ہیں، ہر ریاست کے طول وعرض میں گھوما پھرا ہوں آج تک کوئی مزار، پیر، فقیہہ، غوث، قطب، قلندر، ابدال، فقیر، درویش، شیخ العرب والعجم، مجاہد ملت، مشکل کشا، سید السادات، عاشق رسول، فخر اسلاف، شان دیوبندیت، امام بریلویت، آیت اللہ اور مجتہد وغیرہ نہیں دیکھا لیکن کمال کی بات یہ ہے کہ سب پنج وقتہ نمازی ہیں اور پکے مسلمان بھی اور انکے لئے آسانیاں ہی آسانیاں ہیں۔۔۔!!!! اسی طرح عرب دنیا میں 22 ممالک ہیں جو ایشیا اور افریقہ کے ایک وسیع رقبے پر پھیلے ہوئے ہیں، کسی بھی عرب ملک میں کرامات دکھانے والے پیر، مشکلیں رفع کرنے والے درویش، وجد میں آنے والے فقیر اور نام نہاد غازیان ملت ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے۔۔۔

پاکستان میں ہر میل پر کوئی نہ کوئی زندہ پیر اور مزار ہمیں ضرور ملے گا، ہر موڑ پر مشکل کشا بیٹھا ہوتا ہے جسکا بدن گندا اور کپڑے میلے ہوتے ہیں اور اللہ ھو کے نعرے بلند کرتا رہتا ہے، عورتوں اور بوڑھوں کا ایک جم غفیر ہوتا ہے جو انہیں مسیحا سمجھ کر اس سے مانگ رہے ہوتے ہیں لیکن اسکے باوجود کسی کی مشکلات کم نہیں ہوتی، بیماریاں رفع نہیں ہوتی ہاں پیر اور فقیر کی زندگی عیش وعشرت میں ضرور ہوتی ہے۔۔۔۔ کچھ ماہ پہلے پیر آف گولڑہ کی شادی میں کروڑوں روپے جو اڑائے گئے وہ انکی اپنی جمع پونجی تو نہیں تھی، اپنے معتقدین سے بٹورا ہوا پیسہ ہی تھا۔۔۔۔!!

جب تک پاک وہند کے مسلمان اس شخصیت پرستی اور بت پرستی کے اصنام کو نہیں توڑے گے اور خالص اللہ کے بندے بن کر زندگیاں نہیں گزاریں گے تب تک ذلت ورسوائی انکا مقدر بنی رہے گی۔۔۔!

اسی طرح نہ ہی یورپ کے کسی ملک میں دربار ہے۔ نہ جن۔ نہ دیو کا سایہ۔ نہ کالا جادو۔ نہ آستانے۔ نہ مولانے نہ جہادی نہ فسادی، نہ دم۔ نہ تعویز۔ نہ عرس نہ دھمال۔۔ نہ کوئی جعلی مشکل کشا، نہ جن، نہ پیر بابا....* لیکن لوگ پھر بھی خوش حال ہیں ۔۔ رزق دینے والا اور دنیا کے تمام معاملات چلانے والا صرف اللہ ہے۔ اے لوگو سوچو۔

دو ملک دو رویہ

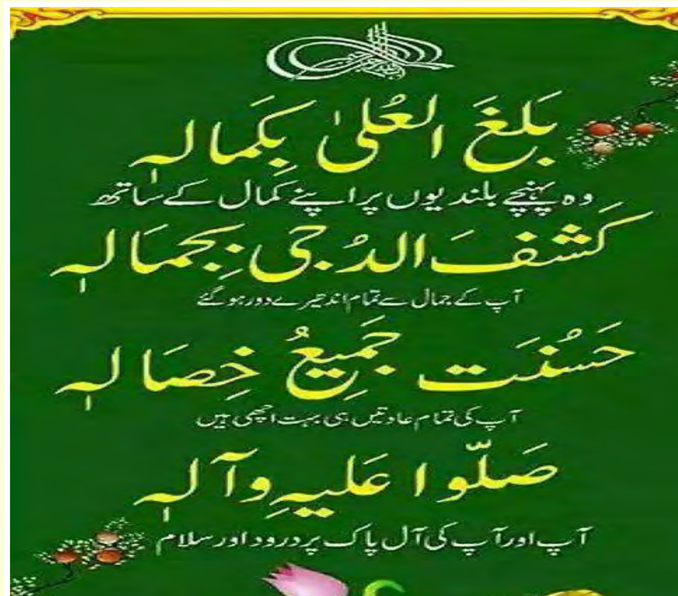
اُس کا باپ مسجد میں امام تھا۔ وہ خُود بھی ہمیشہ عمل کرنے والا مُسلمان رہا، نماز، روزہ، اور دیگر فرائض پورے کرنے والا مُسلمان۔ وہ فزکس اور ایروسپیس انجینیئر نگ میں تعلیم یافتہ تھا۔ حالانکہ وہ مُسلمان تھا، مگر اس کے باوجود بھارت نے اُسے اپنے دو سب سے زیادہ حساس اداروں یعنی DefenceResearch and Development Organisation اور Indian Space Research Organisation میں تعینات کر دیا۔ یعنی اپنی فوج اور اپنے خلائی پروگراموں کے سب سے حساس ترین اداروں کی اہم ترین پوزیشنوں میں۔ اُس نے بھی کمال کر دکھایا۔ ایک جانب خلائی پروگرام میں کامیابیاں حاصل کیں، دوسری جانب بھارت کو میزائیل ٹیکنالوجی سے آراستہ کر دیا، اسی لیے آپکو بھارت کا "میزائل مین" کا لقب دیا گیا۔ صِرف یہی نہیں، 2002 میں آپ اکثریت ووٹ لے کر جیتے اور بھارت کے صدر بنے۔ بھارت کا سب سے بڑا اعزازی اوارڈ "بھارت رتنا" سے آپکو نوازا گیا۔ اسکے علاوہ مُلک بھر کی عمارتیں، سڑکیں، حتیٰ کہ ایک جزیرہ کا نام بھی آپ کے نام پر رکھ دیا گیا۔ آپ کو دوسرا عظیم ترین بھارتی بھی قرار دیا جاتا ہے۔ بھارتی عوام آپ کو اپنا ہیرو اور آئیڈیل قرار دیتی ہے۔ آپکو ملنے والے ایوارڈز، اعزازات، وغیرہ کا شُمار ممکن نہیں۔ آپ کا نام عبدالکلام Abdul Kalam تھا۔ ایک اقلیت کو اپنا ہیرو بنانے سے بھارتیوں کا ہندو مذہب خطرے میں بھی نہیں پڑا، اُنہیں ایسا بھی نہیں لگا کہ ایک اکیلا شخص تمام بھارت کو مُسلمان بنا دے گا، اُنکی مُلکی سالمیت کو دھچکا بھی نہیں لگا، قومی سلامتی خطرے میں بھی نہیں پڑی، بلکہ مُلک ترقی کر گیا۔ سرحد کے

بالکل ساتھ ہی ایک دوسرا ملک بھی ہے۔ جہاں ایک ملتی جلتی شخصیت پیدا ہوئی، بلکہ عبدالکلام سے بھی بڑی شخصیت۔ اس شخص نے پاکستان میں سائنس کی بنیاد ڈالی۔ خلائی ادارے SUPARCO کی بنیاد ڈالی۔ ایٹمی ادارے PAEC کی بنیاد ڈالی۔ فزکس اور ریاضی کے تحقیقی شعباجات کے آغاز کی بنیاد ڈالی۔ ایٹمی تحقیقی ادارے PINSTECH کی بنیاد ڈالی۔ پاکستانی طلبا کو سائنسی تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا، اور سائنس میں تحقیق کی تو دنیا میں دھوم مچا دی یہاں تک کہ بالآخر آپ پہلے پاکستانی سائنسدان تھے جنہیں سائنسی نوبیل پرائز دیا گیا۔ مگر ان بے پناہ اور ان گنت خدمات کے باوجود پاکستانیوں نے کبھی بھی آپکو اپنا ہیرو تسلیم نہیں کیا، بلکہ گالیاں ہی دیں، صرف اور صرف اسلیے کہ مذہبی عقائد مختلف تھے۔ صرف اور صرف تنگ ذہنی، تنگ نظری، تنگ دلی، تعصب، نرگسیت، کی بنا پر۔ دو ملک۔ دو رویے۔ ایک میں مساوات و برابری۔ دوسرے میں تعصب اور اقربا پروری۔ ایک میں میرٹ کو ترجیح۔ دوسرے میں عقیدہ کو ترجیح۔ ایک مریخ پر پہنچ گیا۔ دوسرا اس بات پر لڑ رہا ہے کہ چاند ننگی آنکھ سے دیکھنا حلال ہے یا عدسے میں حرام۔ ایک اپنے سائنسدانوں کو اپنا ہیرو کہتے ہیں۔ دوسرے اپنے سائنسدانوں کو گالیاں دیتے ہیں۔ دو ملک۔ دو رویے۔

حاصل مطالعہ وہ لوگ بھی کیا لوگ تھے۔

سبوخ سید کی تحریر آغا شورش کشمیری ایک دن بھٹو صاحب کے پاس گئے تو بھٹو مرحوم نے کہا: آکسفورڈ یونیورسٹی میں میری لڑکی اور لڑکا دونوں پڑھتے ہیں، آپ بھی اپنی لڑکی اور لڑکے کو بھیج دو، حکومت وظیفہ دے گی، شورش نے کہا کہ میں مشرقی طرز کا آدمی ہوں، مغربی تہذیب میں اولاد کو بھیج کر خراب نہیں کرنا چاہتا، تو بھٹو مرحوم نے کہا کہ شادمان کالونی، لاہور میں دو پلاٹ پڑے ہیں، تم کم ریٹ پر حکومت سے خرید لو اور ایک کو بیچ کر اپنا پلاٹ بنالو تو شورش نے جواب دیا: جناب سر چھپانے کے لئے جگہ موجود ہے، میں کوٹھی نہیں بنانا چاہتا۔ شورش رحمہ اللہ، اپنے گھر واپس آئے اور سارا قصہ اپنی بیٹی کو سنا دیا، تو بیٹی نے کہا کہ: ابو بھٹو صاحب پلاٹ دے رہے تھے، لے لیتے، سرکاری زمین ہے ہم پیسے جمع کرا دیتے ہیں بات صرف اتنی ہے کہ وہ کوئی اور لے جائے گا، بس ہمیں رعایت ہی مل جاتی، آپ نے ہمارے مستقبل کے ساتھ زیادتی کی ہے، تو جواب میں شورش رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: دنیا یہیں رہ جائے گی، میں بھٹو مرحوم سے ایک ایسا تحفہ لیکر آیا ہوں جو قبر میں مجھے کام آئے گا بس یہ بات کہنی تھی۔ تحریک ختم نبوت کے اکابرین بھٹو مرحوم اور شورش رحمہ اللہ کے درمیان کی گفتگو سے بالکل ہی لاعلم تھے۔ کچھ ہی دنوں بعد شورش رحمہ اللہ بیمار ہوئے اور انتقال فرما گئے، جنازے میں حضرت مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ، مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ، مصطفیٰ کھر، کوثر نیازی، معراج خالد، حفیظ پیرزادہ و دیگر حضرات شریک ہوئے۔ ہزاروں کا اجتماع تھا، مجمع سارا حیران تھا کہ بھٹو مرحوم اور شورش رحمۃ اللہ کا کافی دوستانہ تعلق تھا پھر بھی جنازے میں شریک نہیں ہوئے۔ ان کے انتقال کے دوسرے دن ہی بھٹو مرحوم چین چلے گئے۔ پانچ روزہ دورے کے بعد جب واپس آئے تو ایک رات پنڈی میں رہے، دوسرے دن لاہور آئے اور شورش رحمہ اللہ کی قبر پر حاضری دی۔ فاتحہ خوانی کی اور شورش رحمہ اللہ کے گھر بھی تعزیت کے لئے گئے۔ بھٹو مرحوم نے تعزیت کے دوران کہا کہ جنرل عبدالعلی اور جنرل ظفر چودھری قادیانی ہیں، شورش رحمہ اللہ نے میرے پاس آ کر کہا: آپ میرے بچوں کو آکسفورڈ یونیورسٹی نہ بھجوائیں اور پلاٹ بھی مجھے نہ دیں، بس ان دو قادیانیوں کو ہٹا دیں۔ یہی تحفہ میں آپ سے لینے آیا ہوں، تو بھٹو مرحوم نے کہا کہ میں ہٹا دوں گا اور میں نے وعدہ کیا تھا۔ بغیر جنرلوں کے ہٹائے میں اگر اس جنازے میں آتا تو وعدہ خلافی ہوتی، میری آنکھ میں شرم تھی، میں کیسے جنازے شریک ہوسکتا تھا، دوسرے دن میرا چین کا سفر تھا اگر میں اس کو ہٹا کر جنازے میں آتا تو میری غیر حاضری میں شاید اندیشہ تھا کہ اتنی بڑی تبدیلی کے بعد ملک میں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے، تو میں اس لئے جنازہ میں نہیں آیا۔ چین چلا گیا، واپس آیا، آج ہی میں نے ان دونوں جنرلوں کو فارغ کر دیا ہے۔ شام پانچ بجے کی خبروں میں آ جائے گا، اب میں سرخرو ہو کر آپ حضرات کے پاس آیا ہوں۔

منقول:: کہانی پڑھ لی، مزے کی تھی ناں مسلمانوں کی چودہ سوسالہ تاریخ بھی



سیانوں نے یونہی لکھی تھی، میں جب اسے چرسیوں کی تاریخ لکھتا ہوں تو میرے یار دوست تپ جاتے ہیں لیکن اللہ کا شکر ہے اب بہت سے ماننا شروع ہو گئے کہ پپو نے تاریخ یونہی لکھوائی تھی جیسے یہ کہانی گھڑی گئی ہے۔ یہ تحریر فیس بک اور واٹس ایپ گروپوں میں اسلام کے خود ساختہ ترجمانوں اور جھوٹ کے علمبرداروں نے لاکھوں کی تعداد میں شئیر کی۔ جمعہ کے خطبوں میں بیان کیا۔ اب آپ کا مزا خراب کرنے کے لیے چند سطور ملاحظہ ہوں۔ شورش کاشمیری کی وفات 25 اکتوبر 1975 ہوئی، جنرل عبدالعلی ملک 1974 میں سروس ختم ہونے پر ریٹائر ہوئے۔ ایئر مارشل ظفر چوہدری نے چیف ایئر سٹاف سے اپریل 1974 کو استعفی دے دیا۔ پتہ نہیں بھٹو صاحب شورش صاحب کی تعزیت پرکس کو برطرف کر رہے تھے۔

فرشتے اترتے ہیں

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م۱۲۳۹ھ، ۱۸۲۲ء) فرماتے ہیں کہ:

’’میں جس زمانے میں دہلی کہنہ میں رہتا تھا کوچہ انبیاء میں ایک سید کے گھر ایک پوربی باندی رہتی تھی جو بالکل جاہلہ تھی اور نماز کی بھی پابند نہ تھی چونکہ وہ عمر رسیدہ ہوگئی تھی اور گھر کے تمام صاحبزادوں پر اپنا حق رکھتی تھی۔ اس لئے وہ لوگ اس کی بڑی خدمت اور دیکھ بھال کرتے تھے جب اس کا آخری وقت ہوا تو وہ ایک آواز پوربی لہجے میں بلند کرتی تھی جس کا مطلب، مفہوم کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ حکماء وصلحاء کو بلا کر دریافت کیا گیا کچھ نہ معلوم ہوا۔ آخر میرے چچا شاہ اہل اللہؒ کے بلانے کی نوبت آئی۔ وہ تشریف لے گئے انہوں نے معلوم کرلیا کہ اس کی زبان سے لاتخافی لاتحزنی (اے عورت مت خوف کر مت غمگین ہو) نکل رہا ہے، چچا صاحب نے اس کے تیمارداروں سے فرمایا کہ اس سے دریافت کرو کہ یہ الفاظ کس وجہ سے کہہ رہی ہے۔ بڑی کوشش کے بعد اس نے جواب دیا کہ ایک جماعت (فرشتوں کی آئی ہوئی ہے اس کی زبان سے یہ الفاظ نکل رہے ہیں جو میری زبان پر آ گئے)۔ پھر آپ نے دریافت کرایا کہ کیا توان الفاظ کا مطلب سمجھ رہی ہے؟ اس نے کہا مجھے تو بس اتنا محسوس ہو رہا ہے کہ یہ جماعت مجھے تسلی دے رہی ہے۔ پھر چچا صاحب نے فرمایا کہ اس سے دریافت کرو کس عمل کی وجہ سے یہ تسلی دی جا رہی ہے؟ اس نے کچھ دیر کے بعد کہا کہ یہ حضرات کہہ رہے ہیں کہ تیرے پاس اور اعمال خیر تو نہیں ہیں، البتہ تو ایک دن موسم گرما میں گھی لینے کے لئے بازار گئی تھی جب تو نے گھی لا کر گھر میں جوش دیا تو اس میں سے ایک روپیہ نکلا۔ اول تُو نے چاہا کہ اس روپے کو چپکے سے اپنے پاس رکھ لے، اپنے کام میں لائے اس لئے کہ کسی کو اس راز کی خبر نہ تھی، پھر یہ خیال کر کے کہ حق تعالیٰ تو دیکھ رہا ہے تو نے وہ روپیہ دکاندار کو لوٹا دیا۔ تیرا یہ عمل اللہ کے یہاں پسند ہوا، اسی کی وجہ سے ہم تجھ کو بشارت دے رہے ہیں‘‘۔ (ماہنامہ دارالعلوم جلد 8 شمارہ 2 صفحہ 40۔ بحوالہ جواہر پارے از مولانا نعیم الدین مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور صفحہ 156)

قصرِ احمدیت میں پڑی ہوئی ردی کی ٹوکریاں

ڈاکٹر فضل الرحمان صاحب لکھتے ہیں کہ

ہمارے مخالفین ایک پراپیگنڈہ بڑی شدومد سے کرتے رہتے ہیں کہ جماعت احمدیہ متعدد فرقوں میں بٹ چکی ہے جن کی تعداد چودہ تک بتائی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں مختلف لوگوں کی طرف سے کئے گئے بے سروپا دعووں کی بنیاد پر انہیں جماعت احمدیہ کے فرقے بنا کر پیش کر دیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جماعت احمدیہ خلافت کے زیرِ سایہ متحد اور منظم طور پر آگے بڑھ رہی ہے اور مسلسل ترقی کی منازل طے کرتی جا رہی ہے۔ اس میں کسی قسم کی فرقہ بندی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ ایک سدا بہار درخت ہے۔ جو شاخ اس کے ساتھ جُڑی رہے گی سرسبز وشاداب رہے گی اور جو کٹ کر گر جائے گی ایک خشک لکڑی کی مانند رزقِ خاک ہو جائے گی یا آگ کا ایندھن بن جائے گی۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے الہام وسع مکانک کی سچائی کا ثبوت ہے کہ قصرِ احمدیت میں روز بروز وسعت پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ ایک عام گھر کی صفائی کے لئے بھی ہر گھر میں ایک یا ایک سے زیادہ ردی کی ٹوکریاں پڑی ہوتی ہیں تا کہ گھر کا کوڑا کرکٹ ان میں ڈال کر گھر کو صاف رکھا جائے۔ اس لئے قصرِ احمدیت کی صفائی کے لئے بہت سی ردی کی ٹوکریوں کا ہونا بھی ضروری ہے۔ یہ سب چھوٹے چھوٹے گروہ یا افراد جنہیں بغاوتِ نظامِ جماعت کی پاداش میں جماعت سے الگ کر دیا جاتا ہے وہ کوئی فرقے نہیں ہیں بلکہ قصرِ احمدیت کی عظیم الشان عمارت میں پڑی ہوئی ردی کی وہ ٹوکریاں ہیں جن میں ہم اپنا گند ڈال کر اپنے گھر کی صفائی کرتے رہتے ہیں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ”تم خدا کی آخری جماعت ہو۔ سو وہ عمل نیک دکھلاؤ جو اپنے کمال میں انتہائی درجہ پر ہو۔ ہر ایک جو تم میں سُست ہو جائیگا وہ ایک گندی چیز کی طرح جماعت سے باہر پھینک دیا جائیگا اور حسرت سے مرے گا اور خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔‘‘

(کشتیٔ نوح)



شذرات

اصغر علی بھٹی نگران اعلیٰ قندیل حق

مفتی طارق مسعود بے علم ہے وہ صرف استنجا کرنے کے مسائل بن کرسکتا ہے۔

ترجمان دیوبند امیر تحفظ عقائد کل پاکستان دیوبند مسلک علامہ خضر حیات بھکروی

ترجمان دیوبند نے اپنے ہی مشہور دیوبندی مفتی کی علمیت کا پول ان الفاظ میں کھول دیا" یہ ایک مفتی طارق مسعود ہے۔اب یہ طارق مسعود وہ آدمی ہے جس کی کوئی تحقیق نہیں ،کسی مذہب پر بھی تحقیق نہیں۔اس بیچارے نے جامعۃ الرشید سے چند کتابیں پڑھی ہیں ،پگڑی باندھی اور تبصرے کرتا ہے بڑے بڑے۔۔طارق مسعود ایک قدوری پڑھانے والا مفتی ہے اس کا کام یہ ہے کہ استنجاء کے مسائل بیان کرے،طہارت کے مسائل بیان کرے"

(مفتی طارق مسعود کی علمی حقیقت از علامہ خضر حیات۔یوٹیوب پر یہ ویڈیو 9 جون 2019 سے موجود ہے)

تبصرہ قندیل حق

ایک دیوبند کے مفتی ہیں اور دیوبندی ٹی وی چینلز پر ہر وقت لیکچر دے رہے ہوتے ہیں اور دوسرے ترجمان دیوبند ہیں اب ان میں سے کون سے درست ہیں اور کون غلط ۔کون عالم اور کون جاہل ہے یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے البتہ دیوبند ہی کے ایک اور مفتی صاحب کی رائے یاد آرہی ہے وہی لکھے دیتا ہوں۔مفتی ابوعکاشہ رحمٰن جنہوں نے حال ہی میں دیوبند کی سو سال کی تاریخ شائع کی ہے دیوبند سے نکلنے والے علماء اور دیوبند میں پڑھانے والے اساتذہ کا حال ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں" دھیرے دھیرے اچھے اور خاندانی اساتذہ رخصت ہوتے گئے اور چاپلوس قسم کے غیر اشرف اور غیر النسب ایسے استاد رکھے جانے لگے جن میں خوف خدا نہیں بلکہ خوف اسعد یا ملازمت کے چلے جانے کے ڈر کے ساتھ یہاں استاد کی حیثیت سے مسند نشین ہوئے۔۔جب کھیتوں میں ہل چلانے والے اور کپڑے بننے والے لوگ استاد کی مسند پر آجائیں اور اسی طرح غیر النسب اور غیر اشرف گھرانوں کے لڑکے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے لگ جائیں تو زوال یقینی ہو جاتا ہے۔" ص 149

پھر پوری دیوبندی قوم کا نوحہ لکھتے ہوئے ص 249 پر فرماتے ہیں" مسلمانوں کے دارالعلوم دیوبند کی قسمت میں جو روسیاہی مقدر ہو چکی تھی اسے نہ مفتی صاحب کی کوئی تدبیر روک سکی اور نہ علمائے کرام کی وقعت و وقار کا پہاڑ، ریت کا ٹیلہ بننے سے بچا سکا۔دین کے تقویٰ اور طہارت کے نمائیندوں نے اپنے ہی بزرگوں کی رسوائی اور اپنے ہی اسلاف کی روسیاہی کا جو ثبوت اور سرمایہ فراہم کیا اس پر کون یہ کہنے سے باز رہ سکتا ہے تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو") تاریخ کے قاتل مصنفہ ابوعکاشہ رحمٰن ص 149 وص 249 طباعت اے پی آفیسٹ پرنٹرس حیدرآباد۔ملنے کا پتہ فرید بک ڈپو دہلی،عبدالسلام قاسمی محمد علی روڈ ممبئی) ہم بھی صرف یہی کہتے ہیں کہ اے دیوبندی دنیا تفو برا اے چرخ گرداں تفو"

بڑے بڑے حرام خور پڑے ہوئے ہیں داڑھی اور پگڑی میں بڑے بڑے حرام خور پڑے ہوئے ہیں قاریوں میں اور مولویوں میں۔

فرمان مولوی مفتی طارق مسعود دیوبندی

مشہور دیوبندی مفتی طارق مسعود صاحب اپنے ہی بھائی بندوں کے حوالے سے دنیا کو متنبہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں" لوگ داڑھی، پگڑی پہن کر مولوی بن جاتے ہیں۔ویسے تو بڑے ملاں لوگ بھی چکر بازیوں میں پڑے رہتے ہیں۔ملاں کا یہ مطلب نہیں کہ جس کی داڑھی،پگڑی دیکھی بس اسی کو بیٹی پکڑا دی۔ بڑے بڑے حرام خور پڑے ہوئے ہیں داڑھی اور پگڑیوں میں۔نمازی بھی ہیں،امام بھی ہیں مسجدوں کے۔ان میں سے بہت سے موذن بھی ہو نگے اور قاری بھی۔۔بڑے بڑے حرام خور ہیں قاریوں میں بھی۔ مدرسوں کے مہتمم میں ایسے لوگ ہین کہ مدرسہ بنا لیا انہوں نے۔بچوں کو لا کر

بٹھا دیا۔اوران کے نام پر کروڑوں روپے کا چندہ اورحرام خوری کی بلڈنگیں بن رہی ہیں گاؤں میں، دیہاتوں میں۔یہاں نظرنہیں آئیں گی۔یہاں اسی طرح پھٹے پرانے کپڑے پہن کرگھومے گا۔دل کرے گا کہ اس کم بخت کا منہ دیکھ کر اس کوزکوٰۃ دے دو۔اور یہ حرام خورگاؤں میں بڑی بڑی بلڈنگیں بنا رہا ہو گا۔بڑے بڑے حرام خوراسی داڑھی پگڑی میں پڑے ہیں۔کبھی داڑھی اور پگڑی دیکھ کرکسی سے متاثر نہ ہونا۔مدرسہ دیکھ کرمتاثر نہ ہونامدرسوں کے نام پر دوکانیں چل رہی ہیں۔''

(ویڈیو بیان یوٹیوب پر بعنوان پگڑی پہن کرمولوی بن جاتے ہیں ازمفتی طارق مسعود

تبصرہ قندیل حق

مفتی طارق مسعود صاحب آپ کی اس بات کہ" بڑے بڑے حرام خور پڑے ہوئے ہیں داڑھی اور پگڑیوں میں۔نمازی بھی ہیں،امام بھی ہیں مسجدوں کے۔ان میں سے بہت سے موذن بھی ہونگے اورقاری بھی۔بڑے بڑے حرام خورہیں قاریوں میں بھی" مجھےبھی آپ سے سوفیصد اتفاق ہے اللہ ہم کوان مولویوں کے فتنے سے بچائے.

نمازغوثیہ پڑھنے کی اہمیت اورطریقہ

" الحمد کے بعدقل ھو اللہ 11 دفعہ پڑھے۔سلام پھیرنے کے بعد آپ ﷺ پر درود پڑھے۔پھر بغدادشریف کی طرف 11 قدم چل کر میرا نام پکارے اوراپنی حاجت بیان کرے انشاءاللہ وہ حاجت پوری ہوگی۔لیکن یہ نمازمغرب اورعشاء کے بیچوں بیچ پڑھی جاسکتی ہے"نیز مزیددرس میں بتایا کہ" شیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ عنہ قیامت تک اپنے مریدوں کی اس بات کے ضامن ہیں کہ ان میں سے کوئی شخص بغیرتوبہ کے نہ مرے گا۔اوران کو یہ بات دی گئی ہے کہ ان کے مریداوران کے مریدوں کے مرید سات پشت تک جنت میں داخل ہونگے۔اورفرمایا کہ میں اپنے مریدوں کے مرید کا نسل سات پشت تک ہرایک امرکا ذمہ دارہوں اوراگرمیرے مرید کا پردہ مشرق میں کھل جائے گا اور میں مغرب میں ہوں تو اس کو چھپا تا ہوں"(مدنی چینل کی یہ ویڈیو بنام نمازغوثیہ پڑھنے کا طریقہ کے نام سے موجود ہے۔" احوال وآثار سیدنا غوث اعظم کتاب ہے بہجۃ الاسرار بشیر برادرلا ہور کی طرف سے شائع شدہ ہے جس سے مولوی صاحب یہ درس دے رہے ہیں)

تبصرہ قندیل حق

بریلوی فرقے کے ٹی وی چینل مدنی چینل جس میں" اسلامی زندگی گزارنے" کے طریقے سکھائے جاتے ہیں۔جیسے کیلئےفریج کے ساتھ لٹکانے کا مدنی طریقہ" دواسلامی بھائی موٹرسائیکل پر جارہے ہوں تو درمیان میں" مدنی تکیہ" رکھنے کی اہمیت۔گھر کے باتھ روم کے زنانہ مدنی چپل اورمردانہ مدنی چپل نہ رکھنے کا گناہ اوراب نمازغوثیہ پڑھنے کا طریقہ پیش خدمت ہے۔سچ ہے جب خداعقل لیتا ہے حماقت آہی جاتی ہے۔

بغداد کے مولوی، ہلاکوخان اورکوا

جناب مفتی محمدتقی عثمانی صاحب کی زیرادارت شائع ہونے والا جامعہ دارلعلوم کراچی کا ترجمان ماہنامہ" البلاغ "اپنی اپریل 2019 کی اشاعت میں بغداد کی تباہی اورمولوی کے حوالہ سے لکھتا ہے" تاتاریوں کے فتنے میں مسلمانوں کا جوقتل عام ہوااس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اُس وقت مسلمان عالم اسلام اس عظیم فتنہ کا متحد ہوکر مقابلہ کرنے کی بجائے آپس کے اختلافات کا شکارہوگئے۔اورچھوٹے چھوٹے فروعی مسائل پرمناظروں میں مشغول تھے۔ اس پرایک شاعرنے بڑااچھاتبصرہ کیا

جب چلی بغداد میں تاتار کی تیغ نیام
مفتیان شرع میں جاری تھی اک جنگ کلام
یک کہتا تھا کہ کوا ثابت و سالم حلال
دوسرا کہتا کہ کالی چونچ سےتادم حرام
اُس زمانے کے سورج نے جو دیکھا تو کہا
مفتیان را مژدہ ! کارلمت بیضا تمام

(ماہنامہ البلاغ اپریل ص 24 مدیر مسئول عزیزالرحمٰن صاحب)

تبصرہ قندیل حق

مولوی کل بھی اسی کام میں مصروف تھااورآج بھی۔اُس کے لئے کل کے سورج نے جو کہا تھا وہی بات آج کا سورج بھی کہہ رہا ہے افسوس تو اُن سادہ

لوح لوگوں پر ہے جو انہیں سے سدھار کی آس لگائے بیٹھے ہیں.

بھارتی پارلیمنٹ میں ملزم ارکان کی تعداد 233 تک پہنچ گئی.

بھارت سے ہفتہ وار شائع ہونے والے "امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ و جھارکھنڈ کے ترجمان رسالہ نقیب اپنی یکم جولائی 2019 کی اشاعت میں بھارتی قومی اسمبلی میں منتخب ہونے ہوکر آنے والے ممبران کے حوالے سے زیرعنوان" قانون شکن" درج ذیل رپورٹ درج کی ہے" نئے انتخاب کے بعد پارلیمنٹ کی تشکیل ہوچکی ہے اور بی جے پی نے بھاری اکثریت سے حکمرانی اپنے نام کر لی ہے۔لیکن المیہ یہ ہے کہ اس بار جو لوگ قانون ساز ادارے کا رکن بن کر آئے ہیں ان میں 59 ممبران ایسے ہیں جو قتل، زنا بالجبر، فساد کرانے، اقدام قتل، اور اغواء جیسے معاملات میں ماخوذ ہیں ان میں سب سے بڑا نام بھوپال کی رکن پارلیمانی پرگیہ سنگھ ٹھاکر کا ہے جو دہشت گردی، بم دھماکے اور غداری جیسے سنگین جرائم میں چارج شیٹر ہیں۔159 ملزم ممبران قانون سازی میں حصہ لیں گے جبکہ وہ خود قانون شکن ہیں۔2009 سے اگر ہم اعداد وشمار کا تجزیہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اس سال منتخب ہوکر آنے والوں کی تعداد 76 تھی۔یعنی 14 فیصد۔پھر 2014 میں یہ تعداد بڑھ کر 112 یعنی 31 فیصدر پر پہنچ گئی۔2019 کے انتخاب میں ملزم ارکان کی تعداد ان کے اپنے حلف نامے کے مطابق 233 یعنی 43 فیصد ہے۔ان میں 159 یعنی 29 فیصد سنگین جرائم میں عدالت کو مطلوب ہیں۔ایسوسی ایشن آف ڈیموکریٹک الائنس کے تجزیہ پر مبنی رپورٹ کے مطابق 2009 کے مقابلہ میں 10 سالوں میں مجرمانہ ریکارڈ رکھنے والے ارکان کی تعداد میں چوالیس فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔یہ اعداد وشمار سنگین جرائم میں ملوث ارکان سے متعلق ہیں جہاں تک دفعہ 144 توڑنے، بغیر اجازت احتجاج کرنے مظاہرے اور جلسہ کرنے راستوں پر رکاوٹ کھڑی کرنے اور سرکاری کاموں میں رکاوٹ پیدا کرنے کا تعلق ہے تو ایسے ممبران کی تعداد بھی کم نہیں۔2009 میں ایسے ارکان کی تعداد 162 یعنی 30 فیصد تھی 2014 میں 185 یعنی 34 فیصد ہوگئی ہے۔ پارٹی کے اعتبار سے اگر مجرمانہ ریکارڈ رکھنے والے ارکان کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ بی جے پی کے 303 میں سے 116، کانگریس کے 52 میں سے 29، لوک جن شکتی پارٹی کے سبھی 6، جنتا دل یونائیٹڈ کے 16 میں سے 13، بہوجن سماج پارٹی کے 10 میں سے 5 ۔ترنمول کانگریس کے 22 میں سے 9 کیمونسٹوں میں 3 اور بیجو جنتا دل کے 12 میں ایک ممبر پر عدالت میں کریمنل ایکٹ کے تحت یا تو مقدمہ چل رہا ہے یا پینڈنگ ہے۔اس بار پارلیمنٹ میں پہنچنے والے ارکان میں سے سب سے زیادہ مقدمات کانگریس پارٹی سے جیت کر آنے والے کیرالہ کے رکن ڈین کاریہ کوسی پر ہیں۔انہوں نے اپنے حلف نامہ میں واضح کیا ہے کہ ان پر 204 مقدمات چل رہے ہیں۔"

(ہفت روزہ نقیب جلد نمبر 67 / 57 شمارہ نمبر 25 مورخہ یکم جولائی 2019 بروز سوموار)

تبصرہ قندیل حق

خدا را آنکھیں کھولو اور دیکھو کہ گراوٹ کی یہ انتہا جو زندگی کے ہر شعبہ پر محیط ہوتی جا رہی ہے آخر کیوں ہے؟ کیا ابھی قرب قیامت نہیں آیا؟ سوچو مولوی جس روس کے خلاف جہاد کو اسلام قرار دیتا تھا آج اس کی گود میں بیٹھا ہے۔

شاہ سعید احمد رائے پوری کی خانقاہ رحمیہ رائے پور کا ترجمان ماہنامہ رحمیہ لاہور اپنی جولائی 2019 کی اشاعت کے اداریہ میں لکھتا ہے" بدقسمتی سے جب روس اور امریکہ افغانستان میں اپنی سرد جنگ لڑ رہے تھے تو پاکستان کے مذہبی حلقے گہرے سیاسی شعور کا مظاہرہ نہ کر سکے اور بیش تر مذہبی حلقوں نے ریاستی اداروں کی سرپرستی میں اس عالمی سرد جنگ کے آگ اور خون کے خطرناک کھیل میں اپنے اپنے مفادات کے تحت برابر حصہ لیا۔جس پر پاکستان میں موجود مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری نے کھل کر تنقید کی تھی کہ عالمی طاقتوں کے سامراجی مقاصد کے لئے مذہب کے نام پر دینی جذبات رکھنے والے سادہ لوح نوجوانوں کو اس بھٹی کا ایندھن بنانا ٹھیک نہیں۔انھوں نے فرمایا تھا کہ افغانستان کے حوالے سے جہاد کے نام پر جو الاؤ بھڑکایا جا رہا ہے یہ جہاد نہیں فساد ہے اور ایک دن اس کی تپش اس خطے کو جھلسا دے گی۔" لیکن جن کی آنکھوں پر مفادات کی پٹی بندھی ہوئی تھی انھوں نے اس تنبیہہ پر کان نہ دھرے بلکہ الٹا ان پر جھوٹے فتوؤں کی بوچھاڑ کر دی۔۔۔آج ایک بار پھر

افغانستان کی جہادی قوتیں جوکل تک روس کوملحد بے ایمان اوراسلام دشمن ثابت کررہی تھیں وہ اسی روس کے دارالحکومت ماسکو میں انہیں ملحدین کے دروازے پر افغانستان میں موجود حکومت کے خلاف کردار ادا کرنے کے لئے دستک دے رہی ہیں۔یہی نہیں بلکہ سعودی عرب کے شاہ سلمان تو 2017 میں روس کے اپنے پہلے دورے میں دفاع اور تیل کے شعبوں میں کئی ارب ڈالر کے معاہدے کر چکے ہیں۔یہ وہی سعودی عرب ہے جو اس جہاد میں روس کے خلاف ہراول دستے کے طور پر شامل تھا۔پاکستان میں جہادی فتووں کے سرخیل "شیخ الاسلام" اس "ملحد" روس کا دورہ فرما کر اس "بے دین" ملک کی مقتدرہ کے ساتھ مسکراتے ہوئے فوٹوسیشن کراتے اور داد تحسین وصول کرتے ہیں۔یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ 1978 میں جہادی رہنماؤں نے افغانستان حکومت کو"ماسکو کی کٹھ پتلی" قرار دیا تھا اور آج وہ ماسکو میں بیٹھے آج کی افغان حکومت کو"امریکہ کی کٹھ پتلی" قرار دے کر اس سے مذاکرات سے انکار کررہے ہیں۔۔۔جن قوتوں نے اسے کفروایمان کا معرکہ قرار دیا تھا اب ان کے پاس ماضی کا کیا جواز رہ گیا ہے؟اور جہاد کے مقدس نام پر لوگوں سے ان کی جانوں کا خراج وصول کرنے والوں کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟

(ماہنامہ رحیمیہ جولائی 2019 جلد 11 شمارہ 7 مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزادرائے پوری مدیر محمد عباس شاد شذرات 4)

تبصرہ قندیل حق

جس کو یہ بات پہلے نہیں پہنچی وہ پھر سے سن لے نبی پاک ﷺ نے آخری زمانے کے علماء کو بندر اور سور سے بھی بدتر مخلوق کیوں قرار دیا ہے۔میڈیکل سائنس کہتی ہے کہ سور سبزی خور جانور ہے مگر واحد بے دید جانور ہے بھوک لگے تو اپنے بچے بھی کھا جاتا ہے۔اور اپنا ہی پاخانہ بھی کھا جاتا ہے۔اور بندر نقال تو ہے ہی ہوموسیکس کا شوقین بھی ہے باقی تو آپ سب سمجھدار ہیں۔

تبلیغی جماعت میں مزید نئی تقسیم اور ایک مزید نئے شکیلی گروپ کا اضافہ

تبلیغی جماعت جس میں پہلے ہی امارت کے حصول کے لئے کئی گروپ لڑائی مارکٹائی میں مصروف ہیں اب اس میں ایک نیا گروپ شکیلی گروپ امام مہدی اور مسیح موعود کے دعوے کے ساتھ سامنے آگیا۔شکیلی گروپ نے بڑی تیزی سے تبلیغی جماعت میں اپنی تعداد میں اضافہ کرلیا ہے۔شکیلی گروپ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت دیوبند کے ماہنامہ رسالہ" دارالعلوم " کی اس رپورٹ میں دیکھی جا سکتی ہے دارالعلوم دیوبند انڈیا کے ترجمان ماہنامہ" دارالعلوم" اپنی فروری 2019 کی اشاعت میں تبلیغی جماعت میں پھوٹ اور ان کے اندر سے ایک نئی جماعت پیدا ہونے کی خبر شائع کی ہے۔چنانچہ ص 42 تا 48 پر قاری محمد عثمان منصور پوری ناظم کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت و استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کی رپورٹ زیر عنوان"شکیلی فتنے کے خلاف ملکی پیمانے پر کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دیوبند کی مساعی جمیلہ" شائع ہوئی ہے۔قاری عثمان صاحب فرماتے ہیں"شکیل خان ابن حنیف خان صوبہ بہار دربھنگہ شہر سے متصل ایک گاؤں عثمان پور رتن پور کا باشندہ ہے۔سرکاری ریکارڈ کے مطابق اس کی پیدائش 1968 کی ہے۔اس نے پہلے مقامی اسکول اور بعد میں پٹنہ کالج سے تعلیم حاصل کی اس کے بعد تبلیغی جماعت سے وابستہ ہوگیا۔پختہ ثبوت وشواہد بتاتے ہیں کہ تبلیغی جماعت سے وابستگی کے دوران ہی اس نے عوامی رابطے مضبوط کئے اور جگہ جگہ اپنے فتنے کی جڑیں مستحکم کرنے میں خاصی کامیابی حاصل کر لی۔۔لکشمی نگر کے علاقے میں اس نے خاصی کامیابی حاصل کی۔مئی 2003 میں جمنا پار لکشمی نگر کی منارہ مسجد میں اس نے کھل کر مہدی ہونے کا اعلان کردیا۔۔مارچ 2004 میں آگرہ کے اردگرد اس کو کامیابیاں ملنا شروع ہوئی تو افضل العلوم آگرہ کے مفتی عبد الستار صاحب نے باضابطہ کل ہند مجلس کو اس پر فوری ایکشن لینے کی درخواست کی۔اس دوران لکشمی نگر کے آس پاس دلشاد گارڈن، سیما پوری، شہید نگر اور خود لکشمی نگر میں بھی اس کا دائرہ کافی پھیل گیا۔" 2006 میں جب اس کی ایک کتاب منظر عام پر آئی تو اس سے صرف اس کے دعویٰ مہدویت کا ثبوت ملتا تھا۔اس کتاب میں اس نے ظہور مہدی سے متعلق احادیث کو مصداق موجودہ زمانہ کو قرار دیتے ہوئے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ظہور مہدی کے لئے سرزمین عرب کا ہونا ضروری نہیں بلکہ ہندوستان میں بھی ظہور ہوسکتا ہے۔اور اس کے لئے جو بھی علامات ظہور مہدی سے متعلق احادیث میں وارد ہیں ان کا مصداق موجودہ دور میں تلاش کر کے ان کو اپنے اوپر منطبق کرنے کی کوشش کرتا

ہے۔ چنانچہ ص 41 پر مندرج حدیث نمبر 17 سے یکون اختلاف عندموت خلیفۃ میں خلیفۃ کی موت سے 1995 میں مولانا انعام الحسن کی وفات مراد لیتے ہوئے لکھتا ہے" ان کے انتقال کے بعد ہی مرکز میں امیر کو چننے میں شدید اختلاف پیدا ہوگیا۔ بڑی مشکل سے لوگوں نے تبلیغی مرکز دہلی میں ایک امیر منتخب کرنے کی بجائے مجلس شوریٰ قائم کردی۔ اس سے ظاہر ہے کہ مہدی علیہ السلام کا اس شہر دہلی سے مکہ کی جانب روانہ ہونا قریب ہے۔"

اس طرح اس نے بہت سے احادیث سے اپنے اپ کو مہدی ثابت کیا ہے ۔ پھر مہدی کے نام کے حوالے سے ص 53 پر لکھتا ہے" اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ مہدی کا نیا نام یا تو محمد یا احمد ہوگا یا پھر اس کے نام میں محمد یا احمد شامل ہوگا جیسا کہ ہمارے ہندوستان میں رواج ہے" اب اس کے پیروکاروں کے بارہ میں دہلی، اگرہ اور حیدراباد تک اطلاعات ملنے لگ گئی ہیں ۔۔۔ دہلی کی یونیورسٹیوں میں شکیلیت کی وبا خاموشی کے ساتھ بڑی تیزی سے پھیل رہی تھی اطلاع ملنے پر بے شمار لوگوں کو اس کے فتنے سے بچا لیا گیا۔ سال گزشتہ اپریل 2018 میں کیرالہ مئی 2018 میں بنگلور اور اکتوبر 2018 سبحان گڑھ چورو راجھستان اور بھروچ گجرات میں اس وبا کا پیچھا کیا جا رہا ہے۔ فتنہ شکیلیت کے بارے میں یوپی کے مغربی اضلاع کی صورتحال کے ساتھ ساتھ مصدقہ اطلاعات آرہی ہیں کہ مظفر نگر، میرٹھ، مراداباد، نجیب آباد، بجنور وغیرہ کے علاقوں میں مسلمانوں کی غفلت کا فائدہ شکیلی فتنے کے گماشتے اب بھی اٹھا رہے ہیں۔ گوتم بدھ یونیورسٹی اس طرح جہاں جہاں بھی کالج ہیں وہاں کے مسلمانوں کو بہکانے اور ان کو اپنا ہم نوا بنانے میں مصروف عمل ہیں" (ماہنامہ دارالعلوم فروری 2019 جلد 103 شمارہ 2 مدیر محمد سلمان بجنوری 247554 یوپی)

تبصرہ قندیل حق چوہدری محمد علی صاحب نے کیا اس ساری کہانی کو ایک شعر میں سمو دیا ہے

ھوس کی وہ آندھی ہے شہر میں
بجھی عشق کی آگ دوپہر میں
برہنہ بدن ہیں سبھی شہر میں
نہیں فرق کچھ ملک اور مہر میں

متحدہ عرب امارات میں حفظ قرآن بھی جرم قرار دے دیا گیا

لکھنو سے شائع ہونے والے ماہنامہ" بانگ حرا" نے اپنی جنوری 2019 کی اشاعت میں متحدہ عرب امارات کے حوالہ سے انکشاف کیا ہے کہ" اس خلیجی ممالک میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ آشوب قیامت سے کم نہیں۔ 25 نومبر کے روز نامہ انقلاب میں خلیج ٹائمز کے حوالہ سے یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ متحدہ امارات میں حفظ قرآن بھی جرم ہوگیا ہے، حکومت کی منظوری کے بغیر قرآن مجید کا حفظ غیر قانونی ہوگا ۔خلاف ورزی کرنے والے پر 5 ہزار درہم کا جرمانہ ہوگا ۔۔ کربلا صرف ایک بار نہیں پیش آیا، ہر دور میں پیش آتا ہے اور بار بار پیش آتا ہے۔۔ اس وقت مسلم ملکوں میں اسلامی نظام کا مطالبہ کرنے والی قیادت کو جبر و تشدد اور قید و بند کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اور مرکز اسلام مکہ و مدینہ تک سے اس کی تائید و حمائت اور مدد ہو رہی ہے لیکن اس شہر" بے اماں" کے ہمارے علمائے کرام اور تمام صالحین ذکر و فکر صبح گاہی میں مصروف ہیں۔ اس" شہر بے وفا" سے کہیں غیرت اور حمیت کی کوئی آواز بلند نہیں ہوئی ۔۔ جب کشکول گدائی ہاتھ میں آتا ہے تو خون سرد ہو جاتا ہے اور غیرت و حمیت" تیمور کے گھر" سے بھی نکل جاتی ہے۔ ہمارے علماء کا حال ایک گرفتار زلف ریال سے مشکل سے بلند ہے"(ماہنامہ بانگ حرا لکھنو جنوری 2019 ص 40 و 41 زیر عنوان بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا مصنفہ پروفیسر محسن عثمانی ندوی مدیر رسالہ محمد عبدالرشید ندوی)

تبصرہ قندیل حق

متحدہ عرب امارات سے آنے والی خبریں یقیناً وحشت ناک ہیں۔ بت خانے کھولے جا رہے ہیں۔ جوا خانے اور ڈانس پروگرامز کے کنسرٹ کی خبری ہیں۔ علماء کے ہاتھ میں کشکول گدائی ہے وہ ریال کی زلف کے اسیر بن چکے ہیں یہ سب باتیں درست ہیں ان میں رتی برابر بھی شک نہیں لیکن ان سب باتوں کے باوجود آپ کا مرکز اسلام کو "شہر بے اماں" کہنا اور "شہر بے وفا" کہنا کسی بھی صورت قابل قبول نہیں۔ آخر تو وہ ہماری جان سے بڑھ کر عزیز ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفے ﷺ کے شہر ہیں۔

جلسہ سالانہ یوکے ۲۰۱۹ء کے چند دلکش مناظر



حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز جلسہ سالانہ یوکے ۲۰۱۹ء میں خطاب فرماتے ہوئے








نصرت جہاں کالج